سلمیٰ کنول
لیلیٰ

ہم بھرے شہروں میں بھی تنہا ہیں جانے کس لئے
لوگ ویرانوں میں کر لیتے ہیں پیدا آشنا
(احمد فراز)

اس نے قدرے بے دلی سے کتاب بند کر دی۔ دُور سامنے سڑک پر یکایک بہت زیادہ چہل پہل ہو گئی تھی۔ دونوں ہتھیلیوں پر ٹھوڑی ٹکا کر وہ ادھر ہی دیکھنے لگی۔

دوپہر ہو چکی تھی۔ دو بجے تھے۔ یا پھر اڑھائی بجے ہوں گے۔ اسے وقت کا اچھی طرح اندازہ نہ تھا۔

سکول، کالجوں اور دفاتر میں چھٹی کا یہی وقت تھا شاید۔ تبھی سڑک پر آمدورفت بہت بڑھ گئی تھی۔

لوگ میکانکی انداز میں ایک ہی منزل کو بڑھے جا رہے تھے۔ اپنے اپنے گھروں کو۔ جیسے شام ڈھلے پرندے اپنے اپنے آشیانوں میں بسیرا لینے کے لیے! سکولوں کے ننھے منے بچے یوں بھاگ رہے تھے گویا ابھی ابھی کسی قید خانے

سے رہا ہو کر آئے ہیں۔ معصوم بچے۔ خدا کی خوبصورت ترین مخلوق۔!!

اور وہ بڑے انہماک سے دیکھے جا رہی تھی۔ اور جانے کیا کیا سوچے جا رہی تھی۔

پیدل چلنے والوں کے علاوہ سائیکلوں، تانگوں، کاروں اور بسوں کا ایک تانتا بندھ رہا تھا۔ اور وہ دم سادھے اس رواں دواں زندگی کو دیکھ رہی تھی۔

ہر طرف حرکت تھی۔ حرکت۔ جو زندگی کا دوسرا نام ہے۔ اور وہ۔ وہ سوچ رہی تھی۔

چھ سال کی مسلسل بے کاری نے اُسے کتنا سُست اور کاہل بنا دیا تھا۔

اس میں تو حرکت رہی ہی نہیں تھی۔ زندگی سے خالی تھی وہ تو۔!!

بی اے کرنے کے بعد اس نے کیسے کیسے ابا کو منانے کی کوشش نہیں کی کہ وہ اسے کوئی ملازمت کر لینے کی اجازت دے دیتے۔

یوں۔ اس کی زندگی بھی رواں دواں تو رہتی۔ وہ ایک زنگ آلود پرزہ تو نہ بن کر رہ جاتی۔

مگر۔ اپنی تمام تر روشن خیالی کے باوجود ابا نے اسے ملازمت کرنے کی اجازت نہ دی۔ کہیں بھی نہیں۔ نہ کسی دفتر میں اور نہ کسی سکول میں یا ادارے میں صرف اس لیے۔ کہ ان کی زندگی میں ان کی پھول سی بچی نوکری کیوں کرتی ان کی اپنی معقول آمدن تھی۔ اتنی۔ کہ ان کی دو بیٹیوں والا گھر اچھی طرح چل رہا تھا۔ ہر قسم کی آسائش موجود تھی۔ پھر وہ نوکری کے لیے در در کیوں بھٹکتی پھرتی۔!!

البتہ۔ اگر وہ ایم اے کرنے کی خواہش کرتی تو اس کی خواہش ان کے سر آنکھوں پر۔ بلکہ۔

یہ تو ان کا اپنا بھی شوق تھا۔ بیٹا کوئی تھا نہیں۔ اعلیٰ تعلیم دلوانے کا بیٹے والا شوق اب انہوں نے دونوں بیٹیوں پر ہی پورا کرنا تھا۔

اور بیٹیوں میں سے بھی خصوصاً اس کے ساتھ تو ان کی بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں۔ کہ وہ شروع سے ہی بے حد ذہین، بے حد ذمّہ دار اور بڑی خوبیوں والی بچی تھی۔

عجیب سی نکھری سُتھری اس کی عادات تھیں۔ عجیب سا میٹھا اس کا مزاج تھا۔ کہ اس سے ملنے والے اکثر چونک اٹھتے تھے۔

مگر۔ اس نے ایم اے کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ذہین اتنی تھی مطالعہ اتنا وسیع تھا۔ کہ بغیر یونیورسٹی میں داخلہ لیے۔ جماعت میں جا کر بغیر لیکچر سنے ہی امتحان دے دیتی تو انگریزی اور اردو کا ایم اے تو بآسانی اور اچھے نمبروں پر کر سکتی تھی۔

لیکن اس کی دانست میں تو ان بی اے اور ایم اے کی ڈگریوں میں کچھ نہ پڑا تھا۔ چند کتابوں کو رٹ لیا اور کاغذ کے ان بے معنی سے ٹکڑوں کو جنہیں دنیا ڈگریاں کہتی ہے، اپنا اثاثۂ حیات سمجھ لیا۔ زندگی کو پا لیا جیسے۔!!

علم کہاں ہے۔

وہ علم جو ذہن کو جلا بخشتا ہے اور روح کو تازگی۔ جو انسان کو خدا کے قریب لاتا ہے۔

اسے تو اسی علم کی تلاش تھی۔ جو روح کی گہرائیوں تک جا پہنچتا ہے۔ اور انسان کو ایک انوکھے، ایک نرالے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔ پھر اسے نہ دنیا کی نہ دنیا والوں کی۔ کسی کی بھی پرواہ نہیں رہتی۔!

"کومل بی بی۔ آپ کھانا کب کھائیں گی؟"

کنیز کی آواز سے چونکتے ہوئے اس نے اپنی گم شدگی کو پالیا۔

"فری یونیورسٹی سے آگئی ہے۔؟"

کومل نے ہتھیلیوں پر سے ٹھوڑی تو اٹھالی تھی مگر مڑ کر پیچھے دیکھے بغیر ہی پوچھنے لگی۔

"جی ابھی تو نہیں آئیں۔ بس آتی ہی ہوں گی۔"

"اور امی؟"

"بیگم صاحبہ۔؟" کنیز کے لہجے میں تحیر تھا۔

"وہ تو آپ کے سامنے ہی صبح صاحب کے ساتھ آپ کے بڑے ماموں کے ہاں چلی گئی تھیں۔ بہت دیر سے آئیں گی۔ شاید رات کو۔"

"اوہ۔ ہاں یاد آیا۔ مجھے بتا کر تو گئی تھیں۔ پاگل ہوں میں بھی۔!"

بڑے پیارے انداز میں اپنا سر جھٹک کر وہ اپنے آپ پر ہی ہنسی۔ لمحہ بھر بعد نگاہ اٹھائی۔ کنیز اس کے جواب کی منتظر کھڑی تھی۔

"اچھا تو پھر ابھی فری کا انتظار کر لو۔ وہ آجائے گی تو اکٹھے ہی کھالیں گی۔ اب میں کیا اکیلی بیٹھ کر کھاتی اچھی لگوں گی۔! اکیلی۔!"

جانے ذہن میں کون سی سوچ در آئی تھی۔ وہ پھر مسکرائی۔ مڑ کر دیکھا۔

کنیز ابھی تک کھڑی تھی۔ پتہ نہیں وہ جا کیوں نہیں رہی تھی۔ اور۔ تنہا بیٹھ کر سوچوں میں کھویا رہنا آج کل اس کا دل پسند مشغلہ تھا۔

اسے وہاں سے جانے کے لیے صاف کہہ بھی نہ سکی۔ کہ وہ کسی کا بھی دل نہیں دکھا سکتی تھی۔ پھر بات بنائی۔

"کہا ہے نا کہ فری کا انتظار کر رہی ہو۔ ورنہ تمہیں دوبارہ تردد کرنا پڑے گا۔"

"تردد کیسا کومل بی بی۔ میں تو آپ کی کنیز ہوں۔"

"آپ کی کنیز ہوں۔"

وہ زور سے ہنسی۔

"اچھا فقرہ ہے۔"

اس ملازمہ کا نام کنیز ہی تھا۔ کومل نے اسے داد دی۔ پھر مسکرائی۔

"تم اگر پڑھ لکھ جاتیں تو۔۔۔"

"اوہ۔!" اس کا فقرہ پورا ہونے سے پہلے ہی کنیز نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"اپنے ایسے نصیب کہاں بی بی۔!"

"اتنا آزردہ ہونے کی ضرورت نہیں کنیز۔!"

کومل نے کنیز کا یکدم افسردہ ہو جانے والا چہرہ دیکھ کر جلدی سے بات بدلی۔

"کتنے لوگ بہت سارا پڑھ لکھ کر بھی جاہل ہی رہتے ہیں۔ تم ان لوگوں سے بہت بہتر ہو۔"

اور اس سے پہلے کہ کنیز پھر ٹھنڈی آہ بھرتی۔ کہ اسے بات بے بات، وجہ بلاوجہ ٹھنڈی آہیں بھرنے کی بہت عادت تھی۔ کومل کی نگاہ ادھر سڑک کی جانب

اُٹھ گئی۔

فری آ رہی تھی۔ گھر میں اچھی خاصی یہ بڑی مزدا گاڑی موجود تھی مگر اسے
یونیورسٹی جانے آنے کے لیے صرف سائیکل کی سواری پسند تھی۔

کچھ اس لیے کہ اس کی پرورش زیادہ تر لڑکوں کے انداز میں ہوئی تھی۔
لڑکوں والے سکول اور کالج میں اس نے تعلیم پائی تھی۔ لڑکوں ہی کی طرح
اتھلیٹکس اور دوسرے کھیلوں میں حصہ لیتی تھی۔

کوئی کھیل لڑکیوں والا نہیں کھیلا۔ سائیکل ریس میں تو اس نے لڑکوں کو بھی
ہمیشہ شکست دی۔

اس کے علاوہ سائیکل کی سواری آزاد سواری تھی۔ صرف اس کی اپنی
ملکیت۔ کسی اور کی کوئی حصّہ داری یا پابندی نہ تھی۔

اور گاڑی گھر کے سب افراد کے لیے تھی۔ کبھی وہ آبا کو دفتر لے جاتی تو اسے
انتظار کرنا پڑتا اور کبھی امی یا باجی کو کہیں آنا جانا ہوتا تو اسے خواہ مخواہ ہی یونیورسٹی
کے لان میں بیٹھ کر نہ جی چاہنے کے باوجود لمبی لمبی بحثیں کرنا پڑتیں۔

گاڑی کے انتظار میں یوں کبھی یونیورسٹی سے دیر ہو جاتی اور کبھی واپس
گھر جانے کے لیے سوکھنا پڑتا۔

اور وہ۔ کوئی پابندی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

اور۔ اس کی سائیکل۔ اس کی ہم سفر۔ ہر وقت، ہر لمحہ ہمراہی کو تیار۔ جب
ضرورت پڑی۔ اسے پکڑا۔ شوں کر کے ادھر چلے گئے۔ شوں کر کے اُدھر۔
سائیکل ریسیں جیت جیت کر وہ سائیکل کو کار سے زیادہ تیز چلانے میں

تاک ہو چکی تھی۔ پھر وہ اپنی آزادی پر کوئی بھی پابندی کیوں مسلط کرتی۔

اور یوں ہمیشہ تیز سائیکل چلانے کی شوقین اس وقت بہت آہستہ آہستہ
سائیکل کے ساتھ ساتھ پیدل ہی چلی آ رہی تھی۔

"لو۔ تمہاری فری بی بی بھی آگئی۔ اب تم کھانا لگا دو۔"

کومل کی نگاہیں اسی پر ٹکی تھیں اور بات کنیز سے کیے جا رہی تھی۔

"اور ہاں خیال رکھنا۔ اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔ کھانا اسی حساب
سے لگانا۔ ساتھ جلدی سے آملیٹ وغیرہ بنا لو۔"

فریحہ کے ساتھ دوسری۔ سائیکل لیے اسی کی سی سست رفتار سے ایک
نوجوان باتیں کرتا چلا آ رہا تھا۔

وہ دونوں صدر دروازے سے ابھی دو تین گز کے فاصلے پر ہی تھے کہ فریحہ
نے ادھر بالکنی کی طرف دیکھا۔ شاید پہلے ہی سے وہاں کومل کی موجودگی کی توقع
تھی۔

اسے دیکھتے ہی ہاتھ ہلا ہلا کر کچھ اشارے کرنے لگی۔

"اتنی بڑی ہو گئی ہے مگر ابھی تک بچوں والی حرکات اس نے چھوڑی نہیں۔"

کومل نے بڑے پیار سے سوچا۔

"چلتی سڑک پر سے ہی اشارے کرنے لگی ہے۔ کوئی اور دیکھے تو کیا سمجھے۔"
اسے فری کی بے وقوفی پر بے حد ہنسی آئی۔ اور۔ یونہی اشارے کرتے
کرتے اور باتیں کرتے کرتے وہ نوجوان کے ساتھ کوٹھی کے پھاٹک کے اندر
داخل ہو گئی۔

کینز کھانا لگانے جا چکی تھی۔ کومل کاہلی سے اٹھی۔ آج کل جانے کیوں طبیعت
پر اتنی سستی سی چھائی رہتی تھی۔

اسی کاہل انداز میں ہولے ہولے قدم رکھتے دروازے تک جا پہنچی کہ فری
جب گھر آیا کرتی تھی تو کھانے میں ایک منٹ کی بھی دیر اس سے برداشت
نہیں ہو پاتی تھی۔

جب تک گھر سے باہر رہتی تھی اسے بھوک کا احساس نہیں ہوتا تھا جانے
کیا وجہ تھی؟ جونہی گھر میں قدم رکھا بھوک نے اس پر حملہ کر دیا۔ پھر وہ ایک
منٹ بھی صبر نہیں کر سکتی تھی۔

اپنی اس کمزوری کا وہ خود ہی مذاق اڑا اڑا کر اعتراف کیا کرتی تھی۔

اسی لیے کومل نے سوچا کہ ذرا سی بھی دیر کیے بنا۔ یا اس کے شور مچانے سے
پہلے ہی وہ کھانے والے کمرے میں پہنچ جاتی تو بہتر تھا۔

مگر جانے فریحہ کس رفتار سے اوپر آئی تھی۔ شاید سائیکل ریس والی رفتار
سے۔ کومل اپنے کمرے کے دروازے تک ہی گئی تھی کہ وہ پہنچ گئی۔

"تسلیمات باجی۔!"

سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ وہ دور سے ہی پکاری۔ پھر دھم کر کے
ایک ہی جست میں اس کے قریب جا کھڑی ہوئی۔

"دیکھیے باجی! آج میں کس کو ساتھ لائی ہوں۔ آؤ۔ آ جاؤ نا۔"

پیچھے مڑ کر وہ ساتھ آنے والے کو کہہ رہی تھی۔

کومل نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا۔ البتہ بڑی دلچسپی سے اس آنے والے

کو دیکھنے لگی۔

سر جھکائے، نگاہیں جھکائے، وہ عجب سہمے سہمے سے انداز میں اندر
داخل ہوا۔

"یہ ہیں میری باجی۔ کومل۔ اور باجی! یہ عدیل ہے، میرا کلاس فیلو۔"

تعارف کرانے کا فرض لمحے میں ادا کرتے ہوئے فریحہ نے آگے بڑھ کر
بڑی بے پرواہی سے کومل کی مسہری پر کتابیں پھینک دیں۔ اور پھر خود بھی
وہیں بیٹھ کر جوتا اتارنے لگی۔

وہ کمرے کے وسط میں کھڑا حیران حیران نگاہوں سے کبھی کومل کو اور کبھی
فریحہ کو دیکھ رہا تھا۔ مگر وہ اس کی طرف سے بے خبر اسی طرح اپنے پاؤں پر
جھکی ہوئی تھی۔

"تشریف رکھیے۔"

کومل نے بڑی تیکھی نگاہ سے فری کی اس لاپرواہی کو دیکھنے کے بعد جلدی
سے بڑھ کر اسے کرسی پیش کی۔

"شکریہ!"

انتہائی ممنون نگاہی سے کومل کو دیکھنے کے بعد بڑے تکلف سے وہ ایک
کونے پر ہی ٹک گیا۔

"دیکھو عدیل!" فریحہ نے سر اٹھایا۔

وہ بڑی متعجب سی نگاہوں سے کومل کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہا تھا۔

اور وہ۔ ان دونوں کی طرف پشت کیے جلدی جلدی پہلے دیوان پر پھیلیں

بکھری کچھ چیزیں سمیٹ رہی تھی۔

"یہی میری باجی ہیں۔ حیران کیوں ہو رہے ہو۔؟"

فریحہ نے زور سے قہقہہ لگایا۔

"مگر۔ مگر" وہ کچھ کہتے کہتے چپ سا ہو گیا۔

"ہاں ہاں۔ کہہ دو۔ تم بھی کہہ دو۔ کہ میری باجی لگتی نہیں۔ سبھی یہی کہتے ہیں"

فریحہ پھر ہنسی۔

"مجھ سے پورے چھ سال بڑی ہیں۔ مگر ان کی نزاکت نے تو میری مارکیٹ ویلیو بالکل خراب کر چھوڑی ہے۔ ہر کوئی انہیں مجھ سے چھوٹا سمجھ لیتا ہے"

وہ شرارت سے مصنوعی انداز میں بسور رہی۔

"اسی لیے میرا عام سا نام ہے اور ان کا چچا قاسم نے پیار دلار سے مدیحہ ہٹا کر کومل رکھ دیا۔ ان کی نزاکت کی مناسبت سے۔ اور حالانکہ یہ نام مجھے پسند تھا۔ کیسی دھاندلی ہے۔؟ کیسی ناانصافی ہے؟"

فریحہ بڑبڑاتی رہی اور کومل اپنا کام کرتی رہی اور ہولے ہولے مسکراتی رہی۔

عدیل کی نگاہیں ہنوز اسی پر جمی تھیں۔

"تم باجی کو دیکھ کر یقیناً بہت مایوس ہوتے ہو گے"

فریحہ نے عدیل کو مخاطب کیا۔ اب وہ بالکل سنجیدہ تھی۔

"مگر یہ ظاہر میں ایسی سیدھی سادی اور کم گو سی لگتی ہیں۔ اندر سے۔ بس کچھ مت پوچھو۔ ایک نظر دیکھنے سے ان کے جوہر سامنے نہیں آ سکتے۔ ان کی خوبیاں تو آہستہ آہستہ تم پر کھلیں گی"

پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا باجی! میں منہ ہاتھ دھو آؤں۔ بڑی بھوک لگ رہی ہے"

آخر اس نے اپنا نعرہ بلند کر دیا۔

"کنیز کو ذرا کہیے کہ آج کھانا یہیں لے آئے۔ مجھ سے کھانے والے کمرے تک نہیں جایا جاتا"

اور وہ اپنی بات کا جواب لیے سنے بنا کمرے سے باہر نکل گئی۔

"پاگل لڑکی"

کومل نے بڑے پیارے انداز میں اپنا سر جھٹکا۔

عجیب ہی تو تھی وہ بھی

کیسی عجیب عجیب باتیں کرتی رہتی تھی۔

اس کے خیال میں اس کی باجی جیسی کوئی اور لڑکی دنیا میں نہیں ہو سکتی تھی۔

پیاری سی، نازک سی، اپنے نام جیسی کومل سی۔!

اور۔ صورت کے علاوہ سیرت میں بھی وہ لاثانی تھی۔ بڑی زندہ دل اور خوش مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ باوقار بھی تھی۔

کبھی کسی پر غصہ نہیں آتا تھا۔ کبھی کسی کا برا نہیں چاہا تھا۔ اپنی ذات کو نقصان پہنچا کر بھی دوسروں کے کام آتی تھی۔

عجب ٹھنڈی میٹھی سی لڑکی تھی۔ کسی اور ہی دنیا کی مخلوق تھی شاید۔ جیسے اللہ میاں نے اسے بطور باجی تحفہ ودیعت کر دیا تھا۔ کہ۔ اسے اس کے ساتھ

بے حد بے حد محبت تھی۔ اتنی۔ کہ کسی بڑی بہن سے چھوٹی کو اتنی نہ ہوگی۔

اور شو کومل کے دل میں بھی اپنے سے زیادہ اس کا خیال اور پرواہ تھی۔

اسی کے متعلق سوچتے ہوئے اس نے نگاہ اٹھائی۔ وہ لمبا تڑنگا، بے حد خوبصورت آنکھوں والا شرمیلا سا لڑکا سر جھکائے چپ چاپ بیٹھا تھا۔

اب اسے ترس آگیا۔ کتنی ہی دیر سے کمرے میں سکوت طاری تھا۔

یقیناً وہ بور ہو رہا ہوگا۔ آخر کومل نے ہی پہل کی۔

"آپ فری کے کلاس فیلو ہیں؟

اور اس کو اپنے سوال پر خود ہی ہنسی آگئی۔

"فری۔؟" اس نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔

"فریحہ کو گھر میں ہم سب فری کہتے ہیں۔"

اس نے جلدی سے اس کی حیرت کا اسے جواب دے دیا۔ حالانکہ اس نے ابھی کچھ پوچھا بھی نہیں تھا۔

مگر۔ وہ خود تو سمجھ گئی تھی۔!

"جی ہاں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"اور۔" وہ تھوڑا سا جھجکا۔

"آپ سے غائبانہ تعارف تو بڑے عرصے سے تھا۔ ملاقات کا شرف آج ہی حاصل ہوا۔"

وہ یوں مؤدب انداز میں بات کر رہا تھا جیسے کسی بہت بڑی شخصیت سے ہم کلام تھا۔ اسی انداز میں وہ بوکھلایا بھی جا رہا تھا۔

"غائبانہ تعارف۔؟" کومل نے تحیر سے اسے دیکھا۔

"جی ہاں۔ فریحہ ہمیں آپ کی بہت باتیں سنایا کرتی ہے۔ کہ آپ بے حد ذہین ہیں۔ بڑے بلند ذوق کی مالک ہیں۔ ہزاروں شعر آپ کو منہ زبانی یاد ہیں۔ نثر آپ بہت اچھی لکھتی ہیں۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ ادب کی انسائیکلو پیڈیا ہیں آپ۔"

وہ بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کر کے بیٹھی ہوئی تھی۔ عدیل کے آخری الفاظ سننے کے ساتھ ہی ہنسی قہقہہ بن کر اس کے حلق سے پھوٹ پڑی۔

"جی۔ جی کیا ہوا۔؟"

وہ یکدم گڑبڑا گیا۔ شاید اس نے کوئی غلط فقرہ بول دیا تھا۔!

"معاف کیجیے گا۔۔ میں دراصل۔۔۔"

وہ ہاتھوں کو ایک دوسرے میں دے کر مسل رہا تھا۔ جانے کیا بات تھی۔؟

وہ جو بہترین مقرر تھا۔ بڑا باتونی مشہور تھا۔ اس وقت سب کچھ بھولا جا رہا تھا۔

بڑی مشکل سے حواس درست کرتے ہوئے جلدی سے اس نے اپنی بات پوری کر دی۔

"آج ہم دوستوں میں بحث ہو رہی تھی کہ آیا لڑکیاں بھی انٹیلیکچول ہو سکتی ہیں۔ اور۔"

اب اس کی زبان میں وہ ہکلاہٹ اور انداز میں وہ گھبراہٹ نہیں

تھی۔ بڑی دلیری سے کومل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولا۔
"آپ بُرا نہ مانیے گا۔ مگر میں اس بات کو مان نہیں سکتا کہ عورت سی
ناقص العقل ہستی بھی انٹیلیکچوئل ہو سکتی ہے۔"
عدیل کی صاف گوئی پر وہ مسکرا پڑی۔ سرخ ہونٹوں کے درمیان اس کے موتیوں
ایسے سفید دانت بجلی کی طرح چمکے۔ عدیل کی نگاہیں جھک گئیں۔
"پھر ہماری بحث سے تنگ آ کر فریحہ نے کہا کہ وہ آپ سے ہمیں ملا کر ہماری
غلط فہمی دُور کر ڈالے گی۔ آپ سے ملنے کے بعد ہم لڑکے یقیناً اپنا نظریہ بدلنے پر
مجبور ہو جائیں گے۔"
"تو آپ اپنا نظریہ بدلنے آئے ہیں یا مناظرہ کرنے۔؟"
کومل ہنسی۔ اس کے بے تکلف انداز نے عدیل کو بھی قدرے بے تکلف کر دیا۔
"جو جی چاہے سمجھ لیجیے۔"
اب وہ بھی مسکرا کر ذرا بے باکی سے بولا۔
اسی لمحے فریحہ اپنا بھیگا چہرہ تولیے سے پونچھتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔
"باجی! ان کے اچھی طرح کان کھینچیے گا۔ یہ ہم لڑکیوں کو کور ذہن اور
نجانے کیا کیا سمجھتے ہیں۔"
اس نے شوخی بھرے لہجے میں کہا۔
"کان کھینچوں گی۔ ضرور کھینچوں گی۔"
کومل نے مسکرا کر عدیل کی طرف دیکھا۔ ذہین آنکھوں والا یہ لڑکا اسے اچھا
لگ رہا تھا۔

"فی الحال پہلے کھانے سے فارغ ہو لیں۔"
کھانے کے دوران بھی مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ فریحہ بڑی
شریر تھی۔ سارا وقت عدیل کو چھیڑتی رہی۔ مگر وہ کومل کی باتوں اور شخصیت
میں اتنا کھویا کہ اس کی طرف کچھ توجہ ہی نہ دی۔
کھانے سے فارغ ہوتے ہی فریحہ تاش نکال لائی۔ کومل کو تاش کے بیسیوں
کھیل آتے تھے۔ اور وہ عدیل کو اسی مقصد کے لیے لے کر آئی تھی کہ کومل کی
ذہانت ہر ہر طرح اس سے منوالے۔
کہ۔ یہ صرف کومل اور عدیل کا ہی مقابلہ نہیں تھا بلکہ دو جنسوں کا مقابلہ
تھا۔
اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے مقابلے میں اس کی جنس ہار جاتے۔
اور مخالف جنس اسی غرور اور حقارت سے اپنی برتری اور ان کی کمتری کی داستانیں
بیان کرے۔
بہت سارے مختلف قسم کے کھیل کھیلے گئے۔ کومل کے مقابلے میں کوئی
بھی عدیل جیت نہ سکا۔ تالیاں بجا بجا کر فریحہ کے ہاتھ سرخ ہو گئے۔ خوشی کی
زیادتی سے چہرہ سرخ ہو گیا۔
بہت ساری شکستیں گلے کا ہار بن گئیں تو عدیل نے تاش پھینک دی۔
"یہ کیا منحوس سا کھیل لے بیٹھے۔ ہم تو باجی آپ سے شعر سننے آئے تھے
ہم تو کوئی ادبی قسم کی باتیں کرنے آئے تھے آپ سے۔ کہ آپ ادب کی انسائیکلوپیڈیا
ہیں۔"

فریحہ بے ساختہ قہقہہ لگا اٹھی۔ اپنی شکست کو کتنے خوبصورت انداز میں
اس نے ٹال دیا تھا۔

وہ ٹھٹھا اڑا کر کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ کومل نے آنکھ سے اسے خاموش رہنے
کا اشارہ کیا۔

ایک تو وہ پہلے ہی اتنی ساری بازیاں ہار گیا تھا۔ بے چارا معصوم سا لڑکا۔
پھر اوپر سے اس کا مذاق اڑا کر مزید شرمندہ کرنا جائز تو نہ تھا۔

کچھ بھی تھا۔ دل میں کیا لے کر آیا تھا۔؟ مگر ان کا مہمان تو تھا۔! اور میزبانی
کے یہ فرائض تو نہ تھے۔!!

باجی کی آنکھ کے اشارے کو فری بہت جلد سمجھ جایا کرتی تھی۔

"ہاں بھئی، اب تاش ختم۔"

وہ یک دم سنجیدہ ہو گئی۔

"میں بھی بور ہو رہی ہوں۔"

"باجی۔! عدیل نے بڑے ادب سے اسے مخاطب کیا۔" ترنم سے کوئی غزل
سنائیے۔"

"ایک ہی نہیں۔ بہت ساری۔ بہت ساری۔"

فریحہ پُر زور انداز میں بولی۔

اب بھی دل کے اندر وہی مقابلے کا جذبہ کارفرما تھا۔ کیوں بھلا لڑکے خود
کو عقل مند، باذوق اور نجانے کیا کیا سمجھتے ہیں۔ اور بے چاری لڑکیوں کو ناقص
العقل۔!! زیادتی ہے نا ان کی۔!"

"ہاں، سنائیے نا۔"

اس نے پھر معصومیت سے اصرار کیا۔

کومل نے فری کے علاوہ کبھی کسی اور کے سامنے کچھ گایا نہیں تھا۔ اور اب
دونوں ہی اصرار کیے جا رہے تھے۔ فری تو اس کی اپنی بہن تھی۔

مگر عدیل۔! چند لمحے جھجکی۔ قدرے گھبرائی۔ پھر۔

عدیل فری کا کلاس فیلو تھا۔ فری اس سے تقریباً پانچ چھ سال چھوٹی تھی۔
اور یقیناً عدیل بھی اس سے کافی چھوٹا تھا۔ اتنی اپنائیت اور اتنی معصومیت
سے وہ فرمائش کر رہا تھا۔

تب اس وقت۔ کسی شرط یا مقابلے کا جذبہ اس کے پیش نظر نہ تھا۔ صرف
دو معصوم سے بچوں کی فرمائش کا خیال کرتے ہوئے اس نے ہلکے ہلکے ترنم کے
ساتھ غالب کی ایک غزل چھیڑ دی۔

جب کوئی صحیح ذوق اور خوبصورت انداز میں داد دینے والا سامنے موجود
ہو تو خود اعتمادی بڑھ جاتی ہے۔ اس کا لب ولہجہ۔ اس کا ترنم اور بھی نکھر آیا۔

بہت ساری غزلیں سنانے کے بعد میر، غالب اور داغ سے لے کر جوش،
فیض، قاسمی اور فراز تک کے اس نے سینکڑوں منتخب شعر سنا ڈالے۔

سبھی ڈوبے ہوئے تھے۔ سنانے والی بھی اور سننے والے بھی۔

آخر میں تھک کر کومل نے سر صوفے کی پشت کے ساتھ ٹیک کر آنکھیں
موند لیں۔

سحر ٹوٹا تو فریحہ نے عدیل کو مخاطب کیا۔

"کیوں عدیل! اب بھی تم عورتوں کو فنونِ لطیفہ سمجھنے کا اہل مانتے ہو یا نہیں؟"
پھر وہ بڑے انداز سے مسکرائی۔
"ابھی تو تم نے باجی کے اپنے شعر نہیں سنے۔ مجھے تو وہ سب سے زیادہ پسند ہیں۔ ہیں نا باجی۔!"
عدیل کے انداز اور نگاہوں سے ہی ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ واقعی اس کی ذہانت کا قائل ہو گیا تھا۔
فریحہ وفورِ مسرت سے قرمزی ہوئی جا رہی تھی۔
"پاگل۔!"
کومل ہولے سے بڑبڑائی۔ فری کی اگر زبان پر اس کی تعریف تھی تو عدیل کی نظروں میں تھا کہ وہ اس سے بہت، بہت زیادہ متاثر ہوا تھا۔
تب اس کی جنس کی فطرت بیدار ہو اٹھی۔ وہ شرما گئی۔
"بھلا میں کیسے شعر کہہ سکتی ہوں۔ تم تو خواہ مخواہ ہی میری تعریفیں کرتی رہتی ہو۔"
پھر اس نے سب کچھ مذاق میں ٹالنے کے لیے عدیل کی طرف دیکھا۔
"میں تو لڑکی ہوں۔ اور کہاں ہم لڑکیاں اور کہاں یہ فنونِ لطیفہ۔ کیوں عدیل صاحب۔!"
اس پر فری نے زوردار قہقہہ لگایا۔ عدیل جھینپ کر اپنا سر کھجاتے ہوئے جھٹ سے بولا۔
"باجی! سچ پوچھیے تو اب میں اپنی رائے پر نظرِ ثانی کرنے کے متعلق سوچ

رہا ہوں۔"
"وہ مارا۔" فریحہ یک دم چہک اٹھی۔
"ابھی آگے آگے دیکھیے گا کہ آپ جناب اپنی کس کس رائے پر نظرِ ثانی کرتے ہیں۔ اگر ایک ہفتہ کوئی میری باجی کے ساتھ گزار لے تو بس۔ اپنی رائے دائے سب بھول بھال ان کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ کچھ ایسا سحر ہے میری باجی میں۔!"
"ارے بس بس۔!"
فری نے تو حد کر دی تھی۔ کومل جھینپی۔
"میری جھوٹی تعریفیں کر کر کے تم مجھے شرمندہ کر دیتی ہو۔"
گویا کسی شاعر نے داد وصول کرنے پر کہا ہو یہ تو آپ کا حسنِ سماعت ہے۔ اسی انداز میں فریحہ بولی۔
"واللہ آپ تو کسرِ نفسی سے کام لے رہی ہیں۔"
یونہی بہت دیر ہنسی مذاق ہوتا رہا۔ اتنے عرصے میں کنیز بے چاری کو چار بار تو چائے ہی بنانا پڑی۔ مگر وہ اپنی کومل بی بی کے کام بڑے شوق و خلوص سے کیا کرتی تھی۔
"اوہ۔! باتوں باتوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ آٹھ بج گئے۔"
عدیل نے گھڑی کی طرف نگاہ ڈالی اور گڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔
"گھر والے تو مجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے ہوں گے۔ خصوصاً امی تو

بہت جلد پریشان ہوجاتی ہیں۔"

"جی ہاں۔ کیوں نہ ہوں۔"

فریحہ بے حد اداس چہرہ بناتے ہوئے بولی۔

"اکلوتے بیٹے جو ٹھہرے۔ ادھر ہم ہیں کہ گھر واپس نہ بھی آئیں تو کسی کو پرواہ ہی نہیں ہوتی۔ کہ چلو کیا ہوا۔ دوسری جو موجود ہے۔ اور وہ بھی بہتر۔!"

فری کی بات اور انداز نے فضا کو زعفران زار بنا دیا۔

"بڑی خراب ہو تم۔"

ذرا ہنسی تھمی تو کومل نے بڑی پیار بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کب کوئی تمہاری پرواہ نہیں کرتا۔ سب ہی تو تم پر جان چھڑکتے ہیں اور میں۔۔۔"

"آپ سب سے زیادہ۔ میں مانتی ہوں۔"

فری اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بول پڑی۔ پھر قدرے جھکی۔ اور ہاتھ پیشانی تک لے جاتے ہوئے لکھنوی انداز میں بولی۔

"ذرہ نوازی ہے۔"

"یہ انداز باجی پر زیادہ جچے گا فریحہ عمران۔!"

سارا دن اتنا اس نے عدیل کو تنگ کیا تھا۔ اتنا ستایا تھا۔ چھیڑا تھا تب بدلے کے طور پر شرارت سے اس نے کہا۔

مگر دل کے اندر اس کا معترف بھی تھا کہ یہ محض شرارت ہی نہ تھی بلکہ حقیقت تھی۔ صداقت تھی۔

باجی تو اپنی نزاکت، اپنے طور اطوار لب و لہجے اور انداز سے کوئی لکھنوی نوابزادی لگتی تھیں۔!!

"ٹھہر تو جاؤ عدیل کے بچے۔!"

فریحہ مُکا تان کر اس کے پیچھے بھاگی۔

وہ دوڑیں جیتا کرتی تھی۔ عدیل نے گھبرا کر کومل کی پناہ لے لی۔

اسے ہی خدا حافظ کہنے کے لیے وہ ابھی ابھی اُٹھ کر کھڑی ہوئی تھی۔

"باجی! مجھے اس خوفناک چیز سے بچائیے۔"

وہ کومل کے پیچھے دبک کر بیٹھ گیا۔

بالکل بچوں کی طرح شریر اور معصوم تھے دونوں۔!

کومل مسکرا پڑی۔

"بس بھئی فری! مہمان کا کچھ لحاظ کرنا چاہیے۔"

کومل نے ہنستے ہوئے دونوں کا بیچ بچاؤ کرایا۔

"اچھا پھر اجازت ہے۔؟"

جنگ بندی کا اعلان ہوتے ہی عدیل اپنی پناہ گاہ سے نکل آیا۔

ماچس، سگریٹ کیس، رومال۔ پتلون کی جیبوں میں ٹھونسنے کے بعد چشمہ ہاتھ میں تھام لیا۔

"اب پھر کب آئیے گا۔؟"

کومل نے میزبانی کے فرائض احسن طریقے سے ادا کیے۔

"ارے باجی! ان سے کیا پوچھتی ہیں۔ آپ جب جب کہیں گی۔ میں کان سے

پکڑ کر لا حاضر کیا کروں گی۔"

"مجھے کیا اعتراض ہے۔ بے شک روز آیا کریں۔ کچھ وقت ایسے ہی کھیل اور گپ شپ میں گزرنے سے میرا بھی دل بہل جایا کرے گا۔"

"شکریہ۔!"

عدیل نے جھک کر کومل کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ پھر بڑی عقیدت سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"آپ نے مجھے اکثر آجانے کی اجازت دے دی ہے۔ احسان ہے آپ کا۔ میں ضرور آیا کروں گا۔"

"آہا۔!" فریحہ نے نعرہ لگایا۔

"دیکھا کیسا میری باجی نے۔۔۔"

اور ابھی اس کی بات بھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ عدیل باجی کو خدا حافظ کہہ کر اور فری کا منہ چڑا کر تیز تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

کومل غسل کر کے نکلی تو کنیز نے اپنی پسند سے اس کے لیے جو لباس منتخب اور استری وغیرہ کر کے تیار کر رکھا تھا اس پر نگاہ جا ٹکی۔

نیلا چوڑی دار پاجامہ اور لیس کا کرتہ۔

جتنی بار اس نے یہ لباس پہنا تھا ہر دیکھنے والے نے تعریف ہی کی تھی۔ اور اب جب بھی کسی خاص جگہ جانا ہوتا کنیز اس کے لیے اسی کا انتخاب کرتی۔

کومل اس کے سادگی بھرے خلوص پر مسکرا پڑی۔

فریحہ یونیورسٹی جا چکی تھی۔ اس کے بعد ہی امی کی ایک ملنے والی کے ہاں سے قرآن خوانی کے لیے بلاوا آیا تھا۔

اس وقت اس کا کہیں بھی جانے کا موڈ بالکل نہیں تھا۔ مگر۔ ایک تو

معاملہ قرآن خوانی کا تھا۔ دوسرے امی کے اصرار پر تیار ہونا ہی پڑا۔
اور۔ اس موقع کے لیے اس کا خیال تھا کہ سفید لباس پہنے گی۔
"کنیز۔!"
کھڑکی کے سامنے کرسی کھینچ کر اس نے سر پیچھے ٹیک دیا۔ لمبے لمبے بال پشت پر پھیلے تھے اور ان میں سے پانی کے قطرے موتیوں کی طرح ٹپ ٹپ فرش پر گر رہے تھے۔
"جی کومل بی بی۔!"
"یہ کون سے کپڑے نکال دیئے۔؟"
"اچھے تو ہیں۔"
"میں کب کہہ رہی ہوں کہ خراب ہیں۔ موقع بھی تو دیکھو۔"
"کیوں بی بی! موقع کو کیا ہے۔؟"
"بھئی قرآن خوانی ہے۔"
"پھر۔؟"
"سفید والے نکالو۔ خدا کے حضور حاضری ہے۔"
"یہ آپ نے اللہ میاں کے لیے صرف سفید ہی کپڑے کیوں رکھ چھوڑے ہیں۔"
"کیا مطلب۔؟"
اس نے تعجب سے کنیز کی طرف دیکھا۔
"میرا مطلب ہے کہ اور کہیں جاتے ہیں تو خوب سج بن کر۔ رنگ برنگے کپڑے پہن کر۔ بھلا لوگ اللہ میاں کے لیے کیوں اپنی سج دھج نہیں نکالتے۔

وہ جو خود حسن ہے اور اتنی اتنی حسین ہستیاں اس نے پیدا کی ہیں۔ پھر خود اس کے لیے حسین بننے پر پابندی کیوں۔؟"
"ارے ارے۔"
کومل مسکرا پڑی۔ اس کی منطق نرالی تھی۔
"یہ سفید رنگ پاکیزہ ہوتا ہے۔ اس لیے کنیز بی بی۔!"
"اور یہ رنگ بھی قدرت نے ہی ہمیں عطا کیے ہیں۔ پھول کتنے مختلف اور بے شمار رنگوں کے ہوتے ہیں۔ پھر کیا ان میں سے صرف سفید ہی پاکیزہ ہوتے ہیں باقی نہیں۔ قوس و قزح اتنے خوبصورت رنگوں کی کیوں ہوتی ہے۔ سفید کیوں نہیں؟
"اچھا بھئی اچھا۔!"
کومل اس وقت بحث کے موڈ میں نہ تھی۔
"یہی پہن لوں گی۔"
بات ختم کرنے کے لیے اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ویسے کنیز کی بات وہ اکثر مان ہی لیا کرتی تھی۔ کہ وہ اس کی خدمت بہت کرتی تھی۔
"تو پھر جلدی سے پہلے پہن لیجیے۔ تاکہ پھر میں آپ کے بال سلجھا دوں۔"
کتنا مزہ آرہا تھا یوں آنکھیں موند کر بیٹھنے کا اور سوچنے کا۔ مگر معاملہ کنیز کا تھا۔ اس نے تو ایک منٹ بھی سکون سے بیٹھنا دوبھر کر دینا تھا۔ پھر کیوں نہ پہلے اس کی بات مان لے۔
استری والی میز پر سے کپڑے اٹھا، وہ ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔
"آہا! ماشاء اللہ۔!!"

وہ باہر نکلی تو کنیز اسے تعریفی انداز میں دیکھتے ہوئے اپنے ہاتھ والا کام چھوڑ کر اس کے قریب آ گئی۔

"لائیے اب بال بھی جلدی سے بنا دوں۔ جانے کب بیگم صاحبہ چلنے کا کہہ دیں۔"

وہ چپ چاپ بیٹھ گئی اور کنیز اس کے بالوں میں برش کرنے لگی۔

کتنا سکون اور کتنا مزہ آ رہا تھا۔

اس نے آنکھیں موند لیں۔ بڑی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ ہلکی پھلکی اور مدہوش سی۔!

یہ انسان کے خیالات کی دنیا۔! کتنی دلچسپ اور پرکشش ہوتی ہے۔ اپنی دنیا۔! جس میں انسان گم ہو جاتا ہے۔ کھو جاتا ہے۔ سکون ہی سکون۔! اطمینان ہی اطمینان۔!!

جانے کون کون سی سوچیں تھیں جو دماغ میں گھسی چلی آ رہی تھیں۔ کنیز کے ہاتھوں کا ہلکا ہلکا لمس بڑا خوشگوار تھا۔ وہ پوری طرح ڈوب گئی۔

جانے کتنی دیر یونہی کھوئی رہی تھی۔ کہ فری کی کھن کھن کرتی ہنسی کانوں میں اتر گئی۔ چونک کر اس نے آنکھیں کھولیں۔

وہ اس کے عین سامنے کھڑی تھی اور ساتھ۔ لمحہ بھر کے لیے اس کی آنکھوں میں اجنبیت کے سائے لہرائے۔

"یہ عدیل ہے باجی۔!"

جانے کیوں فری ہنسے ہی جا رہی تھی۔

"اوہ۔!" کومل جلدی سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

لباس بدلا تھا تو اس کی شخصیت بھی کتنی بدل گئی تھی۔ آج اس نے سفید گھیر دار شلوار اور سفید کرتا پہن رکھا تھا۔

جس سے وہ اس دن کی طرح کھلنڈرا سا لڑکا نہیں لگ رہا تھا بلکہ بڑا وجیہہ، بڑا باوقار اور انتہائی مدبر سا مرد دکھائی دے رہا تھا۔

شاید تبھی وہ پہلی نگاہ میں اسے پہچان نہیں سکی تھی۔!

"تو آپ مجھے بھول گئیں باجی۔!"

اس کے لہجے میں شکوہ تھا مگر نگاہیں قدرے تحیر لیے اسے سر سے پاؤں تک گھور رہی تھیں۔

"نہیں تو۔ بھولی تو نہیں۔"

کومل نے اس کا دل رکھنے کے لیے تھوڑا سا جھوٹ بولا۔ ورنہ یہ حقیقت تھی کہ وہ اسے بالکل پہچان نہیں پائی تھی۔

"بس ذرا آج لباس مختلف تھا نا۔"

سچ بھی ہونٹوں تک آ گیا۔

"بہت بڑے لگ رہے ہو۔"

"اور آپ اس دن سے بھی زیادہ منی سی۔"

اس کی نگاہوں میں اس کے لیے پسندیدگی تھی۔

"یہ نیلا رنگ۔ میرا پسندیدہ رنگ ہے۔ اور آپ پر جچ بھی خوب رہا ہے۔"

اس نے بڑی سادگی سے اس کی تعریف کی۔

"شکریہ۔!"

کومل نے کنیز کے ہاتھ سے برش لے لیا۔

"جاؤ تم چائے وغیرہ کا بندوبست کرو۔"

"باجی! آپ نے مجھ سے میری اس بے تحاشا ہنسی کی وجہ نہیں پوچھی۔؟"

فری اب تک ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔

"اس کا تو دماغ خراب ہے۔ ہے نا باجی۔؟"

جانے کیا بات تھی۔؟ عدیل اس ذکر سے کترا رہا تھا۔

"دماغ تو آپ کا خراب ہے۔ میں بتاؤں باجی اصل بات۔؟"

کومل بڑی دلچسپی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"باجی! یہ آپ کی بہن آپ کی لگتی نہیں۔ جانے یہ آپ سے اتنی مختلف کیوں ہے۔؟"

عدیل نے گھور کر فریحہ کو دیکھتے ہوئے پھر بات بدلی۔

"میں میں ہوں۔ باجی باجی۔ دو مختلف انسان۔ پھر مختلف کیوں نہ ہوں۔"

چمک کر عدیل کو جواب دینے کے بعد وہ پھر کومل کی طرف گھوم گئی۔

"پچھلے جمعہ کو عدیل یہاں آئے تھے نا۔؟"

"ہاں۔"

"تو آج بھی جمعہ ہے۔ پورے آٹھ دن ہو گئے۔"

"تو۔؟"

"یہ بھلا ہنسنے جلنے کی بات تھی۔ کومل نے حیرت سے فریحہ کو دیکھا۔

"اور ان آٹھ دنوں میں سینکڑوں بار انہوں نے مجھ سے یہ پوچھا ہو گا۔"

"خواہ مخواہ ہی۔"

عدیل نے اس کی بات قطع کرتے ہوئے بڑے شرمیلے سے انداز میں سر جھکا لیا۔

لباس سے جتنا باوقار اور سنجیدہ لگ رہا تھا۔ اس کے ایک ہی فقرے نے سارا تاثر ختم کر دیا۔

وہ پھر وہی کھلنڈرا اور معصوم سا لڑکا تھا۔!

"خواہ مخواہ کیوں۔؟"

فریحہ شاید آج اسے معاف نہیں کرنے والی تھی۔

"باجی نے مجھے بلایا ہے۔؟ باجی نے مجھے بلایا ہے۔؟ بس باجی! جتنی بار دن میں میری ان سے ملاقات ہوتی تھی یہ مجھ سے ہر بار یہی پوچھتے تھے۔ تب آج ان کی یہ بے قراری دیکھ کر میں نے جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ بلایا ہے۔ اور یہ فوراً بھاگم بھاگ میرے ساتھ آ گئے۔"

فریحہ کی ہنسی پھر چھوٹ گئی۔ وہ پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنسنے لگی۔

"جھوٹ بولا تھا۔؟" پھیکے سے تبسم کے ساتھ عدیل بڑبڑایا۔

یکدم کومل کی نگاہ عدیل کے چہرے پر جا پڑی۔ بڑا شرمندہ ہو گیا تھا شاید۔ چہرے پر تاریک سے سائے لہرائے اور نگاہیں یکایک جھک گئیں۔

اس کی یہ کیفیت۔!

کومل کا دل بے چین سا ہو گیا۔ جانے کس مان سے اس نے پوچھا تھا۔؟

"نہیں تو۔" کومل جھٹ سے بولی۔

"فری جھوٹ تو نہیں بول رہی۔"

"کیا باجی۔؟"

"تم سے ہر روز تو میں ان کا پوچھتی تھی۔ اور یہ بھی کہتی تھی کہ کسی دن پھر ساتھ لانا۔ ذرا گپ شپ رہے گی۔"

ساتھ ہی کومل نے فری کو آنکھ سے اشارہ کر دیا۔

"سچ باجی۔؟" یکدم عدیل کے چہرے پر رنگ سا دوڑ گیا۔

"سچ کہہ رہی ہیں نا۔؟"

"توبہ باجی۔!" فریحہ بہت جلد بہن کا اشارہ سمجھ لیا کرتی تھی۔

"ذرا مجھے انہیں تنگ تو کر لینے دیتیں۔"

باجی کی بات کا مان رکھنے کے لیے وہ قدرے لسوری۔ عدیل کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں بھی سوچ رہا تھا کہ میں نے باجی کو اتنا یاد کیا ہے۔ کیا بھلا دل کو دل سے راہ نہیں ہوتی۔ یقیناً باجی نے بھی مجھے اتنا ہی یاد کیا ہوگا۔"

انتہائی معصومیت سے اس نے کومل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دل کی بات کہہ دی۔

"ہاں ہاں۔ دل کو یقیناً دل سے راہ ہوتی ہے۔"

کومل نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

فریحہ بڑے انداز سے مسکرانے لگی۔ بھلا ہو کنیز کا جو اس وقت چائے لے

آئی۔ اس میں لگ کر سب کا بھرم رہ گیا۔

"بیگم صاحبہ کہہ رہی ہیں کومل بی بی۔! تیار ہیں تو آئیے چلیں۔"

چائے لگاتے لگاتے کنیز نے امی کا پیغام دیا۔

"اچھا۔"

"آپ کہیں جا رہی ہیں باجی۔؟" فریحہ نے پوچھا۔

"مسز صدیقی کے ہاں قرآن خوانی ہے۔"

کومل مختصر سا جواب دے کر چائے بنانے لگی۔

"تو ابھی جا رہی ہیں۔؟"

عدیل نے بے تابی سے پوچھا۔

"نہیں۔ کل جائیں گی۔"

فریحہ نے اس کی نادانی کا مذاق اڑایا۔

"اور ہم جو آئے ہیں۔"

وہ کومل ہی کی طرف متوجہ تھا۔

"میں تو آپ سے باتیں کرنے اور آپ کی سننے آیا تھا۔ نہ جائیے آج میری خاطر۔!"

بڑے ملتجی انداز میں اس نے کومل کے ہاتھ تھام لیے۔

"ایسی ہی تو اعلیٰ چیز ہیں آپ۔" فریحہ پاس سے بڑبڑائی۔

"آپ چپ رہیے فریحہ صاحبہ! دیکھیے باجی! یہ آپ کو صرف اپنی ملکیت سمجھتی ہے۔ اور ہم جیسے آپ کے کچھ بھی نہیں۔"

"ہاں - یہ تو حقیقت ہے - باجی میری سگی بہن ہیں - یُوں صرف میری ہوئیں"
فریحہ کی بات سے یکدم افسردہ ہوتے ہوئے اس نے کومل کے ہاتھ
چھوڑ دیئے -
"نہیں نہیں - مَیں تم دونوں ہی کی ہوں"
عدیل کی یہ افسردگی اور معصومیت کومل کو بے حد پیاری لگی -
"بالکل ایک جِنّنی"
"خواہ مخواہ" فریحہ نے پھر عدیل کو چھیڑنے کے لیے کہا -
"یہ تو دنیا زمانہ جانتا ہے کہ آپ میری اور صرف میری باجی ہیں - اور کسی
کی نہیں"
"بعض رشتے اللہ تعالےٰ کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض انسان خود
بناتے ہیں - اور - خود بنائے ہوئے رشتے انسان کو زیادہ عزیز ہوتے ہیں"
"وہ مارا - !"
عدیل کومل کی بات سمجھ کر وفورِ مسرّت سے چِلّا اٹھا اور پھر - فریحہ کا مُنہ
چڑانے لگا -
"دیکھا نا - کیسا باجی نے مُنہ توڑ جواب دیا ہے - مَیں انہیں تم سے زیادہ عزیز
ہوں"
"وہ تو تمہارا دل رکھنے کو انہوں نے کہہ دیا ہے"
فریحہ لاپرواہی سے کندھے جھٹک کر چائے پینے لگی - اور عدیل انتہائی
ممنون نگاہوں سے کومل کو دیکھنے لگا -

کیسا انہوں نے اس کا مان رکھ لیا تھا - واقعی باجی کی شخصیت عظیم تھی - !
"چلیے نا کومل بی بی - !" کنیز پھر آئی -
"بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں"
"بس دو گھونٹ چائے کے رہ گئے ہیں"
"نہ جائیے باجی - !"
عدیل نے اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے پھر منت کی -
"سچی ! مَیں صرف آپ سے ملنے آیا تھا"
"تم دونوں بیٹھو - کوئی کتابیں وغیرہ دیکھو - مَیں بس جلد ہی آجاؤں گی"
"نہیں" اس نے بالکل بچوں کی طرح ضد کی -
"آپ کی جگہ فریحہ چلی جائے"
"پاگل -" کومل مسکرا پڑی -
"یہ موقع ایسا نہیں نا کہ جانے سے انکار کر دوں"
"تو ٹھیک ہے باجی ! مَیں چلی جاتی ہوں - عدیل کی بات بھی رہ جائیگی"
"لیکن - - " کومل نے کچھ کہنا چاہا مگر فریحہ پھر جلدی سے بولی -
"آپ کا خیال ہے کہ آپ کو گناہ ہوگا"
"وہ میرے سَر باجی ! وہ میرے سَر"
عدیل جھٹ سے بول پڑا -
"بس آپ نہ جائیے"
"کسی کے سَر بھی نہیں"

فریحہ نے چائے کا آخری گھونٹ لیا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"ویسے بھی مجھے مسز صدیقی کے ہاں جانا ہی تھا۔ دو کام ہو جائیں گے۔"

"کیوں جانا تھا۔"؟

"وہ ان کی شہلا کے پاس میری نوٹس والی کاپی ہے۔ وہی شہلا صدیقی عدیل۔!"

"کون سی۔؟"

"وہ جس کے بال بہت لمبے ہیں۔ اور جس دن وہ انہیں کھلا چھوڑ کر آتی ہے تو سب لڑکے مر مر جاتے ہیں۔"

کومل کو ہنسی آگئی اور عدیل خفیف سا ہو کر بڑبڑایا۔

"سب کب۔؟"

"اب باجی کے سامنے بننے کی کوشش مت کرو۔"

فریحہ قہقہہ لگا اٹھی۔

"ایسی باتیں تو ہم جماعتوں کے ساتھ ہوتی ہی رہتی ہیں۔"

کومل نے گویا اس کی طرف داری کی۔

"ہاں تو۔" وہ جیسے سنبھل گیا۔

"دیکھیے نا باجی۔! یہ فریحہ مذاق کی باتوں کو بھی سنجیدہ سمجھ لیتی ہے۔ آپ نے تو وہ شہلا صدیقی دیکھی ہی ہوئی ہو گی۔؟"

"ہاں ہاں۔"

"تو کیا وہ ایسی ہے کہ لڑکے مرنے لگیں۔؟"

پھر جانے عدیل کو کیا سوجھی۔ یکدم اٹھ کر کومل کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔

"ایمان سے باجی۔!" اس نے کومل کے بال دونوں ہاتھوں میں تھام لیے۔

"آپ کے بال اس سے کہیں زیادہ لمبے اور خوبصورت ہیں۔"

"ارے ارے۔!" کومل جھینپی۔ شرمائی۔

عجیب سا لڑکا تھا۔! کیسے یکدم تعریف کر دیتا تھا۔ اور وہ۔ کچھ بھی تھا۔ بے شک اس سے بڑی ہی تھی۔ مگر مشرقی کنواری لڑکی تھی۔

اپنی اس انداز میں تعریف سن کر شرما سی گئی۔

"سچ کہہ رہا ہوں باجی! آپ اس سے کہیں زیادہ اچھی ہیں۔ ہر لحاظ میں شکل وصورت کے علاوہ ذوق اور۔ ۔"

"اور۔" پاس سے فریحہ بڑے انداز سے بولی۔

"پھر یہ تو طے ہو گیا نا کہ عورت جیسی ناقص العقل ہستی انٹیلیکچول نہیں ہو سکتی۔"

"توبہ توبہ! نعوذباللہ! وہ میں نے باجی کے متعلق کب کہا تھا۔؟"

"تو جناب! آپ کی موٹی سی عقل میں یہ بات آجانی چاہیے کہ میری باجی ایک عورت ہیں مرد نہیں۔ لہٰذا۔ کل ہماری پارٹی آپ کی طرف۔ کیوں شرط لگائی تھی۔؟"

"سر خم ہے محترمہ۔!" عدیل نے جھٹ اپنی شکست تسلیم کر لی۔

"باجی کے سر صدقے میں جو کہو گی کھلا دیں گے۔ جس قسم کی پارٹی کہو گی دے دوں گا۔"

کومل مسکرادی۔ عدیل کی سادگی اور معصومیت پر۔ اور فریحہ کے مان اور اعتماد پر۔ جو اس کے دل میں بہن کے لیے تھا۔

"اچھا بھئی۔! پھر ہم تو چل دیئے۔ امی اب خود آوازیں دے رہی ہیں اور باجی! عدیل کو بور نہ ہونے دیجئے گا۔" وہ جاتے جاتے بولی۔

"تم جا رہی ہو۔ میری ساری بوریت دور ہو گئی۔ البتہ باجی جاتیں تو تب اس کا امکان تھا۔"

دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کو کاٹتے ہی رہتے تھے۔ کومل دلچسپی سے سن رہی تھی مگر فریحہ شاید جا چکی تھی۔ عدیل کی بات کا کوئی جواب نہ ملا تو کومل بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ کہاں چلیں۔؟"

عدیل نے جیسے بے قرار ہو کر پوچھا۔

"میں اب جا تو رہی نہیں۔ لہٰذا لباس تبدیل کر کے ذرا اطمینان سے بیٹھوں۔"

"نہیں نہیں۔"

عدیل اسے سر سے پاؤں تک غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"اس لباس میں، اس رنگ میں، آپ بے حد اچھی لگ رہی ہیں۔ میرے پاس اسی طرح بیٹھئے۔ جب چلا جاؤں گا تب بدل لیجیے گا۔"

"لیکن۔" وہ کچھ شرمائی۔ کچھ جھجکی۔ کچھ بوکھلائی۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔"

عدیل نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے زبردستی اپنے پاس بٹھا لیا۔

"یہی سمجھ لیجیے کہ کہیں مہمان گئی ہوئی ہیں۔"

پھر وہ بڑے معصوم، بڑے پیارے انداز میں مسکرایا۔

"اور میں آپ کا میزبان بن جاتا ہوں۔ اور چائے پییں گی۔؟"

میزبان بن کر وہ پوچھ رہا تھا۔

"تم پیو گے تو میں بھی پی لوں گی۔"

کومل مسکرائی۔ عدیل کی حد درجہ اپنائیت نے اسے بھی قدرے بے تکلف کر دیا۔

"ضرور۔ ضرور۔ آپ کے ساتھ بیٹھ کر تو سینکڑوں پیالیاں پی جاؤں۔"

چائے کی ٹرے اپنے آگے گھسیٹ کر وہ پیالیوں میں چائے انڈیلنے لگا۔

"اور آپ ذرا ہمیں کوئی پیاری سی غزل سنا دیجئے۔ ترنم کے ساتھ۔ جانے خدا نے آپ ہی کو ہر نعمت سے کیوں نواز رکھا ہے۔ ہم تو بس ایسے ہی دنیا میں آ گئے۔"

اور وہ۔ بڑی عقیدت اور بڑے احترام سے کومل کو دیکھنے لگا۔

فریحہ یونیورسٹی چلی جاتی تھی تو گھر میں کیسی اداسی سی چھا جاتی تھی۔
امی نیچے کام کرتی رہتیں اور وہ ناشتے سے فارغ ہو کر کچھ دیر ان کے پاس
بیٹھنے کے بعد اوپر اپنے کمرے میں چلی آتی۔
ویسے اسے یہ تنہائیاں پسند بہت تھیں مگر جانے کیوں کبھی کبھی اسے انہیں
تنہائیوں سے خوف سا آنے لگتا۔ تب اسے فریحہ کا یونیورسٹی جانا کچھ ایسا اچھا
نہ لگتا۔
کہ اسے ہر دم بولتے رہنے کی عادت تھی اور یوں گھر میں اک ہنگامہ سا بپا
رہتا تھا۔ شور و غل مچا رہتا تھا۔
اور آج وہی دن تھا۔ اکتاہٹ کا۔ بوریت کا۔ اداسی کا۔ من کے اندر
سے ہی کہیں سے ویرانیاں پھوٹ نکلی تھیں۔

کتاب پڑھنا چاہی۔ اس میں دل نہ لگا۔ بُنائی کرنا چاہی۔ اس کی طرف
طبیعت راغب نہ ہوئی۔ ٹرالی کے کور کروشیے سے بنا رہی تھی۔ خاصا دلچسپ
کام تھا۔ مگر اس وقت وہ بھی کرنے پر جی رضامند نہ ہوا۔
سب کچھ دیوان پر پھیلا چھوڑ نیچے قالین پر جا بیٹھی۔ ریڈیو لگایا۔ پروگرام
اچھا نہ لگا۔ وہی اداسی۔ وہی ویرانی۔ اردگرد پھیلی محسوس ہوتی رہی۔!
تب گھٹنوں میں چہرہ چھپا کر چپ چاپ بیٹھ گئی۔ جانے کتنا وقت گزر
گیا۔ اسے کوئی احساس نہ تھا۔
بس یہی خیال آئے جا رہا تھا کہ وہ کیسی بے مقصد اور زندگی سے خالی زندگی
گزار رہی تھی۔
آخر ایسا کیوں تھا۔؟ آخر ایسا کیوں تھا۔؟ اس سوچ کے ساتھ ساتھ
ابا کے لیے ہلکا سا شکوہ اس کے ذہن میں گھس آیا۔
ابا کو اس کی گزرنے والی اس بے مقصد زندگی کا احساس ہونا چاہیے تھا۔
انہیں اسے اجازت دے دینا چاہیے تھی کہ وہ کچھ کر لیتی۔ دفتر کی ملازمت نہ سہی
کسی سکول میں ہی بچیوں کو پڑھانے کی ذمہ داری اٹھا لیتی۔ زندگی کا کوئی مقصد
تو ہوتا۔!
وہ جس راہ چلنا چاہتی تھی ابا اپنے لاڈ پیار کے سلسلے میں اور اپنی انتہائی محبتوں
کو نگاہ میں رکھ کر وہ راستے بند تو نہ کر دیتے۔
کچھ اس کی بھی تو سوچیں تھیں۔ کچھ اس کے بھی تو جذبے تھے اور کچھ اس
کے بھی تو عزائم تھے۔!!

"باجی۔!"

بڑی مدھم سی پکار تھی۔ شاید اس کے اڑتے بکھرتے تصورات کی بازگشت
تھی۔ وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔

"باجی۔!"

اب ذرا آواز بلند تھی اور ساتھ ہی شانے پر کسی بھاری ہاتھ کا ہلکا سا
دباؤ۔!

کومل نے جلدی سے چہرہ گھٹنوں میں سے نکالا۔

عدیل اپنی تمام تر معصومیتوں کے ساتھ اس کے قریب ہی بیٹھا مسکرا
رہا تھا۔ کومل کھل اٹھی۔

وہ اچھے وقت آیا تھا۔ کم ازکم اس کے اندر پھیلیں ویرانیاں کچھ دیر
کے لیے سمٹ تو جائیں گی۔!

اس سے باتوں میں، گپ شپ میں لگ کر وہ کچھ دیر کے لیے بہل تو
جائے گی۔

"ارے! تم کب آئے۔؟"

اس نے بڑی شگفتگی سے پوچھا۔

"ابھی ابھی۔ کیا سو رہی تھیں۔؟"

"نہیں تو۔ جانے کیوں دل بڑا سخت اداس ہو رہا تھا۔"

عدیل کا غمگسار سا چہرہ سامنے پا کر اس نے من کی بات صاف کہہ دی۔

"تو پھر اچھے وقت آیا ہوں نا۔؟"

"ہاں۔ بالکل۔"

وہ بڑے خلوص سے بولی مگر دوسرے ہی لمحے چونک سی پڑی۔

"لیکن تم آج یونیورسٹی نہیں گئے۔؟"

"گیا تو تھا۔ مگر ایک پیریڈ گزرنے کے بعد میری چھٹی حس نے مجھے کہا کہ
جاؤ عدیل! اس وقت تمہاری باجی کو تمہاری سخت ضرورت ہے۔ میں نے کہا۔
اپنی باجی پر سے قربان۔ اور پھر اسی وقت سائیکل پکڑی اور آپ کے پاس
بھاگ آیا۔"

اتنے پیارے انداز میں اس نے خلوص و اپنائیت کا اظہار کیا تھا کہ کومل
کو اس پر بے تحاشا پیار آ گیا۔

"بڑے گپ باز ہو۔!"

وہ ہنسی۔ ساتھ ہی اک سوچ نے اسے سنجیدہ بھی کر دیا۔

زندگی کا یہ وقت اس کا یوں ضائع کرنے کا نہیں تھا۔ ایک ایک لمحہ
بڑا قیمتی تھا۔!

"لیکن جناب عدیل میاں! باجی بڑی نرم بھی ہے اور خاصی سخت بھی۔
پڑھائی کا وقت اِدھر اُدھر گنوانا سخت گناہ۔ ناقابل معافی گناہ۔ چلو اٹھو۔
ابھی۔ فوراً۔ اتنا ہی باجی سے ملنے کو بے تاب ہو گئے تھے تو شام کو آ جانا تھا۔
چلو۔ کلاسیں نہیں چھوڑنی۔"

کومل نے جلدی سے اٹھ کر اس کا بازو تھاما اور کھینچ کر کھڑا کرنے کی
کوشش کرنے لگی۔

"مانا کہ آپ مجھ سے بڑی ہیں۔ مگر یہ مت بھولیے کہ میں ایک مرد ہوں۔ اور عورت مرد سے بیس تیس سال بھی بڑی ہو جائے وہ صنفِ نازک ہی رہے گی۔"

کومل نے اتنا زور لگایا تھا مگر اسے اس کی جگہ سے اِنچ بھر بھی نہیں ہلا سکی تھی۔ وہ ہنسے جا رہا تھا۔

آخر تھک کر کومل نے اس کا بازو چھوڑ دیا۔

"لیکن عدیل! تم بھی یہ مت بھولو کہ میں تمہیں بگڑتا دیکھوں گی تو خاموش رہوں گی۔ جس طرح فریحہ کے لیے میں ہمیشہ بہتری چاہتی ہوں۔ اسی طرح تم ہو۔ تم مجھے اچھے لگتے ہو۔ اور میرا جی چاہتا ہے تم بہت بڑے آدمی بنو۔ یا کم از کم اپنے ملک کے لیے ایک انتہائی کارآمد فرد۔!!"

"ارے ارے۔! میری بے حد پیاری باجی آپ تو بالکل سنجیدہ ہو گئیں میں بگڑ کب رہا ہوں۔ انشاء اللہ آپ کی خواہشات پر پورا اُتروں گا۔"

"اور اس وقت۔۔۔ یہ پڑھائی چھوڑ چھاڑ۔۔۔"

"کون پڑھائی چھوڑ کر آیا ہے۔؟"

اس نے کومل کی بات درمیان سے ہی پکڑ لی۔

"وہ تو ہمارے ایک پروفیسر صاحب نہیں آئے تھے۔ دو پیریڈ خالی تھے۔ میں نے سوچا۔ یہاں اِدھر اُدھر آوارہ پھر کر"

پھر وہ شوخی سے مسکرایا۔

"لڑکیوں پر آوازے کس کر لڑکوں سے شرارتیں کر کے جو وقت ضائع

کروں گا وہ کیوں نہ اپنی باجی، اپنے پیر و مرشد کے پاس گزاروں۔ یہاں سے تو کچھ حاصل بھی ہو گا۔"

"پاگل۔!"

کومل پھر شرما گئی۔

"تم بڑے خراب ہو۔ ہر وقت ہی ایسی باتیں کرتے رہتے ہو۔"

"آپ شرماتی مجھے اچھی جو لگتی ہیں۔"

وہ پھر شرمائی۔ بڑی بے ساختہ ادا تھی۔

"یہ دیکھیے۔ یہ آپ کا انار کی کلیوں جیسا سرخ چہرہ۔!"

"توبہ توبہ! عدیل، لڑکیوں کی صحبت میں رہ کر تم کیسی کیسی باتیں کرنا سیکھ گئے ہو۔"

"لڑکیوں کی نہیں۔ یہ صرف آپ کی صحبت کا اعجاز ہے۔ وہاں آپ جیسی کوئی نہیں۔ یہ فقرہ میں نے پہلی بار۔۔۔"

"تو پھر شرم کرو۔ میں تمہاری باجی ہوں۔"

وہ ابھی تک گلنار تھی۔

"کیوں۔۔؟ جو باجی ہو اسے تعریف کرانے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔؟ آپ کو خدا نے یہ سب اتنے سارے خزانے دیئے ہیں۔ پھر دوسروں کی تعریف نہ کرنا بھی کنجوسی اور زیادتی ہے۔"

"اچھا اچھا۔ اپنی منطق اپنے پاس رہنے دو۔ یہ بتاؤ چائے پیو گے۔"

"ضرور۔" پھر اس نے کلائی کی گھڑی دیکھی۔

"بارہ بجے میرا لیکچر ہے۔ پونے بارہ یا بارہ بجنے میں دس منٹ ہوں گے تو
د، ف، ع ہو جاؤں گا۔"

وہ بڑے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں آنکھیں
ڈالتے ہوئے بولتا چلا گیا۔

"لہٰذا اس اتنے وقت میں آپ جو جو کچھ کھلا پلا سکتی ہیں مجھے کھلا پلا دیجیے
ساتھ ایک پیاری سی، خوبصورت سی، ترنم کے ساتھ غزل یا گیت بطور چٹنی۔"

"نہیں بھئی۔ چائے۔ گرما گرم پکوڑے اور بس۔!"

"پکوڑے کھلائیں گی۔ پھر تو ساتھ چٹنی ضروری ہو گئی۔"

"آج میرا گلا خراب ہے۔"

"میرا تو نہیں نا۔ مجھے تو چٹنی کھانے سے کوئی پرہیز نہیں۔"

"میرا موڈ خراب ہے۔"

"میں آیا ہوا ہوں۔ پھر بھی خراب ہے۔"؟

بڑے مان سے اس نے پوچھا تھا۔ کومل چپ سی ہو گئی۔ ورنہ اندر اسی
طرح بکھرا بکھرا سا تھا۔

وہ اپنے سوال کے جواب کے لیے بڑی بے قراری سے اسے تک رہا تھا۔
آخر اس نے اس کا دل رکھنے کو کہہ دیا۔

"نہیں اب تو خراب نہیں۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا پھر کنیز کو چائے کا کہہ آؤں۔"

"جلدی آجائیے گا۔ ایک منٹ میں۔"

"بھئی جلدی آجاؤں گی۔ ایسی پابندی نہ لگایا کرو۔"

"اتنی تیز سائیکل دوڑا کر، ایک ایک لمحہ پکڑ کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ آپ
کو کچھ احساس ہی نہیں۔"

"بہت ہے۔"

کومل وہیں بیٹھ گئی۔

"اب خود ہی جا کر چائے کا کہہ آؤ۔ میں کہیں تمہارا کوئی لمحہ ضائع نہ کر دوں۔"

"یہ ہوئی نا بات۔"

اور وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ کنیز خود ہی چائے کا ٹرے لیے آگئی۔

"جگ جگ جیو کنیز بی بی۔ من کی مرادیں پاؤ۔"

"آپ بھی میاں۔"

کنیز انداز سے ہی صدقے واری ہو گئی۔

"سدا خوشیاں دیکھیں۔ یہ دیکھیے کیسے گرما گرم پکوڑے بنا کر لائی ہوں۔"

"اور چٹنی کا انتظام ہمارا اپنا ہے۔"

عدیل نے مسکرا کر کومل کی طرف دیکھا۔

"کہاں۔؟ ساتھ لاتے ہیں۔؟"

"نہیں۔ یہیں سے ملے گی۔"

"وہ رات والی کومل بی بی نے رکھ چھوڑی ہو گی نا۔ انہوں نے خود ہی
بنائی تھی۔ پکوڑوں کے ساتھ کچھ اور بھی زیادہ مزہ دے جائے گی۔"

دونوں بے اختیار ہنس پڑے۔

"اور اب تم جاؤ کنیز بی بی! ہمیں اطمینان سے کھانے دو۔ ورنہ زیادہ کھاتے دیکھ کر تم نظر لگا دو گی۔"

عدیل ہنستے ہوئے بولا۔

"نہیں میاں۔ میری آنکھوں میں خاک۔ نظر کیوں لگاؤں گی۔"

کنیز تیز تیز قدم اٹھاتے کمرے سے باہر نکل گئی۔

"آنکھوں میں خاک۔ منہ میں خاک کے وزن پر۔ باجی! آپ کی تو کنیز بھی کافی ادبی قسم کا ذوق رکھتی ہے۔"

"ہاں۔" کومل مسکرانے لگی۔

"پھر۔؟" عدیل پھر اسی موضوع کی طرف لوٹ آیا۔

"اتنی دور سے یہی آس لے کر آیا ہوں۔ بے مراد نہ لوٹایئے۔ میری بے پایاں خواہش اور چاہت کے صدقے میں۔ کوئی دو چار شعر ہی ہو جائیں۔ کسی کی مراد پوری کرنے والے کی اپنی مرادیں خدا۔۔۔"

"اچھا اچھا۔ باتیں کم۔"

اس نے بڑے انداز سے ہونٹوں پر انگلی رکھی۔

"اور آپ کیوں مجھ پر ہر وقت کرفیو لگائی رہتی ہیں۔"

"مجھے حق ہے۔ میں بڑی ہوں۔"

"ہائے ہائے! اللہ میاں تو نے مجھے چھ سال پہلے کیوں نہ دنیا میں بھیج دیا۔ آج اس کومل سی باجی کے آگے سر تو نہ جھکانا پڑتا۔ پھر ملکہ رعب ڈالتا۔"

"تم نے تو کہا تھا کہ عورت بیس تیس سال بھی چھوٹی ہو تو مرد مرد ہی ہوتا ہے اور عورت نازک۔ یا وہ بڑا وہ چھوٹی۔؟"

"اس عمر والی بڑائی چھٹائی کو تو میں خاطر میں نہیں لاتا۔ مانتا ہی نہیں۔ دراصل۔"

عدیل سر کو کھجلاتے ہوئے ہولے سے بولا۔

"میں آپ کی اس بڑائی سے مرعوب ہو جاتا ہوں جو آپ کے منے سے، خوبصورت سے سر کے اندر اس بھیجے میں ہے۔"

عدیل نے کومل کا سر ایک ہاتھ کی انگلیوں میں تھام کر اِدھر اُدھر ہلایا۔

"بس! یہ مجھے اُلٹ پلٹ کر دیتا ہے۔ سارا حساب ہی خراب ہو جاتا ہے۔"

"پھر بہکنے لگے۔ چائے نہیں پیو گے۔؟"

"ضرور، ضرور۔"

کومل کی طرف دیکھتے دیکھتے ہی اس نے پیالی ہونٹوں سے لگا لی۔

"ہائے۔!" ایک دم اس کے منہ سے صدا نکلی۔

کومل ہنس ہنس کر دوہری ہونے لگی۔

"اور مجھے تمہارے بھیجے پر افسوس ہے۔ جانے اس میں کیا بھرا ہوا ہے۔؟"

عدیل نے خفیف سا ہوتے ہوئے جلدی سے یہ بڑا سا پکوڑا اٹھا، ثابت کا ثابت منہ کے اندر رکھ لیا۔ وہ بھی گرم تھا۔

"م۔ م۔ مر گیا۔" بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا۔

"صبر سے۔"

کومل پھر ہنسی۔

"آپ کے پاس آکر جانے مجھے کیا ہو جاتا ہے۔ ویسے سچی باجی! میں اتنا بھی بے وقوف نہیں ہوں۔ بس آپ۔ آپ۔ کچھ نہیں۔ تو پھر آپ کچھ سنایئے گا نہیں۔؟"

بہت ستالیا تھا بے چارے کو۔! کومل کو اس پر ترس آگیا۔

ہلکی ہلکی، مدھم مدھم گنگناہٹ کے بعد فیض کی مشہور نظم 'لذتیں اور بھی ہیں' ترنم کے ساتھ گانے لگی۔

اور عدیل۔ چلئے والئے۔ پکوڑے شکوڑے سب بھول بھال۔ صرف۔ اور صرف۔ اس میں ڈوب گیا۔

وہ تقریباً روز ہی آتا تھا۔

کبھی کوئی پیریڈ خالی ہوتا۔ اس وقت۔ کبھی سہ پہر کو۔ کبھی شام کو۔ غرض جب بھی وقت ملتا۔ آ ضرور پہنچتا۔!

کتنی اچھی تھیں فریحہ کی باجی!

ہمیشہ اتنی خوبصورت مسکراہٹ سے اس کا استقبال کرتیں کہ اس کا دل و دماغ تو کیا تمام کا تمام وجود منوّر ہو اٹھتا۔

اس کی مسکراہٹ کی تجلی سے کم ازکم اسے تو ایسا ہی محسوس ہوتا تھا۔

اس کے علاوہ۔ اس کا خلوص و اپنائیت۔! اس کی باوقار اور پرکشش ہستی کا مقناطیس۔!! اس کی عقل و دانش بھری فلسفیانہ گفتگو۔! اس کا مترنم لب و لہجہ۔ اور بلند ذوق۔!!!

اس کا تو دل چاہنے لگا تھا کہ ہر ایک دن چوبیس گھنٹوں کے بجائے دو چار سو گھنٹوں کا ہو جائے تو وہ مسلسل اتنی دیر وہاں بیٹھا رہے۔

پھر۔؟ جانے کیا ہوا۔؟ کیوں اس کے دل میں خدشہ سر ابھارنے لگا کہ کہیں کومل کے گھر والے اس کی اس آزادانہ آمدورفت پر معترض نہ ہوں۔

تب ایک دن اس نے جی کڑا کر کے کومل سے پوچھ ہی لیا۔

"باجی! ایک بات پوچھوں۔؟ ٹھیک ٹھیک جواب دینے کا وعدہ کیجئے۔"

"لو۔ تو میں پہلے کیا ہمیشہ تم سے جھوٹ بولتی رہتی ہوں۔؟"

کومل نے مسکراہٹ کو ہونٹوں میں دباتے ہوئے مصنوعی غصے کا اظہار کیا۔

"ارے باجی! ناراض کیوں ہوتی ہیں۔؟ میں پوچھنا یہ چاہتا تھا کہ میں آپ کے پاس ہر روز ہی آتا ہوں۔ اور کئی کئی گھنٹے یہاں بیٹھا رہتا ہوں۔"

"تو کیا ہوا۔؟"

"میرا مطلب ہے کہ آپ کے والدین کو اس پر کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔؟"

"کیوں۔؟ تم شریف آدمی نہیں ہو۔؟"

کومل شوخی سے بولی۔

"نہیں نہیں۔" وہ گڑبڑا گیا۔

"کیا۔؟ نہیں ہو۔؟"

کومل بدستور شرارت پر آمادہ رہی۔

"اوہ نہیں۔ آپ تو مذاق کرنے لگیں۔"

وہ خفیف سا ہو گیا۔

اور اس کی حالت دیکھ کر کومل کو اس پر ترس آ گیا۔ بے چارا منا سا لڑکا۔! اسے اپنے بڑے پن کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔ تب وہ ذرا سنجیدگی اور پیار سے بولی۔

"تم میرے والدین کو نہیں جانتے۔ انہوں نے ہم دونوں بہنوں کی تربیت پر بڑی محنت کی ہے۔ اسی لیے ان کو ہم پر مکمل اعتماد ہے۔ تم فریحہ کے بھی دوست ہو اور میرے بھی۔ اور ان کی نظروں میں تمہارا وہی مقام ہے جو ہماری کسی سہیلی کا ہو سکتا ہے۔ گویا دوسرے لفظوں میں تم میری سہیلی ہو۔ ٹھیک ہے؟"

کومل نے ضرورت سے زیادہ بات کھول کر اس کی تسلی کر دینا چاہی۔

"جی ہاں۔ مگر کئی دن سے مجھے یہ خیال بہت بے چین کیے ہوئے تھا کہ کہیں میری وجہ سے آپ کے والدین آپ سے ناراض نہ ہوں۔"

"اچھا فرض کرو۔"

کومل کی آنکھوں میں پھر شوخی بھرے ستارے چمکے۔

"اگر میں یہ کہہ دوں کہ ہاں میرے والدین کو تمہارے ساتھ میرا میل جول پسند نہیں تو۔ تم کیا کرو گے۔؟"

"تو میں کیا کروں گا۔؟"

وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"تو آپ سے خط و کتابت کر لوں گا۔ پھر کبھی کسی ہوٹل میں بلا لوں گا۔ کبھی سنیما ہال میں مل لوں گا۔ کبھی کسی پارک میں۔ یونیورسٹی میں فریحہ کے بہانے لیکن یہ یقینی امر ہے۔ کہ آپ سے ملوں گا ضرور۔ ملے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔"

اتنا کہہ کر وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"کس سوچ میں پڑ گئے عدیل۔"

کومل بھی کچھ ایسی اس کی ہر وقت کی باتوں کی عادی ہو چکی تھی کہ وہ موجود ہوتا تو لمحے کی خاموشی بھی اسے ڈس لیتی۔

کومل کے مخاطب کرنے پر وہ چونک پڑا۔

"نہیں۔ کوئی خاص بات نہیں۔ ویسے باجی! ایک بات تو بتائیے۔ جب سے میں نے آپ کو دیکھا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں آپ کو بہت عرصہ سے جانتا ہوں۔ کئی صدیوں سے۔! جیسے ہزاروں سالوں سے ہم ہر جنم میں ایک دوسرے کے قریب رہے ہیں۔"

وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ نگاہیں دور کہیں جمی تھیں۔

"کبھی کسی وحشی قبیلے کے دو افراد کے روپ میں۔ جب ہم علی الصبح شکار کھیلنے نکل جایا کرتے تھے۔ جنگل میں دن بھر جنگلی پھل کھاتے۔ بہتے چشموں ندیوں کا اوک سے پانی پیتے اور شام کو سب سے زیادہ شکار مار کر لاتے۔ ہم دونوں۔ دو ساتھی۔"

وہ سوچوں میں کھویا بولے جا رہا تھا اور کومل اس کے سنجیدہ چہرے کو چپ چاپ تکے جا رہی تھی۔

"پھر اگلے جنم میں۔ شاید ہم کسی مندر میں بھگوان کے پجاری تھے۔ تلک لگائے۔ گیروانہ لباس پہنے۔ ہم ہر صبح بھگوان کی مورتی کو پرنام کرتے۔ اسے گنگا جل سے اشنان دیتے۔ اس کے چرنوں میں پھول چڑھاتے۔ ماتھا ٹیکتے۔

اس کے بھجن گاتے۔ میں اور آپ۔"

وہ، جو معصوم اور سادہ سا تھا۔ اس وقت موہنجوڈارو کے کھنڈرات سے نکل کر آنے والی کوئی روح معلوم ہو رہا تھا۔ کومل متعجب تھی۔

"اور اس سے اگلے جنم میں۔ شاید ہم دونوں سپاہی بن گئے۔ میدانِ جنگ میں پہلو بہ پہلو لڑتے ہوئے یکایک میرے پہلو میں ایک تیر آ کر لگا۔ آپ نے مجھے سہارا دیا اور پھر میدانِ جنگ سے دور لے گئیں۔ تیر کو کھینچ کر نکالا۔ زخم پر مرہم رکھا۔ میں پیاس کی شدت سے کراہا۔

"پانی۔ پانی۔"

اور آپ نے اپنی چھاگل سے میرے خشک ہونٹوں میں پانی ٹپکا دیا۔

باجی! یہ سب کچھ مجھے کیوں محسوس ہوتا ہے۔ بتائیے نا باجی کیوں۔؟"

کومل خاموش تھی سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی۔

"کیا یہ سچ ہو سکتا ہے۔؟ کیا آواگون کا نظریہ ٹھیک ہے باجی! کیا آپ اس پر اعتقاد رکھتی ہیں۔؟"

وہ اتنا سنجیدہ تھا۔ یوں جیسے ہر لفظ جو اس کے ہونٹوں سے نکل رہا تھا حقیقت پر مبنی تھا۔ محض تصورات ہی نہیں۔ صرف مجذوب کی بڑ ہی نہیں۔! خود اسے عدیل بہت اچھا لگتا تھا۔ اتنا۔ کہ جیسے واقعی ماضی میں اسکے ساتھ اس کا کوئی تعلق رہا تھا۔

لمحہ بھر کے لیے وہ بھی عدیل ہی کی سوچ کی راہ پر چل پڑی۔ اسی سنجیدگی کے ساتھ۔!

"یہ روحوں کے مسائل ہیں عدیل۔!"

اور تب وہ بھی اسی انداز میں بولنے لگی۔ کھوئی کھوئی سی۔ موہنجوڈارو کے کھنڈرات سے آئی ہوئی دوسری روح کی طرح۔!

"اور ہمارے فانی اور محدود سمجھ رکھنے والے دماغ ان کی گہرائی کو نہیں ناپ سکتے۔ شاید یہ درست ہی ہو۔ مگر یقین سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیا پتہ ہم اس سے پہلے واقعی کسی جنم میں مل چکے ہوں۔ اور آئندہ بھی جب کسی جنم میں اکٹھے ہوں تو یہی سوچتے رہیں کہ کیا ہم اس سے پہلے کبھی آپس میں مل چکے ہیں۔؟"

اور آخر میں وہ ڈوبی ڈوبی اُبھری۔ تو۔ یکایک اس کے حلق سے قہقہہ پھوٹ پڑا۔

"تم تو پاگل تھے ہی۔ ساتھ میں بھی پاگل ہوگئی۔"

عدیل چونکا۔ اور اب کومل کی ہنسی میں اس کی ہنسی بھی شامل تھی۔

"اچھا ہی ہے جو دونوں ہی پاگل ہیں۔ ورنہ پھر گزارہ نہ ہوتا۔"

عدیل نے کومل کے پاگل پن کو بھی بڑی عقیدت اور احترام سے گویا قبول کرلیا۔

فریحہ کی کلاس آرٹس کونسل میں ریڈ کراس کے چندے کے لیے ڈرامہ کر رہی تھی۔ کوئی کلاسیک قسم کی چیز تھی۔ بڑا زور شور تھا۔ انتہائی دھوم دھام تھی۔ صرف ایک دن کے لیے انہیں ہال مل سکا تھا۔ لوگوں نے یہ سنا تو ٹکٹیں بلیک ہونے لگیں۔ پانچ پانچ روپے والی ٹکٹ پندرہ پندرہ روپے میں بکی۔

چندے کی غرض سے نہیں۔ صرف اس لیے کہ کلاسیک قسم کے ڈرامے وغیرہ دیکھنے کا ذوق رکھنے والا ہر فرد ماڈرن اور اونچے طبقے سے تعلق رکھنے والا سمجھا جاتا ہے۔

تین دن پہلے سے فریحہ کومل کو ساتھ چلنے پر مجبور کر رہی تھی۔ مگر وہ کسی طرح مان ہی نہیں رہی تھی۔

آخر جس دن ڈرامہ تھا۔ تیار ہو کر جانے سے پہلے فریحہ نے ایک بار پھر اسے

ساتھ چلنے کو کہا۔ اور اب جب اس نے انکار کیا تو فریحہ نے اُلجھ کر، جھنجھلا کر طعن دے دیا کہ وہ شاید چندہ نہیں دینا چاہتی تھی۔ تو کوئی بات نہیں تھی اس کی ٹکٹ بھی وہ خریدنے کو تیار تھی۔

کومل مسکرا پڑی۔ چپکے سے جا کر ایک ٹکٹ کے بجائے دو ٹکٹ کے پیسے لا کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

"ضروری نہیں کہ قیمت وصول کر کے کچھ خیرات کی جائے۔ یوں ثواب بھی نہیں ملتا۔"

فریحہ خفیف سی ہو کر رہ گئی۔

"وہ تو باجی! مَیں یہ سب صرف آپ کو ڈرامہ دکھانے کے لیے کہہ رہی تھی"

"کیوں آخر۔؟ ڈرامہ دکھانے پر تم اتنی مُصر کیوں ہو۔؟"

"اس میں مَیں نے بھی کام کیا ہوا ہے۔!"

سَر جھکا کر وہ مدھم سے لہجے میں بولی۔

"تم نے بھی۔"؟

کومل تعجب سے چیخ سی پڑی۔

"امّی ابا سے پوچھا تھا۔؟"

"نیک کام، نیک مقصد کے لیے کیا ہے باجی! پھر بھلا امّی اور ابا کو اعتراض کیوں ہونے لگا۔؟"

"لیکن۔ یوں اپنی نمائش کر کے، کچھ کما کر امداد دینا یا خیرات کرنا بھی تو جائز نہیں۔"

"باجی! جُوں جُوں زمانہ آگے جا رہا ہے آپ پیچھے چل رہی ہیں۔ بلکہ اتنی دقیانوسی نہ ہو جائیے کہ۔ ۔ ۔"

"اچھا۔" کومل نے بے کلی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم جاؤ۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"

"لیجیے۔ یہ دو ٹکٹوں کے پیسے۔ واپس لے لیجیے۔"

فریحہ روٹھی روٹھی سی بولی۔

"یہ تو پہلے ہی مَیں نے دینا تھے۔"

"اور ڈرامہ۔"

"مَیں نے اپنا ثواب ضائع نہیں کر لینا۔ بغیر معاوضہ کے میں امداد دینا چاہتی ہوں۔"

"آپ کی منطق بھی بس نرالی ہی ہوتی ہے۔"

دونوں نوٹوں کو مٹھی میں دبا، وہ بڑبڑاتے بڑبڑاتے چلی گئی۔

"جانے آپ دن بدن بوڑھی مولوانی کیوں بنتی جا رہی ہیں۔ عجیب عجیب سی کتابیں پڑھتی ہیں۔ عجیب و غریب ان کا فلسفہ ہوتا ہے۔"

سیڑھیاں اُترنے تک اس کی بڑبڑاہٹ کومل کو سنائی دیتی رہی۔ کومل ہولے ہولے مسکراتی رہی۔ یہ اس کی عادت تھی۔ کوئی اسے بُرا بھلا بھی کہہ ڈالتا تو جواب میں وہ مسکراتی رہتی۔ اور فریحہ تو اس کی نگاہ میں ابھی بچہ تھی۔ اور یہ سب کچھ اس کی محبت میں وہ کہہ رہی تھی۔

بُرا کیوں مانتی۔؟

اس نے بھی تو اس کی اتنی التجاؤں اور منتوں کی پرواہ نہیں کی تھی ۔
لیکن ۔ وہ آخر کرتی بھی کیا ۔ ؟

کچھ تو اپنے اصول، اپنے خیال سے وہ ہٹنا نہیں چاہتی تھی کہ یوں رقم اکھٹی ہو تو جاتی تھی مگر دینے والے کو عاقبت کے لیے کچھ وصول نہیں ہوتا تھا ۔ اور بھی بہت طریقے تھے ۔ جن سے چندہ اکھٹا کیا جا سکتا تھا ۔

اس بنیادی اختلاف کی وجہ سے وہ اگر ڈرامہ دیکھنے نہیں گئی تھی تو ایک اور بھی وجہ تھی ۔

جانے کیوں ایسی محفلوں میں اور ایسی جگہوں پر جانے سے وہ اکثر گریز کرتی تھی ۔ جہاں نوجوان لڑکے لڑکیوں کو اکٹھا ہونے کا موقع ملے ۔

جوانی کی اس عمر کی جو فطرت ہوتی ہے ۔ وہ اس سے اچھی طرح واقف تھی ۔ لڑکیوں کا سج بن کر آنا ۔ بات بے بات شرمانا لجانا ۔ ناز و انداز دکھانا ۔ اور لڑکوں کا پروانوں کی طرح ان کے گرد چکر کاٹنا ۔

یہ سب اسے ذرا اچھا نہیں لگتا تھا ۔ اپنے مذہب اور مذہب کی قدروں سے اسے بہت پیار تھا ۔ اپنا ملک اور ملک کی قدریں اسے بے حد پسند تھیں اور وہاں ۔ آج کل کے دور میں ۔ اسے سب کچھ لٹتا لٹتا دکھائی دیتا تھا ۔

لڑکیاں نئے نئے فیشن لگا کر اور نیم عریاں لباس زیب تن کر کے جب لڑکوں کو تڑپانے، ترسانے کے لیے ان کے قریب قریب سے خواہ مخواہ ہی گزرتیں ۔ تو ۔

اسے اپنی جنس سے نفرت سی محسوس ہونے لگتی کہ وہ بھی انہیں میں سے

تھی ۔ یا ۔ وہ اس میں سے تھیں ۔!

کیا فرق تھا اس میں اور دوسری لڑکیوں میں ۔! اور پھر ۔ سامنے تو نہیں البتہ پیٹھ پیچھے لڑکے جو جو باتیں بناتے ان سے بھی وہ واقف تھی ۔

سامنے تو وہ پروانوں کی طرح مر مٹنے، جل مرنے کو تیار نظر آتے مگر بعد میں اسی حسن کا جب بدصورتی کے انداز میں تذکرہ ہوتا ۔ ایک ایک کا مذاق اڑایا جاتا تو اسے بہت صدمہ پہنچتا ۔

اس لیے یہ سب اس کی برداشت سے باہر تھا ۔

اس کے جانے کے بعد کافی دیر وہ خیالوں میں کھوئی بیٹھی رہی ۔

فریحہ کے بھی وہی طور اطوار تھے ۔ جو آج کل کی اکثر لڑکیاں اپنا چکی تھیں ۔ کتنا چست اور بھڑکیلا سا لباس پہن کر وہ گئی تھی ۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہر غلط نگاہ اُسی پر اٹھ رہی تھی ۔

گو اسے اس پر، اپنی بہن پر پورا اعتماد تھا مگر یوں بے حجابانہ لڑکوں میں جانے کا یہ انداز بھی پسند نہ تھا ۔ جب بڑی دیر سوچ سوچ کر کوئی حل نہ سوجھا تو سر جھٹک کر اُٹھی ۔

ابا جو بہت روشن خیال تھے ۔ ان کی دی ہوئی آزادی کی مخالفت کرنے کی اس میں جرأت کب تھی ۔ ؟

پھر بھلا وہ کاہے کو مفت میں سر کھپاتی پھرتی

بہت دنوں سے ایک میز پوش کاڑھنا شروع کیا ہوا تھا ۔ روز ہی عدیل آ جاتا تھا ۔ پھر باتوں میں لگ کر وہ کام ہی نہیں کر سکتی تھی ۔

وہ جلد جلد ہاتھ چلانے لگی۔

صرف تین پتیاں ابھی کاڑھی تھیں کہ سیڑھیوں میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

آواز مانوس تھی۔ پہلے ہی فریم پرے ڈال دیا کہ اس نے آتے ہی چھین کر دُور پھینک دینا تھا۔

عدیل مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوا۔

"ارے! آج تو ڈرامہ تھا۔ تم نہیں گئے۔؟"

کومل نے حیرانگی سے پوچھا۔

"نہ ہم ایکٹر ہیں نہ ڈائریکٹر۔ پھر کیوں لیے جاتے۔؟"

"ناظرین میں سے تو یقیناً ہو گے نا۔؟"

"اور جو دوسرے بہت سے ہیں۔ پھر ہم اپنی شام کیوں ضائع کرتے؟"

اس نے بڑھ کر کومل کا ہاتھ تھام لیا۔

"ذرا اُٹھ کر دیکھیے کس قدر حسین موسم ہے۔ مَیں نے سوچا کہ ڈرامے تو آئے دن ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ایسی شام نہ جانے دوبارہ کب آئے۔؟"

وہ بے حد مسرور تھا۔ یوں۔ کہ جانے کیا پا لیا تھا۔!

"اور آج مَیں ابا کی کار بھی لے آیا ہوں۔ چوری سے۔!"

"تو چوری کی ہے۔؟"

کومل نے گھور کر اسے دیکھا۔

"والدین کی چوری جائز ہوتی ہے۔ ابا ذرا سخت ہیں۔ لیکن امی سے پوچھ لیا تھا۔ اٹھیے چلیں کوئی فلم دیکھتے ہیں۔"

کومل ٹھٹھا اڑانے کے انداز میں زور سے ہنسی۔

"ہوں۔ تو جناب ایسی شام کسی سنیما ہال میں بیٹھ کر گزار دینا چاہتے ہیں پاگل۔! تمہیں کیا لطف آئے گا اس حسین شام کا۔ اندھیرا اور ایئر کنڈیشنڈ سنیما ہال۔"

"اچھا بابا! فلم نہیں دیکھتے۔ جہاں آپ کہیں گی وہیں چلے چلیں گے۔ اُٹھیے تو سہی۔ مجھے تو سروکار صرف آپ کے ساتھ سے ہے۔ آپ ساتھ ہوں گی تو۔"

"مجھے تو معاف ہی رکھو۔ بڑا ضروری کام کر رہی ہوں۔"

"نہیں نہیں۔ بہانہ کوئی نہیں چلے گا۔"

"نہیں سچی۔ بہانہ نہیں۔"

"تو حقیقت بھی کوئی نہیں۔ اتنے خلوص اور شوق سے مَیں نے آپ کی خاطر چوری کی ہے۔"

"واہ، واہ۔! کیا کہنے۔ خلوص اور شوق سے چوری۔"

کومل مسکرائی۔

"پلیز اُٹھیے۔ میرے پاس وقت کم ہے۔"

اور اس نے کومل کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا اور کھینچ کر ڈرائنگ روم کی طرف دھکیل دیا۔

"بڑے زبردست ہو۔"

"مرد جو ہوں۔"

"اپنے مرد ہونے کا رعب مجھ پر مت ڈالا کرو۔ میں عمر میں تم سے بڑی ہوں۔"

"آپ بھی عمر کی بڑائی کا طعن مجھے مت دیا کیجیے۔ عورت کے ناموس کی حفاظت بڑی بہادری سے کر سکتا ہوں۔ میرے بازوؤں کی طاقت دیکھیے میرا قد اور جسم دیکھیے۔ میرے سامنے آپ منی سی لگتی ہیں۔"

"اچھا اچھا۔ شیخی مت مارو۔"

"اور اب آپ برائے مہربانی! میرے وقت کا اس بے دردی سے خون مت کیجیے۔"

وہ باتیں کیے جا رہی تھی۔ عدیل نے آگے بڑھ کر اسے ڈرائنگ روم کے بالکل اندر دھکیل دیا۔ اور خود واپس آکر اس کی جگہ پر بیٹھ گیا۔

قریب ہی اس کا کشیدے والا فریم پڑا ہوا تھا۔ اٹھا کر اس کے کاڑھے ہوئے پھول اور پتیاں دیکھنے لگا۔ کسی انسانی ہاتھ کا کام تو لگتا ہی نہیں تھا۔ ایسا صاف ستھرا بے داغ جیسے مشین سے کاڑھا گیا تھا۔

وہ سوچوں میں کھو گیا۔

وہ ہر لحاظ میں برتر تھی ہر معاملے میں بلند۔! ہر کام میں لاثانی۔!!!

"باجی! آخر تم کیا ہو۔؟"

"چلو بھئی۔"

کومل کی آواز پر اس نے سر اٹھایا۔

"اوئے ہوئے۔!"

اس نے جلدی سے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیے۔

"کیا ہوا عدیل۔؟"

کومل گھبرا کر اس کے قریب آگئی۔

"کچھ نہیں باجی! آپ کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو گئی تھیں۔ بخدا اس نیلی ساڑھی میں آپ کس قدر سمارٹ اور خوبصورت۔۔۔"

"اچھا اب زیادہ باتیں نہ بناؤ۔" کومل نے شرما کر اس کی بات کاٹ دی۔

"چلو اٹھو۔ ابھی مجھے امی سے اجازت بھی لینا ہے۔ پھر کہو گے کہ تمہارے وقت کا خون کر رہی ہوں۔"

"اجی وقت کو چھوڑیے۔ اب تو اپنا ہو گیا۔"

بڑے غور سے اور بڑی گہری نگاہوں سے اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے وہ اس کے ساتھ چل پڑا۔

امی سے اجازت ملنا کوئی مسئلہ ہی نہ تھا۔ انہوں نے کبھی اسے کسی بات سے روکا ٹوکا نہ تھا کہ اس پر اتنا مکمل انہیں اعتماد تھا۔

کار میں بیٹھنے کے لیے کومل نے پچھلا دروازہ کھولا تو عدیل اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے غصیلے لہجے میں غرایا۔

"کمال کرتی ہیں آپ بھی۔ اتنی ہی بے اعتمادی تھی تو میرے ساتھ آئی ہی کیوں تھیں۔؟"

"پاگل! بے اعتمادی کیسی۔؟"

"پھر۔؟"

"صرف دنیا کے خیال سے کہ۔"

"اور دوستی گئی جہنم میں۔"

"توبہ! تم تو بات کا بتنگڑ بنا دیتے ہو۔"

"تو آپ مجھے ستاتی کیوں ہیں۔؟"

اس نے اگلا دروازہ کھول کر کومل کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔

خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اسی معصومیت اور زندہ دلی سے عدیل بولا۔

"فلم کا پروگرام آپ نے کینسل کر دیا۔ لہٰذا اب دوسرا پروگرام بنانا آپ کے ذمہ۔ بتائیے کہاں چلیے گا۔؟"

"صاف ظاہر ہے پہلے آئس کریم کھانے چلیں گے۔"

کومل مسکرائی۔

"اس کے بعد کچھ دیر جناح پارک میں ٹہلیں گے۔ پھر جب مزے سے آئس کریم کی ٹھنڈک ختم ہو جائے گی تو پھر چائے پئیں گے۔"

"کہاں۔؟"

"یہ تمہاری چوائس۔!"

"اور اس کے بعد۔؟"

"جہاں تم چاہو لے چلنا۔"

"ویری گڈ۔! ایک اچھے دوست کی طرح آپ اب بات کر رہی ہیں نا!"

اس نے جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"پھر لمبی ڈرائیو پر چلیں گے۔ کسی طرف۔"

وہ جیسے ترنگ میں آ کر بولا۔

"بہت لمبی ڈرائیو۔ اور آپ ساتھ ساتھ کوئی اچھی سی، پیاری سی، بالکل اپنے جیسی غزل سنائیے گا۔ اسی خوبصورت اور مست کر دینے والے ترنم کے ساتھ۔"

شام کا ملگجا سا اندھیرا ہر طرف پھیل رہا تھا اور وہ دونوں آئس کریم کھانے کے بعد باغ جناح میں ٹہل رہے تھے۔ اور مزے مزے کی باتیں کیے جا رہے تھے۔ ارد گرد سبزہ ہی سبزہ تھا۔ پھول ہی پھول تھے۔ ان کی معطر خوشبو دل و دماغ کو مست کیے دے رہی تھی۔

"باجی! ایک سوال پوچھوں۔؟"

عدیل یکدم رک کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"تم ہر وقت کچھ نہ کچھ پوچھتے ہی رہتے ہو۔"

کومل مسکرائی۔

"پوچھو۔ کیا پوچھنا چاہتے ہو۔؟"

عدیل کچھ خاموش سا ہو گیا۔ پھر قدرے توقف اور ذرا سی ہچکچاہٹ کے بعد بولا۔

"باجی! سوال کچھ ذاتی ہے۔ مگر بحیثیت ایک دوست کے شاید مجھے پوچھنے کا حق پہنچتا ہے۔ یہ بتائیے کہ آپ نے اب تک شادی کیوں نہیں کی۔؟"

"کیا مطلب۔؟"

"دیکھیے۔ آپ کی عمر اس وقت کتنی ہے۔؟"

"یہی کوئی پچیس چھبیس سال کے لگ بھگ۔ مگر بے وقوف لڑکے!
تمہیں آج تک کسی نے یہ بھی نہیں بتایا کہ لڑکیوں سے ان کی عمر نہیں پوچھا کرتے۔"

کومل بڑے انداز سے مسکرائی۔

"اور یہ بھی یاد رکھو کہ وہ کبھی اپنی صحیح عمر بتاتی بھی نہیں۔"

"پھر آپ نے کیسے اپنی صحیح عمر تو مجھے نہیں بتا دی۔؟"

عدیل شوخی سے ہنسا۔

"میں شاید حوا کی پہلی بیٹی ہوں جس نے اپنی صحیح عمر ایک مرد کو بتائی ہے۔"

"مجھے اس پر فخر ہے۔"

وہ ذرا سا جھکا۔ پھر مسکرایا۔

"لیکن میرے سوال کا جواب ابھی آپ نے نہیں دیا۔ دیکھیے نا آپ نے
چھ سال پہلے بی اے کیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے مزید پڑھنے سے انکار کر دیا۔
اس وجہ سے کہ یہ خالی خولی پڑھائی آپ کی ذہنی تشنگی کو نہیں مٹا سکتی۔"

کومل بڑے تعجب سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"حیران نہ ہوئیے۔ یہ سب باتیں مجھے فریحہ کی زبانی معلوم ہوئی ہیں۔ تو
آپ نے یہ اتنے سال کیوں بے کار ہی گزار دیئے۔ کہیں شادی وادی کر کے
مزے کی زندگی گزارتیں۔"

"لیکن اگر شادی کر لیتی تو پھر تم سے کیسے ملتی۔؟"

کومل نے بات مذاق میں ٹالنا چاہی۔

"مذاق چھوڑیئے۔ جنہیں ملنا ہوتا ہے وہ مل ہی جاتے ہیں۔ آپ میری
بات کا جواب دیجیے۔"

کومل خاموشی سے کچھ سوچنے لگی۔

"بتاؤں میرا کیا خیال ہے۔؟"

عدیل پھر بولا۔

"آپ نے اس لیے اب تک شادی نہیں کی کہ آپ کو ابھی تک اپنا
آئیڈیل نہیں ملا۔"

"ارے پگلے۔! آئیڈیل بھی کبھی ملا کرتے ہیں۔؟"

اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ کومل کے چہرے کے تاثرات تو نہ دیکھ سکا،
البتہ لہجے میں چھپی ہوئی جو افسردگی تھی وہ اس سے چھپی نہ رہ سکی۔

"اور یہی نقطہ میں آپ کو سمجھانا چاہتا تھا کہ باجی! آئیڈیل کبھی نہیں ملا
کرتے۔ ان کا انتظار بے کار ہے۔ اس لیے اب آپ کسی اوسط درجے کے انسان
سے شادی کر ہی ڈالیے۔ اگرچہ مجھے یقین ہے کہ اس دنیا میں ایسا انسان شاید ہی
کوئی ہو۔ جو آپ کا خاوند بننے کا اہل ہو۔"

"چلو چھوڑو ان باتوں کو۔ آؤ چلیں۔ ابھی ہمارے پروگرام کا بہت سا حصہ باقی
ہے۔ اور رات سر پر آ گئی ہے۔"

عدیل نے مزید کچھ نہیں پوچھا۔ چپ چاپ کومل کا ہاتھ تھام لیا۔

"آؤ دوست۔! چائے ہمارا انتظار کر رہی ہوگی۔" مسکراتے ہوتے اس نے قدم بڑھائے۔

"اسلام علیکم -!"

"وعلیکم السلام - !!"

اپنے خیالوں سے چونکنے کے باوجود اسے سلام کا جواب دینا نہیں بھولی تھی۔
معمول کے مطابق عدیل نے اس کے ہاتھ سے سٹنسل اور دھاگے کا گولہ
چھین کر پرے پھینک دیا۔

"میں جب آجایا کروں تو حیران ہو ہو کر مجھے دیکھنے کے بجائے ان خرافات
کو علیحدہ ہٹا دیا کریں۔"

اس کے قریب بیٹھ کر پھر وہ مسکرایا۔

"ابھی تک آپ میری عادی نہیں ہوئیں شاید۔ کہ میری آمد چند لمحوں کے لیے
آپ کو ضرور حیران پریشان کر دیتی ہے۔"

"آندھی طوفان کی طرح جو آتے ہو۔ اور طوفانوں کا عادی انسان مشکل
سے ہو پاتا ہے۔"

کومل مسکرائی۔

"تو میں ایسی دہشتناک چیز ہوں۔؟"

شکوے کے طور پر وہ پوچھنے لگا۔

"لگتا تو ایسا ہی ہے۔"

کومل مسکراتی رہی۔

"تبھی۔!"

"تبھی کیا۔؟"

"وہ آپ کی بہن بھی ہمیں منہ نہیں لگاتی۔"

"کیا مطلب۔؟"

"فریحہ کیا کچھ ناراض ہے ہم سے۔؟"

"نہیں تو؟"

"مجھے تو وہ بہت غصے میں لگ رہی تھی۔ آج یونیورسٹی میں اس نے سارا دن
مجھ سے بات نہیں کی۔ میں نے بلانے کی بہتیری کوشش کی مگر۔۔"

"وہ ذہنی طور پر ابھی ناپختہ ہے۔"

کومل اس کی بات قطع کرتے ہوئے جلدی سے بہن کی صفائی میں بولی۔

"بچوں کی طرح وہ اب بھی بات بات پر روٹھ جاتی ہے، ہو سکتا ہے تم نے نادانستگی
میں کوئی ایسی بات کہہ دی ہو۔"

"مجھے تو کوئی ایسی بات یاد نہیں۔ ہاں کہیں وہ اس وجہ سے ناراض تو نہیں کہ کل ہم اسے ساتھ لیے بغیر ہی سیر کو چلے گئے تھے۔؟"

عدیل متفکر سا ہو کر پوچھ رہا تھا۔ کومل اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے جلدی سے بولی۔

"نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کل جب ہم گئے تھے تو وہ یہاں نہیں تھی۔"

عدیل کو تو یہ کہہ کر اس نے ٹال دیا مگر معاً اسے یاد آیا۔ رات جب وہ ساڑھے نو کے قریب واپس پہنچے تھے تو عدیل باہر ہی اسے اتار کر خود اپنے گھر چلا گیا تھا۔

کومل اوپر آئی تو دیکھا فریحہ ڈرامے سے واپس آچکی تھی۔ اسی وقت بالکنی سے کمرے کے اندر داخل ہوئی تھی۔

شاید عدیل کو اور اسے اکٹھے آتے دیکھ لیا تھا۔ موڈ بڑا خراب ہو رہا تھا۔

کومل نے ہمیشہ کی سی سادگی اور خلوص سے ڈرامے کے متعلق اس سے پوچھا تو وہ سیدھے منہ بات کیے بغیر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

شاید فری کو ان دونوں کا اکٹھے جانا کچھ اچھا نہیں لگا تھا لمحہ بھر کے لیے اس وقت بھی کومل کو یہ خیال آیا تھا۔

مگر۔ اپنی صاف دلی کی وجہ سے وہ اپنے اس خیال کو زیادہ دیر کے لیے دل میں جگہ نہ دے سکی۔

"کیا سوچ رہی ہیں۔؟"

عدیل کی نگاہیں غور و فکر میں ڈوبے اس کے خوبصورت چہرے پر گڑی تھیں۔

"نہیں۔ کچھ نہیں۔"

کوئی ایسا اچھا خیال نہیں تھا کہ وہ عدیل پر بھی ظاہر کر دیتی۔

وہ کیا سوچے گا۔؟ کہ کیسی پست ذہنیت تھی فریحہ کی۔!

اور۔ فریحہ اس کی حقیقی اور بے حد پیاری بہن تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے مزاج یا طبیعت کی کوئی خامی کسی اور پر کھُلے۔

"ارے ہاں باجی! میں جس لیے یہاں آیا تھا وہ تو بھول ہی چلا تھا۔"

"کیا۔؟"

"آج آپ میرے ساتھ میرے گھر چل رہی ہیں۔"

"لیکن۔۔۔"

"دیکھیے دیکھیے۔ آپ انکار کرنے کی کوشش نہ کیجیے گا۔ میں آج آپ کو اپنے گھر لے جانے کا پکا ارادہ کر کے آیا ہوں۔ میری مردانگی کو بھی چیلنج نہ کیجیے گا ورنہ اٹھا کر بھی لے جاؤں گا۔"

"کچھ سوچو تو فری بھی اپنی سہیلی کے گھر گئی ہوئی ہے۔ امی اکیلی رہ۔۔۔"

"اب کونسی آپ امی کو کمپنی دے رہی ہیں۔"

اس کا کوئی بھی عذر سننے کو گویا وہ تیار نہ تھا۔

"دیکھیے نا یہ کہاں کی شرافت ہے کہ میں یہاں روز بلا ناغہ آتا ہوں اور آپ کو ابھی تک میرے گھر کا بھی پتہ نہیں۔" اٹھ جائیے خود ہی۔ ورنہ اٹھانے لگا ہوں آپ کو۔"

وہ اتنا ہی زبردست تھا۔ جو بات من میں آجاتی کر کے ہی چھوڑتا۔

اس کی دھمکی سنتے ہی کومل پیش بندی کے طور پر خود ہی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"کمال ہے۔ ہمارے گھر کبھی چلتی نہیں اور میں روز آتا ہوں۔ پتہ نہیں کیا ہوں۔ پاگل ہوں۔ سرپھرا ہوں۔ ندیدہ ہوں۔"

وہ بڑبڑاتے جا رہا تھا۔

"دیکھو عدیل! اب زیادتی نہ کرتے جاؤ۔ یاد کرو۔ تم نے آج تک کبھی مجھے اپنے گھر چلنے کے لیے کہا بھی ہے۔؟"

اس کی بڑبڑاہٹ کا جواب کومل نے شکایت سے دیا۔

"اچھا۔" عدیل نے یکدم حیران ہوتے ہوئے کومل کی آنکھوں میں بغور دیکھا۔

"تو آپ گویا ابھی اسی منزل پر ہیں کہ جب تک میں دعوت نہ دوں۔ آپ جائیں گی ہی نہیں۔ بخدا اگر آپ کی جگہ میں ہوتا اور آپ میری جگہ تو میں آپ کے کان کھینچتا کہ تم ابھی تک مجھے اپنے گھر لے کر کیوں نہیں گئے۔"

"زبان سنبھال کر بات کرو۔ تم سے پورے پانچ سال بڑی ہوں۔"

کومل نے بڑے رعب سے کہا۔

اور وہ۔ جب بھی اپنے بڑے پن کا اظہار کرتی تو عدیل کی حالت متغیر سی ہو جایا کرتی تھی۔

"لیجیے۔" وہ ذرا خفیف سا ہو گیا۔

"اس میں گستاخی کی کون سی بات ہے۔ پہلے آپ کو اپنی جگہ پر رکھا تو تب کہیں آپ کے کان کھینچنے کا خیال دل میں لا سکا تھا۔ سمجھے میں نے اپنے ہی کان کھینچے ہیں۔"

پھر وہ چہک پڑا۔

"ارے! آپ مجھے باتوں میں لگا کر وقت ٹالنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ تیار ہو جائیے نا جلدی سے۔"

"ضد کے بہت پکے ہو۔"

کومل پیار سے اسے دیکھتے ہوئے تیار ہونے چلی گئی۔

"اوہو۔! بڑا پیارا گھر ہے تمہارا۔"

کومل نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے اردگرد نگاہ دوڑائی۔

"اجی یہ تو صرف آپ کا حسنِ نظر ہے۔"

عدیل جھکتے ہوئے بولا۔

"ورنہ ہم کیا اور ہماری ہستی کیا۔؟"

"یہ لکھنوی انداز تم نے کہاں سے سیکھے۔؟"

"بس ہے کسی کی پیاری سی صحبت کا اعجاز۔ کس کی۔؟ یہ پھر بتاؤں گا پہلے میں امی کو بلا لاؤں۔"

وفورِ مسرت سے گویا اس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔

"آپ یہاں تشریف رکھیے۔ نہیں یہاں۔ میرا خیال ہے یہ جگہ ٹھیک رہے گی۔"

کومل کو گھر کیا لے آیا تھا جیسے کوئی راجہ مہاراجہ اس کے گھر آپدھارے تھے۔ جیسے اس کے پیر و مرشد نے صرف اسے ہی یہ عزت بخشی تھی۔ وہ بوکھلایا جا رہا تھا۔

"میں اپنے لیے جگہ کا انتخاب خود ہی کر لوں گی۔ تم جا کر امی کو تو بلاؤ۔"

کومل مسکرا دی۔

"پگلا۔!"

کمرے میں لگی خوبصورت پینٹنگز ہی ابھی وہ دیکھ رہی تھی کہ عدیل امی کو لے کر آگیا۔

"امی! یہ ہے میری باجی۔ اور باجی! جیسا کہ صاف ظاہر ہے یہ میری امی ہیں۔"

اس نے تعارف کرایا۔

"پسند آئیں آپ کو۔؟"

"شریر!"

امی نے پیار سے اسے چپت لگائی۔

"ماں کو بھی مذاق کرنے سے نہیں چوکتا۔ اور بیٹی!"

پھر وہ کومل سے مخاطب ہوئیں۔

"تم ابھی تک کھڑی ہو۔ آؤ بیٹھو۔ یہاں میرے پاس۔"

امی نے اسے اپنے پاس ہی صوفے پر بٹھا لیا۔ عدیل نیچے قالین پر دونوں کے قدموں میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

"مجھے تم سے ملنے کا بہت ہی اشتیاق تھا۔ عدیل کی زبان پر ہر وقت تمہارا ہی ذکر رہتا ہے بیٹی۔ آخر میں نے کہا کہ مجھے بھی کسی دن اپنی باجی سے ملاؤ۔"

"جی ہاں امّی۔ بس میں ذرا کم ہی کہیں آیا جایا کرتی ہوں۔"

"زہے نصیب کہ تم نے ہمارے گھر کو رونق بخشی۔"

امّی بڑے پیار سے اس نازک سی اسندر سی لڑکی کو دیکھ رہی تھیں۔

"تم بیٹھو۔ میں ذرا خانساماں کو چائے وغیرہ کا کہہ آؤں۔"

"جی نہیں امّی۔ شکریہ۔ آپ تکلف نہ کریں۔ مجھے ذرا جلدی جانا ہے۔"

"نہیں امی۔" عدیل بیچ میں ہی بول پڑا۔

"باجی غلط کہہ رہی ہیں۔ حالانکہ یہ راستے میں مجھے تاکید کرتی آئی تھیں کہ انہیں چائے بھی پلاؤں اور ساتھ بہت ساری چیزیں بھی کھلاؤں۔ اور انہیں واپس جانے کی بھی کوئی جلدی نہیں۔ مجھے کہہ رہی تھیں کہ جتنی دیر چاہے بٹھائے رکھنا۔"

"توبہ توبہ عدیل! تم سا جھوٹا تو زمانے میں کوئی نہ ہوگا۔"

کومل محجوب سی ہو کر کبھی اس کی طرف اور کبھی امّی کی طرف دیکھنے لگی۔

"بیٹی! یہ ہے ہی بڑا گپ باز۔" امّی اٹھ پڑیں۔

"بس میں ابھی آئی۔ ایک منٹ میں۔"

وہ کمرے سے باہر نکلیں تو عدیل نے جھٹ کومل کے پاؤں پر دونوں ہاتھ رکھ دیئے۔

"آپ ناراض ہو گئیں۔؟"

"امّی کیا سوچتی ہوں گی۔؟"

کومل نے پاؤں پرے کھینچنا چاہے۔ عدیل نے گرفت مضبوط کر دی۔

"معاف کر دیجیے۔ میں تو آپ کے وجود سے اپنے گھر کو بہت ڈھیر سارے وقت کے لیے مہکانا چاہتا تھا۔"

"کیا بک رہے ہو۔؟"

"وہ۔ میرا مطلب ہے۔" عدیل مسکرا اُٹھا۔ پھر شکایت بھرے لہجے میں بولا۔

"میں آپ کو بہت ڈھیر سارا وقت یہاں بٹھانا چاہتا تھا۔ آپ نے بھلا چائے سے انکار کیوں کر دیا۔؟"

"تو پھر انسانوں کی طرح کہنا تھا نا۔ چھوڑو اب میرے پاؤں۔ جانے تمہارا بچپن کب جائے گا۔؟"

"آپ مجھے ہر وقت بچہ ہونے کا طعنہ نہ دیا کریں۔"

وہ یکدم تلخ ہو پڑا۔

"آئیے نا ذرا ناپ کر دیکھ لیتے ہیں۔ کون بڑا ہے اور کون چھوٹا۔!"

"اور تم بھی ہر وقت اپنے قد کا رعب نہ مجھ پر ڈالا کرو۔"

"تو پھر لائیے ہاتھ معاہدہ کریں۔۔۔"

اور جانے وہ کون سا معاہدہ اس کے ساتھ کرنے جا رہا تھا کہ امّی چائے کا کہہ کر واپس آ گئیں۔

چائے کے ساتھ امّی نے بہت ڈھیر ساری چیزیں منگوالی تھیں۔ کومل نے اتنا تکلف کرنے کا گلہ کیا تو امّی نے بتایا کہ یہ سب تو عدیل کی خوشی تھی۔

اسے لے کر آنے سے پہلے وہ خود سب کچھ بازار سے لے کر آیا تھا۔ حالانکہ
امّی نے جب کبھی کوئی سودا یا ضروری چیز بازار سے لانے کو کہا تو ہزار عذر تراش
دیا کرتا تھا۔

پھر جس جس طرح اور جس جس انداز میں وہ کومل کا ذکر ہر وقت کرتا رہتا تھا
امّی اسے وہ بتانے لگیں۔

ساتھ ساتھ چائے چلتی رہی۔ عدیل ہی بنا بنا کر دیتا رہا۔ اصرار کر کر کے،
انتہائی زبردستی اس نے ڈھیر ساری چیزیں بھی اسے کھلا دیں۔ عجیب پاگل سا
لڑکا تھا۔ مگر انتہائی دلچسپ۔!!

اس کے علاوہ گھر کی اِدھر اُدھر کی بہت ساری باتیں امّی اور وہ کرتی
رہیں۔ بیچ بیچ میں عدیل لقمے دینے سے باز نہیں آتا تھا۔ کبھی کوئی مذاق کی بات
کر دیتا۔ کبھی کوئی ہنسی کا پٹاخہ چھوڑ دیتا۔

امّی کے انداز سے لگتا تھا کہ کومل کی سحرکار شخصیت کے مقناطیس نے انہیں
بھی اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔

ہر موضوع پر وہ اس وضاحت سے اور اس انداز سے بات کر رہی تھی
کہ دوسرے کو اس کے سامنے اپنا آپ خود بخود ہی کم تر محسوس ہونے لگتا تھا۔
سیاست کے متعلق، اخلاقیات کے متعلق، فلسفہ اور حدیث کے متعلق
اور سب سے زیادہ مذہب کے متعلق۔ ہر موضوع پر گویا اسے عبور حاصل تھا۔

امّی حیران ہوئی جا رہی تھیں کہ اس ناپختہ عمر میں وہ اتنے پختہ ذہن اور
خیالات کی مالک تھی۔

عدیل مسکرا مسکرا کر اور بڑے تفاخر سے امّی کو دیکھ رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو۔
"میں باجی کی غلط تعریفیں تو نہیں کیا کرتا تھا۔ دیکھ لیجیے۔ میری باجی
ایسی ہی اعلیٰ اور عظیم ہیں۔"

آج امّی سے ہر موضوع پر جس فصاحت اور بلاغت سے اس کی گفتگو
ہوئی تھی اس نے اسے مزید مرعوب کر دیا۔ اس کے خیالات کی وسعت کا تو اسے
صحیح طرح آج اندازہ ہوا تھا۔ اور وہ۔ وہ تو پہلے ہی اس سے بہت متاثر
تھا۔

اور پھر شام ڈھلے جب عدیل اسے واپس گھر چھوڑنے جا رہا تھا تو اسے
اپنی زبان پر قابو ہی نہ رہا۔

"باجی! آپ کتنی عظیم ہیں۔ کتنی بلند اور عام انسانوں سے کتنی مختلف۔
لگتا ہے آپ کسی اور دنیا کی رہنے والی ہیں۔ اس دنیا کے لیے تو جیسے بنی ہی
نہیں۔ آپ کی دنیا کے لوگ اس کرۂ ارض کے باسیوں سے بہت بلند ہیں۔
ہر لحاظ سے، ہر پہلو سے۔ جن کی زندگی کی قدریں دولت اور شہرت جیسی حقیر
چیزوں کی بنیاد پر قائم نہیں کی گئیں۔"

دونوں نے پیدل ہی واپس جانے کا ارادہ کیا تھا۔ عدیل ساتھ ساتھ بولے
جا رہا تھا اور کومل چپ چاپ صرف مسکرا رہی تھی۔

"باجی! آپ نے کبھی راج ہنس کو تیرتے دیکھا ہے۔ کیسے اپنی ہی شان میں
مست گرد و پیش سے بے نیاز تیرتا رہتا ہے۔ اس کی ہر حرکت میں ایک خاص
ادا ہوتی ہے۔ ایک انوکھی شان۔ جس کا کوئی مثل نہیں۔

کچھ ایسی ہی آپ کی ہستی ہے باجی ۔! اور عام انسان، آپ کے مقابلے میں
ان چھوٹے چھوٹے پرندوں کی مانند ہیں جو کیچڑ ہی میں اچھل کود کر خوش ہو جاتے
ہیں ۔ ہم جیسے انسان ۔!"

کومل نے کچھ کہنا چاہا ۔ اسے خاموش کرانا چاہا کہ اتنی زیادہ تعریف اسے
پریشان کیے دے رہی تھی ۔ مگر عدیل نے کچھ سنا ہی نہیں ۔

"باجی ! آپ اس بلند و بالا درخت کی مانند ہیں جس کی چوٹی آسمانوں کو چھوتی
ہے ۔ بادلوں میں پوشیدہ ہے ۔ جیسے بڑے سے بڑا طوفان بھی ہلا نہیں سکتا ۔
اس کی بلندی اور قامت میں جو شان ہے وہ کسی اور میں نہیں ۔ اس کا حسن
بے مثال ہے اور اس کا جمال لازوال ۔!"

"عدیل سنو تو ۔ توبہ توبہ ۔ منہ میں زبان ہے یا قینچی ۔!"

مگر وہ اپنی ہی کہے جا رہا تھا ۔

"ہزاروں مسافر اس کی چھاؤں میں آرام کرتے ہیں ۔ اور میں ۔ میں آپ
کے خوشہ چینوں میں سے ایک ہوں ۔ میں آپ سے زندگی کے درس لوں گا ۔
کہ آپ بہت عظیم ہیں اور بہت بلند ۔"

بڑی عقیدت تھی اس کے الفاظ میں اور اس سے زیادہ اس کی نگاہوں
میں ۔ "خدا اور رسولؐ کے بعد میں آپ ہی کی عظمت کا قائل ہوں ۔ گو اگر کوئی
مجھ سے پوچھے کہ میں نے آپ میں کیا کیا خوبیاں دیکھی ہیں تو شاید مجھے کوئی جواب
بن نہ پڑے ۔ آپ کو بیان کرنے کے لیے ابھی الفاظ نہیں بنائے گئے ۔ مگر پھر بھی
آپ میں بہت کچھ ہے ۔ میری فہم سے بھی بالاتر ۔ کیا میں کبھی صحیح طرح آپ کی

عظمت کا اندازہ کر سکوں گا ۔! کیا میں کبھی آپ کو سمجھ پاؤں گا ۔ شاید کبھی نہیں ۔
کبھی بھی نہیں ۔"

وہ جیسے اپنے ہوش میں نہ تھا ۔ ایک ٹک کومل کو دیکھے جا رہا تھا اور بولے
جا رہا تھا ۔

"باجی ! کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ اگر میں آپ سے نہ ملا ہوتا تو میری زندگی
کیا ہوتی ۔؟ اس خیال سے بھی میں کانپ اٹھتا ہوں ۔ باجی ! جس طرح چاند اپنے
نور کے لیے سورج کا مرہونِ منت ہے بالکل اسی طرح آپ کے خیالات نے
میری زندگی، میرے ذہن کو منور کر دیا ہے ۔ اگر میں آپ سے کبھی نہ ملتا تو میری
زندگی کس قدر بے معنی، کھوکھلی اور تاریک ہوتی ۔ اس کا اندازہ مجھے اب ہوا ہے
باجی ! اگر میں کبھی آپ کی عظمت کا اندازہ کر پایا تو شاید میں آپ کو سجدہ کرنے
پر مجبور ہو جاؤں ۔"

"توبہ توبہ عدیل ! کفر مت بکو ۔"

کومل نے گھبرا کر اس کے منہ پر اپنا نازک سا ہاتھ رکھ دیا ۔ یہ سوچے سمجھے بنا کہ
وہ چلتی سڑک پر تھے ۔

"تم تو اپنے ساتھ مجھے بھی گناہ گار کر رہے ہو ۔"

"توبہ نعوذ باللہ ۔ ! آپ کو کیسے گناہ گار کر سکتا ہوں ۔"

"تو اور کیا ۔ میں خدا کا ایک معمولی سا انسان ہوں ۔ اور تم نے مجھے جانے
کیا بنا دیا ۔"

"میں نے نہیں بنایا میری باجی ! صرف آپ جو کچھ ہیں اس کی تعریف کر رہا

ہوں۔ اور خدا کی تخلیق کی سچے دل سے تعریف کرنا بھی اک عبادت ہے۔"

"تو گویا تمہاری عبادت ہو رہی تھی۔"

کومل زور سے ہنس دی۔

"ایسا ہی سمجھ لیجیے۔"

"تو پھر پہلے نماز پڑھنا شروع کرو۔"

"آپ کا حکم۔؟"

"نہیں۔ خدا کا فرمان۔ میری صرف نصیحت۔!"

"مرحمت ہے۔ دعا کیجیے گا میرے لیے۔"

اور اس نے انتہائی خلوص و احترام سے کومل کے ہاتھ تھام لیے۔

"بیعت کرتا ہوں آپ کے ہاتھ پر۔!"

اس نے گویا عقیدت کے اظہار کے طور پر انہیں چوم کر آنکھوں سے لگا لیا۔

"شریر۔!"

کومل زور سے ہنس دی۔

"ویسے باتیں بنانے میں تمہیں کمال حاصل ہے۔"

"ذرہ نوازی ہے۔" عدیل شوخی سے جھکا۔

"لو گھر بھی آگیا۔"

"اتنی جلد۔؟"

"میری ٹانگیں تھکن سے چور چور ہیں اور تم کہتے ہو کہ اتنی جلد۔!"

"آخر ہیں نا نازک سی لڑکی۔ اتنے سے ہی تھک گئیں۔ اور مجھے دیکھیے۔

بغیر تکان محسوس کیے اس سے کئی گنا زیادہ فاصلہ اور طے کر سکتا ہوں۔"

"تو پھر مجھے تو یہاں چھوڑو اور خود اپنے اور میرے گھر کے دو تین چکر لگاؤ۔ دیکھتے ہیں۔ تھکتے ہو یا نہیں۔؟"

"اکیلا تو شاید اب چند گز بھی نہ چل سکوں۔ یہ تو صرف آپ کی ہم سفری کی برکت ہے۔ ساتھ چلنے کا وعدہ کریں۔ دس چکر لگا کر دکھا دوں۔"

"میں پاگل ہوئی ہوں کیا۔؟ اور ویسے بھی مجھے صرف انہیں ٹانگوں پر پوری زندگی بسر کرنا ہے۔ ابھی توڑ تاڑ کر بیٹھ گئی تو باقی عمر کیا کروں گی۔؟"

"میں جو آپ کا عدیل خدمت کو حاضر ہوں۔ نہ کندھوں پر ساری عمر اٹھائے اٹھائے پھروں تو میرا نام بدل دیجیے گا۔"

"توبہ توبہ عدیل! کچھ تو خدا کا خوف کرو۔ یہ تم میرے ایسے ہی خیر خواہ ہو میرے لیے ایسی دعائیں کرتے ہو۔"

"وہ تو باجی! اپنے خلوص کا اظہار کر رہا تھا۔"

عدیل شوخی سے مسکرایا۔

"شکریہ۔!"

کومل بڑبڑائی۔

"اور خدا حافظ۔!"

وہ کوٹھی کے صدر دروازے کے اندر داخل ہو گئے تھے۔ کومل نے اسے کندھوں سے پکڑ کر اس کا رخ واپس سڑک کی طرف پھیر دیا۔

"بے حد باتونی ہو۔ اور مجھ میں تمہاری مزید بک بک سننے کی اب ہمت

نہیں ہے۔ چلو بھاگ جاؤ۔"

"گھر سے نکال رہی ہیں۔؟"

"ہاں۔ خدا حافظ۔!"

اسے باہر کی طرف دھکیل کر کومل خود کوٹھی کی طرف پلٹ گئی۔

عدیل مختلف پیکٹوں اور لفافوں سے لدا پھندا اس کے کمرے میں داخل ہوا۔

"لیجیے۔ یہ رہیں آپ کی چیزیں۔"

اس نے کومل کے پاس مسہری پر ہی سب کچھ پٹخ دیا اور خود نیچے قالین پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"بخدا تین گھنٹے تک اس دھوپ میں مارا مارا پھرا ہوں۔ تب کہیں جاکر پوری چیزیں ملی ہیں۔"

پھر ہاتھ بڑھا بڑھا کر ایک ایک پیکٹ اٹھانے لگا۔

"یہ رہیں آپ کی کتابیں۔ دیکھ لیجیے تینوں ہی ہیں نا۔؟ یہ رہا آپ کا کپڑا۔ اور یہ ہے۔۔۔؟"

جب سے آیا تھا کومل خاموش تھی۔ اس نے بات ادھوری چھوڑتے ہوئے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

کومل کے خوبصورت چہرے پر سدا کھیلنے والی مسکراہٹوں کے بجائے گھمبیر سی خاموشی مسلط تھی۔

"باجی! باجی کیا بات ہے۔؟ آپ تو بالکل گم سُم بیٹھی ہیں۔"

وہ تب بھی خاموش رہی تو عدیل شرارت سے بولا۔

"یہ میری بلبل ہزار داستان آج خاموش کیوں ہے۔ ارے ارے۔!"

اس نے اسے ہنسانے کی کوشش کی۔

"آمد تو نہیں ہو رہی۔؟ آپ تو واقعی بڑے سنجیدہ موڈ میں ہیں۔"

اور اب۔ اس کی بے قراری، اس کا خلوص دیکھ کر کومل کو مسکرانا ہی پڑا۔

"نہیں۔ بات تو کچھ نہیں۔ لاؤ میری ساری چیزیں کھول کھول کر دکھاؤ۔"

وہ مسکراہٹ جو کومل کے چہرے پر بکھری تھی۔ بالکل مصنوعی اور اوپری سی تھی۔ اتنی۔ کہ عدیل کو بخوبی اندازہ ہو گیا۔

وہ جو پچھلے کئی مہینوں سے روز ہی اس کے پاس کئی کئی گھنٹے گزارا رہا تھا۔

اسے کیا اب تک اس کے مزاج اور انداز کا بھی علم نہ ہو سکا تھا۔؟

"اجی میں کہتا ہوں آگ لگائیے ان چیزوں کو۔"

وہ یکدم جھنجھلا گیا۔

"مجھے یہ بتائیے کیا بات ہوئی ہے؟"

پھر اس کی طرف جھک کر ہولے سے بولا۔

"کہیں فری سے کوئی جھگڑا وگڑا تو نہیں ہو گیا۔"

"لو۔ میں کوئی جھگڑالو ہوں جو جھگڑے کرتی پھروں گی۔"

"تو پھر ہوا کیا ہے۔؟"

وہ تیزی سے اور انتہائی بے قراری سے بولا۔

"کچھ کھو گیا ہے۔ کوئی نقصان ہو گیا ہے۔؟ ارے کچھ بولیے تو سہی۔ کیوں میرے صبر کا امتحان لے رہی ہیں۔؟"

"اچھا اچھا بھئی بتاتی ہوں۔ تم تو مجھ سے لڑنے ہی لگے۔"

"تو پھر بولیے نا۔ میری پریشانی کا آپ کو احساس ہی نہیں کچھ۔ جیسے میں انسان نہیں ہوں۔"

بڑبڑاتے ہوئے اس نے جیب سے سگریٹ نکالا اور بڑے مزے سے سلگا کر کش پہ کش لگانے لگا۔

کومل متعجب ہو اٹھی۔

"عدیل! یہ تم نے سگریٹ پینا کب سے شروع کیے ہیں۔ پہلے تو میں نے تمہیں"

"اوہ باجی! معاف کرنا۔"

عدیل گھبرا کر جلدی سے بول پڑا۔

"میں پیتا تو کافی عرصہ سے ہوں۔ بس ذرا آپ کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کے سامنے کبھی یہ جرأت نہ کر سکا۔ اور اس وقت گھبراہٹ اور پریشانی میں خیال ہی نہ رہا۔"

پھر ذرا دلیری سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"لیکن خدارا مجھے کبھی یہ نہ کہیے گا کہ عدیل اتنے سگریٹ نہ پیا کرو۔ کہ میں ایک معمولی سا حقیر سا انسان ہوں اور ایسا نہ ہو آپ کی عظمت کے سامنے سرکشی کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔ پھر مجھے بھی دکھ ہوگا۔ خیر چھوڑیئے اس ذکر کو اور مجھے بتائیے کہ آج آپ پریشان کیوں ہیں۔؟"

"بات یوں ہے کہ۔ ہائے اللہ! میں تمہیں کیسے بتاؤں۔ تم فری سے پوچھ لینا۔"

"ارے ارے! آپ تو آج ماشاء اللہ باقاعدہ اور بے حد پیارے انداز میں شرما رہی ہیں۔ ایمان سے آپ کو اس انداز میں شرماتا دیکھنے کی دل میں بڑی حسرت تھی۔ اپنی تعریف سن کر تو آپ اکثر شرمایا ہی کرتی تھیں مگر یہ۔ یہ انداز۔ یہ تو کچھ اور ہی بتا رہے ہیں۔"

کومل شرمائی جا رہی تھی اور عدیل جھک جھک کر اور گھور گھور کر اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"بالکل دلہنوں کی طرح شرما رہی ہیں۔ یہ جھکی جھکی نگاہیں۔ یہ لرزتی ہوئی لمبی لمبی پلکیں، کشمیر کے سیبوں کی طرح سرخ چہرہ۔! کہیں خدانخواستہ آپ کی شادی کی بات چیت تو نہیں ہو رہی۔؟"

کومل نے شرما کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا۔

"تو میرا اندازہ ٹھیک ہی نکلا نا۔ یعنی کہ میں خاصا عقل مند ہوں۔ آپ نے تو نجانے کیوں ہمیشہ مجھے بے وقوف ہی سمجھا۔"

وہ اسی طرح چہرہ چھپائے بیٹھی رہی اور عدیل معمول کی طرح زبان چلاتا گیا۔

"اچھا یہ بتائیے کہ یہ مبارک دن آئے گا کب۔؟ کوئی تیاری کروں۔؟ سوٹ بوٹ بنواؤں۔؟ ہائے! کیا کیا کروں۔ مجھے تو جلدی میں کچھ سوجھائی نہیں دے رہا۔"

"دیکھو بھئی عدیل! مجھے ایسے مذاق بالکل پسند نہیں۔"

وہ اسی طرح چھپے چھپے چہرے سے بولی۔

"تو پھر آپ کو کیسے مذاق پسند ہیں۔؟"

عدیل نے بڑھ کر اس کے ہاتھ چہرے سے ہٹانے کی کوشش کی۔

اتنی اچھی، اتنی پیاری لگ رہی تھی۔ وہ اسے مزید ستانے سے باز نہ رہ سکا۔

"یہ تو بتائیے کہ وہ ظالم ہے کون جو میری پیاری پیاری باجی کو دلہن بنا کر مجھ سے دور لے جائے گا۔ یعنی وہ خوش قسمت کون ہے جسے آپ جیسا ہم سفر ملے گا۔"

کومل پھر اداس سی اور چپ سی ہو گئی۔ چہرے پر سے حیا کے رنگ سمٹ کر ان کی جگہ افسردگی کی لہریں پھیل گئیں۔

"باجی! مجھ سے بھی چھپائیے گا۔ میں۔ جو آپ کا عدیل ہوں۔ آپ کا دوست!"

اس کے انداز میں بھرپور خلوص کے ساتھ ہلکا سا شکوہ بھی تھا۔!

کومل چونک اٹھی۔ عدیل تو واقعی اس کا دوست تھا۔ پھر وہ ایک نامحرم مرد کی طرح شادی کے موضوع پر اس سے شرما کیوں رہی تھی۔؟

آنکھوں میں بے پناہ اپنائیت اور ہونٹوں پر خلوص لیے وہ اس سے

مخاطب تھا اور اس کے لیے پریشان ہو رہا تھا۔ بڑی خراب تھی وہ جسے اس
کے جذبات واحساسات کا اندازہ نہ تھا۔

"ابا کے ایک دوست کے بیٹے ہیں۔ ڈاکٹر ہیں۔"

اور اب اس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بلا جھجک بتا دیا۔

"آپ ان سے مل چکی ہیں۔؟"

عدیل بھی اب سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"ہاں۔ ایک دو بار سرسری سی ملاقات ہو چکی ہے۔"

"کیسے ہیں۔؟"

وہ اتنی اُداس اتنی خاموش سی تھی۔ عدیل نے اس کی وجہ یہی سمجھی کہ وہ
کوئی اچھا انسان نہ ہو گا۔!

"کیا مطلب۔"

"میرا مطلب ہے کہ کیسے انسان ہیں۔؟"

اس نے جھجکتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کر دیا۔

"آپ پریشان جو ہیں۔!"

"پتہ نہیں کیوں پریشان ہوں۔ وہ کسی لحاظ سے بھی بُرے نہیں۔"

اب وہ عدیل سے اسی طرح کھل کر بات کر رہی تھی جیسے اپنی کسی سہیلی
کے ساتھ۔

"اچھا خاصا قبول صُورت انسان ہے وہ۔ ڈیڑھ دو ہزار کی ماہانہ پریکٹس
ہے۔ زمینیں جائداد بھی ہے۔ طبیعت اور مزاج بھی شگفتہ ہے۔ گویا بظاہر ہر

لحاظ سے ناقابل انکار ہے۔"

"مگر آپ کو پسند نہیں۔ ٹھیک ہے نا۔؟"

اس نے گویا کومل کے دل کی بات بوجھ لی۔ وہ خاموشی سے اسے تکنے لگی۔
خالی خالی نگاہوں سے۔

"اچھا یہ بتائیے پھر آپ نے فیصلہ کیا کیا ہے۔؟"

"ابھی تو مَیں نے کچھ بھی جواب نہیں دیا۔ فقط یہ کہا ہے کہ دو چار روز ٹھہر
جائیے۔ سوچ لوں۔"

"کس سے کہا ہے۔؟ کس نے آپ سے جواب مانگا ہے۔؟ کس طرح یہ
رشتہ آیا ہے۔؟ مجھے ذرا تفصیل سے سب کچھ بتائیے نا۔ آپ تو مجھے شاید
اپنا سمجھتی ہی نہیں۔ ورنہ میرے پوچھے بغیر ہی اپنے آپ سب کچھ بتا دیتیں۔"

وہ بچوں ہی کے انداز میں شکوہ کرتے ہوئے منہ پھلا بیٹھا۔

"نہیں عدیل! ناراض مت ہو۔ آؤ تمہیں ساری بات تفصیل سے
سناؤں۔"

وہ مسہری سے اٹھ کر نیچے اس کے پاس ہی قالین پر ہو بیٹھی۔

"ہوا یوں کہ آج صبح فری یونیورسٹی چلی گئی، ابا دفتر تو امی نے مجھے بلا
بھیجا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کیا بات ہو سکتی ہے۔ مَیں چلی گئی۔"

"ہاں ہاں کہتی جائیے۔ مابدولت سُن رہے ہیں۔"

یوں جیسے وہ کوئی بہت بڑا منصف تھا اور پوری بات سننے کے بعد
ابھی ابھی انصاف بھرا فیصلہ سنا دے گا۔

کومل کو ہنسی آگئی۔ مگر دوسرے ہی لمحے اندر کی سوچوں نے اس کی ہنسی کو توڑ دیا۔

"اور جب مجھے پتہ چلا کہ امّی نے اس لیے بلایا ہے تو۔ تو پہلے تو یکدم میں پریشان ہوئی۔"

"کیوں۔؟ پریشان کیوں۔؟؟"

"پتہ نہیں کیوں۔ بس شادی کرنے کو ابھی میرا دل نہیں چاہتا۔"

"آخر کیوں۔؟ کیا کبھی بھی۔۔۔"

"نہیں نہیں۔ یہ تو قدرت کا قانون ہے۔ خدا کا حکم ہے۔ اس کے بغیر تو انسانیت ہی مکمل نہیں ہوتی۔"

"پھر ہاں کر دیجیے۔"

"لیکن ہاں بھی نہیں۔ کہ مجھے یوں لگتا ہے جیسے میری زندگی کی موت ہو جائے گی۔ میری آرزوؤں، میری حسرتوں کی موت ہو جائے گی۔ ابھی نہیں۔ ابھی نہیں۔ دو چار سال بعد شادی دیکھی جائے گی۔"

وہ اپنے خیالات میں گم ہوتے ہوئے بڑبڑانے کے انداز میں بولنے لگی۔

"اور امّی کے جواب میں میں نے ٹال جانے کی کوشش کی تو امّی مجھ سے ناراض ہونے لگیں۔ پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ جانتے ہو انہوں نے کیا کیا کہا۔؟"

"کیا۔؟" عدیل سیدھا اور ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھ گیا۔

"کب تک یونہی بیٹھی رہو گی۔؟ اسی طرح بوڑھی ہو جاؤ گی تو کوئی منہ نہ

لگائے گا۔ ہماری پیشانیوں پہ کالک لگے گی۔"

اتنے عرصے میں پہلی بار اس نے کومل کی آنکھوں میں موتی چمکتے دیکھے۔

"پھر وہ مجھے سمجھانے لگیں کہ لوگ کیا کہیں گے۔ جوان بیٹی کو گھر میں بٹھا رکھا ہے۔ نجانے کیا بات ہے۔؟ اور عدیل! کہتی بھی تو وہ سچ ہیں کون کسی کی زبان پکڑ سکتا ہے۔ جہاں تک میرا اپنا تعلق ہے۔"

اس نے ایک بھی موتی ٹپکنے نہیں دیا۔ جانے کیسے اندر ہی اندر ساری نمی جذب کر لی۔

"مجھے لوگوں کی باتوں کی رتی بھر پرواہ نہیں کیونکہ سکینڈل بنانا تو ہر کسی کا مشغلہ ہوتا ہے۔ مجھے تو صرف یہ احساس چین نہیں لینے دیتا کہ میرے والدین کو میری وجہ سے لوگوں کی باتیں سننا پڑتی ہیں۔"

کومل نے تھوڑا سا توقف کیا۔ پھر ایک گہرا سانس لے کر کہنے لگی۔

"امّی مجھے بڑی دیر سمجھاتی رہیں کہ لڑکا بڑا اچھا ہے۔ اچھے خاندان سے ہے۔ دیکھا بھالا ہے۔ یہ موقع گنوانا نہیں چاہیے۔ اور بات بھی ٹھیک ہے عدیل! اگر دنیا والوں کی نگاہ سے دیکھا جائے تو وہ ہزاروں میں ایک ہے مگر۔ مگر۔ نجانے کیوں۔؟ میرا دل نہیں مانتا۔ یہ وہ نہیں۔ یہ وہ نہیں۔ لڑکے کی وجاہت، اچھا خاندان، دولت مندی وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب صفات بڑی عام سی ہیں۔ میں ذہنی بلندی۔۔۔ اوہ۔! کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔"

اس نے پریشان ہوتے ہوئے دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھام لیا۔ عدیل حیران سا اور قدرے پریشان سا اسے تکے جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کومل خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

"فی الحال تو میں نے امّی سے کہہ دیا ہے کہ تین دن کی مہلت دیں۔ میں سوچ لوں۔ مگر۔ تین دن کے بعد۔ یہ طوفان پھر آئے گا۔ مجھے لگتا ہے میری بات کسی نے ماننا نہیں۔ ہائے! میں کیا کروں۔؟ مجھے کوئی راستہ دکھاؤ عدیل! مجھے کوئی مشورہ دو۔"

"باجی! میں اس معاملے میں بالکل ناتجربہ کار ہوں۔ میں کیا مشورہ دے سکتا ہوں۔ اور پھر۔ یہ آپ کی زندگی کا معاملہ ہے۔ دوسرا کوئی بھی اس طرح نہیں سوچ سکے گا۔ جیسے آپ سوچتی ہیں۔ اور میں۔ میں تو۔"

"تم کیا۔؟ کیا تم ایک دل اور ایک دماغ کے مالک نہیں۔؟ اور کیا میرے دوست کی حیثیت سے تمہارا فرض نہیں کہ تم مجھے کوئی مشورہ ضرور دو۔"

جب اور کچھ نہ سوجھا تو کومل عدیل پر ہی برس پڑی۔

"یوں تو ہر وقت کہتے رہتے ہو کہ مرد ہو۔ مرد عمر میں چھوٹا ہو کر بھی عورت کا محافظ ہوتا ہے۔ یہ ہوتا ہے۔ اور وہ ہوتا ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔"

عدیل کی مردانگی کو چیلنج ہوا تو وہ جھٹ سے بولا۔

"آپ پریشان کیوں ہوئی جاتی ہیں۔ ابھی ہمارے پاس تین دن ہیں۔ آیئے مل کر کوئی راہ ڈھونڈتے ہیں۔ تین دن بہت ہوتے ہیں۔"

"نہیں عدیل۔!"

کومل کی آواز سے مایوسی ٹپک رہی تھی۔

"زندگیوں کے فیصلے کرنے کے لیے تین دن تو کیا تین سال بھی کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔"

"تو پھر آپ انکار کر دیجیے۔"

عدیل نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

کومل جھلّا اٹھی۔

"مگر انکار کروں بھی تو کس بنا پر۔ آخر مجھے کوئی نہ کوئی جواز تو پیش کرنا ہی ہوگا۔"

"بس! کہہ دیجیے ناکہ آپ کو یہ رشتہ پسند نہیں۔ چلو جی بات ختم۔!"

اب عدیل بھی قدرے جھنجھلا کر بولا۔

"آپ کے ساتھ زبردستی تو یقیناً کوئی نہیں کرے گا۔"

"ہاں۔" وہ مسکرائی۔ بڑے عجیب سے انداز میں۔!

"ہمارے سینوں میں ایک ماں کا دل نہیں۔ اور شاید ہم ایک ماں کے جذبات سمجھنے کے بھی اہل نہیں۔ اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میرے اس انکار سے میری ماں کو بہت دکھ پہنچے گا۔"

پھر وہ خیالوں میں کھو گئی۔ دور خلاؤں میں تکتے تکتے بڑبڑائی۔

"شاید اپنے والدین کی خواہش پر مجھے اپنی زندگی بھینٹ چڑھانا ہی پڑے یہ میرا اندر اتنا بے کل کیوں ہے۔؟ یہ میں بکھری بکھری سی کیوں ہوں۔؟ مجھے کسی کی تلاش ہے۔؟ کس کی تلاش۔؟ نہیں۔ شاید اپنے والدین کا دل رکھنے کے لیے مجھے اپنا دل توڑنا ہی ہوگا۔ انہیں دنیا کے سامنے سرخرو کرنے کے لیے

شاید مجھے اپنی آرزوؤں کا خون دینا ہی پڑے۔ ہاں۔ یونہی ان کی پیشانیوں کی
کالک مٹ سکے گی۔ شاید مجھے ہاں کرنا ہی پڑے۔ شاید۔! شاید۔!!"

وہ اتنا دکھی ہو رہی تھی۔ اتنا پریشان تھی۔ اس کا دُکھ۔ اس کی پریشانیاں
عدیل کے من میں اتری جا رہی تھیں۔

اس کے پاس الفاظ نہیں تھے جن سے وہ اسے تسلّی دے۔ وہ اس کا دُکھ
بانٹ سکے۔ پھر۔؟ پھر۔؟؟

اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کے لیے کیا کرے۔؟ کیا کہے۔؟؟

تب۔ اس نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ تسلّی دینے کے انداز میں
انہیں تھپتھپاتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"فکر نہ کیجیے اللہ بہتری کرے گا۔"

جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ مسکرایا۔

"آپ کا یہ انداز۔! گو آپ کی سرشت کے خلاف ہے۔ مگر بہت خوبصورت
ہے۔ اور میں آپ کے لیے ضرور کچھ سوچوں گا۔ کہ آپ کی آنکھوں کی نمی مجھے حد درجہ
بے چین کیے دے رہی ہے۔!!"

جانے کیا ہو گیا تھا۔؟ نیند آ ہی نہیں رہی تھی۔ ہر طرح کوشش کی۔ ہر
ممکن طریقے سے نیند کو پاس بلایا۔

مگر جب ذہن میں اور ہی سوچیں سمائی ہوں اور آنکھوں میں کسی کی نیر بہاتی
شبیہ بسی ہو تو پھر نیند کا گزر وہاں کیسے ہو سکتا ہے۔

وہ کتنا پریشان تھی۔ کتنا دکھی تھی۔ رہ رہ کر اسی کا خیال آئے جا رہا تھا۔

اس نے اس کی بھیگی بھیگی آنکھیں پہلی بار دیکھی تھیں۔ اگر اس کی مسکراہٹوں
میں بجلیاں کوندتی تھیں تو اس کے آنسوؤں میں ایسے طوفان تھے کہ جن میں عدیل
کو اپنا وجود، اپنا آپ تنکے کی طرح بہتا محسوس ہوا تھا۔

کاش! وہ کسی طرح کومل کی مدد کر سکتا۔ خواہ اسے کوئی بھی قربانی دینا پڑتی۔
بڑی سے بڑی۔ اپنی جان کی ہی سہی۔!

لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ خود بھی مجبور تھا۔ کومل بھی مجبور تھی اور اس کے والدین بھی مجبور تھے۔!

معاملہ کومل کا تھا مگر اپنی نیندیں اڑائے سوچوں میں وہ کھویا تھا۔ جانے کیوں اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ یہ خود اس کا اپنا ہی معاملہ تھا۔ اپنا ہی مسئلہ تھا۔

کچھ ایسا تعلق۔ کچھ ایسا واسطہ۔ کچھ ایسا بندھن۔ ذہنی طور پر کومل کے ساتھ محسوس ہو رہا تھا کہ الگ بھی نہیں رہا جا سکتا تھا۔

تب اس کی سوچیں اسی کے لیے وقف ہو گئیں۔ اس کی نیند پر اسی کی حکومت ہو گئی۔!

اس کے والدین مجبور تھے۔ کہ آخر وہ ان کی ذمہ داری تھی۔ اور دستور کے مطابق جوان بیٹی کو کوئی کب تک گھر بٹھا سکتا تھا۔ آج یا کل۔ آخر اسے دوسرے گھر جانا ہی تھا۔

"تو پھر۔ یہ دیر کیوں۔؟" دنیا والوں کے اس سوال کا جواب کوئی بھی نہیں دے سکتا تھا۔ کہ یہ دیر کیوں۔؟؟

کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی عمر زیادہ ہو جائے اور وہ اپنے من کی سیج سجائے۔ ہاتھوں میں مہندی رچائے۔ سہرا باندھے۔ سرخ جوڑا پہنے بیٹھی رہے اور کوئی بھی نہ آئے۔ دل کے دروازے پر کوئی دستک نہ دے۔

پھر۔؟ پھر کیا ہو گا۔؟؟

وہ سوچ رہا تھا۔ صرف اس کے لیے۔ پورے خلوص اور ایمانداری کیساتھ

پھر۔؟ عمر بھر کا کنوارپن۔! تاریکی۔!! بھیانک اور اتھاہ اندھیرا۔!!!

اور۔ اور وہ ابھی تک نہیں آیا۔ وہ، جسے کومل کے ذہن نے اپنی حسین ترین خواہشوں، کانپتے ہوئے جذبات اور تھرتھراتی ہوئی امنگوں کے ساتھ جنم دیا ہے۔

وہ۔ جس کی آنکھوں کی چمک کی تلاش میں اس نے آسمان کے سب ستارے چھان ڈالے ہوں گے۔

وہ۔ جس کا چہرہ تخلیق کرنے کے لیے اس نے چاند کو بھی ٹھکرا دیا ہو گا۔

وہ۔ جس کی ایک مسکراہٹ بہار کے نام سے موسوم ہو گی۔

وہ۔ جس کا ذہن آکاش کی وسعتوں اور زمین کی گہرائیوں سے بھی زیادہ وسیع اور گہرا ہو گا۔

وہ۔ جو کومل کا آئیڈیل ہو گا۔!

دنیا کا حسین ترین آئیڈیل۔!

شاید وہ کبھی آ ہی جائے۔!

شاید۔!

مگر کب۔؟

کب۔؟؟

"اب تو وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ کومل کسی اور کی ہونے والی ہے۔ اور وہ۔ وہ نجانے کہاں ہے۔؟ آخر وہ آتا کیوں نہیں۔؟ اس کی کومل، اس کی دوست اس کے لیے اتنا پریشان ہے۔؟ وہ کہاں رہ گیا۔؟ کہاں کھو گیا؟"

اس کا ذہن جھنجھلا گیا۔

یا شاید اس کا وجود ہی کوئی نہیں۔ کہیں بھی نہیں۔ سوائے کومل کے ذہن کے۔!!

اور بھلا خیالی تصویروں کا کون انتظار کرتا ہے۔؟ بگولوں کو کون اپنا سکتا ہے۔؟؟

کبھی آئیڈیل بھی گوشت پوست کے قالب میں ڈھل کر سامنے آئے ہیں؟

ایسا بھی کبھی ہوا ہے۔؟ ایسا بھی کبھی ہوا ہے۔؟؟

آئیڈیل تو صرف دل بہلانے کو بنائے جاتے ہیں۔ اپنی انا کی تسکین کیلئے ان کی تلاش میں تو کوئی نہیں نکل پڑتا۔

کومل کتنی ناسمجھ ہے۔!

آج اس نے پہلی مرتبہ اس انداز میں اور ان الفاظ میں اس کے متعلق سوچا اور اپنی جرأت پر خود ہی حیران ہو گیا۔

آخر لڑکی ہے نا۔ آئیڈیل کی پرستار۔ جذبات کی غلام۔!!

دوسروں کی، والدین کی اسے پرواہ ہی نہیں۔

اسے یہ شادی کر ہی لینی چاہیے۔ اسے دنیا کی خاطر، ماں باپ کی خاطر ہاں کر ہی دینی چاہیے۔

اس نے فیصلہ کن انداز میں سوچا۔

ہاں۔ اسے اب شادی کرنا ہی پڑے گی۔ آئیڈیل پرستی اسے چھوڑنا ہی ہوگی۔ کہ اسی میں سب کی بہتری ہے۔ اسی میں خود اس کی بھی فلاح ہے۔!

وہ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہے۔ دکھی ہو رہی ہے۔ میں اسے سمجھاؤں گا۔ یہی راہ دکھاؤں گا۔

کیا پتہ وہی انسان اس کے آئیڈیل کا روپ دھار لے۔ کہ اب کسی بھی انتظار کا، جستجو کا مزید وقت نہیں ہے۔

آخر اس کی سوچ مکمل ہو گئی۔ مطمئن ہو کر وہ سونے ہی لگا تھا۔ کہ۔

"لیکن۔ لیکن۔!"

وہ بے قرار سا ہوتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی شادی ہو گئی تو وہ خود اس سے دُور چلی جائے گی۔

زہر میں بجھے اِک تیر کی مانند یہ خیال اس کے ذہن میں آکر پیوست ہو گیا۔

وہ کانپ اٹھا۔ وہ لرز اٹھا۔ اس کا سارا وجود ڈگمگا گیا۔ طوفانی لہروں میں گھری کشتی کی طرح۔!

پھر شاید اس سے ملنا بھی مشکل ہو جائے۔ اور شاید وہ اپنے شوہر کو پاکر عدیل کو کبھی یاد بھی نہ کرے۔

یا پھر شاید اس کے شوہر ہی کو ان کا میل جول پسند نہ آئے۔ اور۔ اور ایک دن وہ کومل سے کہہ دے۔

"مجھے عدیل سے تمہارا ملنا جلنا پسند نہیں۔ اسے کہہ دو یہاں نہ آیا کرے۔"

یوں۔ یُوں پھر وہ کومل سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بچھڑ جائے گا۔ اس سے کبھی بھی نہیں مل سکے گا۔؟ کبھی بھی نہیں۔!!

تو پھر۔ وہ زندہ کیسے رہے گا۔؟ کومل اس کا سورج ہے وہ روشنی
کہاں سے پاتے گا۔اس کی راہیں تاریک ہوجائیں گی۔اس کی حیات اندھیروں
میں ڈوب جائے گی۔

وہ ختم ہو جائے گا۔اس کی موت واقع ہوجائے گی۔

اور۔کومل کے بغیر وہ اپنی زندگی کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔وہ کومل کے
بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔

"کیوں۔کیوں۔؟؟"

"کیونکہ۔کیونکہ۔مجھے کومل سے محبّت ہے شاید۔!!"

وہ چونک پڑا۔اپنے اندر سے ہی خائف ہو اٹھا۔

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔" اس کے دماغ نے اسے سیدھی راہ دکھانا چاہی۔

"وہ صرف اپنے آئیڈیل سے محبّت کرتی ہے۔وہ اسی کی منتظر ہے۔
تمہیں کیا سمجھے گی۔؟ تم اس کے ایک دوست ہو۔محض ایک دوست۔!!"

"مگر۔مگر۔" اس کے دل نے سرگوشی کی۔

"تمہارا تو وہ آئیڈیل ہے۔تمہاری تو وہ روشنی ہے۔تم تو اس سے محبّت
کرتے ہو۔اس دن سے جب تم اس سے پہلی بار ملے تھے۔یا شاید پچھلے جنم
سے۔ازل سے۔!

تمہیں کومل سے محبّت ہے۔!

تمہیں کومل سے محبّت ہے۔!!

وہ تمہارا آئیڈیل ہے۔!!!

کائنات کا ہر ذرّہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

تمہیں کومل سے محبّت ہے۔!

وہ تمہارا آئیڈیل ہے۔!!

"ہاں۔مجھے اس سے محبّت ہے۔وہ میرا آئیڈیل ہے۔"

وہ بلند آواز میں چلاّ پڑا۔اور اسے یوں لگا گویا اس نے صدیوں سے
سربستہ کوئی راز فاش کر دیا تھا۔

"ہاں۔مجھے کومل سے محبّت ہے۔وہ میرا آئیڈیل ہے۔"

"مگر مجھے پہلے اس کا احساس کیوں نہ ہوا۔؟"

اس نے اپنے دل سے سوال کیا۔

"تم اپنے آپ کو دھوکا دیتے رہے ہو۔حالانکہ تم پہلے دن سے جانتے تھے
کہ تم اس سے پیار کرتے ہو۔"

"ہاں۔تم سچ کہتے ہو۔مجھے روزِ اوّل سے احساس تھا۔لیکن میں اس سے
کم تر ہوں۔بہت ہی حقیر۔!گویا آفتاب کے مقابلے میں ذرّہ۔!

حقیر۔ناچیز۔!!

"اوہ خدایا۔! یہ کیسا انکشاف ہے۔؟ یہ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے۔؟ یہ
مجھے کیا ہو گیا ہے۔؟؟"

اس نے پریشان ہو کر ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

"اب۔اب کیا ہوگا۔؟؟"

"ہونا کیا ہے۔؟" دل نے گدگدی کی۔

"اپنی محبّت کو، اپنے آئیڈیل کو اپنا لو۔"
دماغ نے پھر سمجھایا۔
"مگر اس کا اپنا آئیڈیل۔؟"
"مَیں بنوں گا۔ مَیں بنوں گا۔ اسے جس کا انتظار ہے اس کا رُوپ مَیں دھاروں گا۔ مَیں اسے زندگی کا ہر سکھ دُوں گا۔ مَیں اسے حیات کی ہر خوشی دُوں گا۔ مَیں اس کی تمناؤں، اس کی آرزوؤں کا مرکز بنوں گا۔ کہ مَیں اس کی عادات، اس کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اسے دولت کی، اسے دنیا کی کسی آسائش کی چاہت نہیں۔ وہ ہونے والے شوہر کا جس قسم کا دل اور دماغ چاہتی ہے۔ ان کا مجھے اچھی طرح علم ہے۔ مَیں خود، جو اس وقت ہوں، مٹ جاؤں گا۔ اور پھر۔ ایک نیا انسان، نیا عدیل خلق ہوگا۔ جو کومل کا آئیڈیل ہوگا۔ ہاں مَیں۔ کومل کا آئیڈیل۔ ! کومل کی محبت۔ !! مَیں بنوں گا مَیں! کہ مجھے بھی اس سے محبت ہے۔ شدید محبّت۔ ! مَیں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ !!"

"عدیل ! بیٹے اٹھو نا۔ کیا کالج نہیں جانا۔؟"
امی اب قدرے جھنجھلا کر بولیں۔
صبح کی چوتھی بار اسے جگانے آچکی تھیں۔ مگر وہ بازوؤں میں سر گھسیڑے اوندھا پڑا ایسی گہری نیند میں ڈوبا تھا کہ وہ جاگ ہی نہیں رہا تھا۔
امی کے زور زور سے جھنجھوڑنے اور ہلکی سی ڈانٹ پر اس نے اسی طرح پڑے پڑے جواب تو دے دیا مگر اٹھا نہیں۔
"آج مجھے یونیورسٹی نہیں جانا۔"
"نہیں جانا۔ کیوں۔؟"
وہ متحیر سی ہو گئیں۔ اس نے تو کبھی چھٹی نہیں کی تھی۔
"میرا پروفیسر آج چھٹی پر ہے۔"

وہ صاف جھوٹ بول گیا۔

"پھر اٹھو۔ ناشتہ تو کرو۔"

اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ اسی اعتبار کے سہارے امی نے جھٹ یقین کر لیا۔

"دل نہیں چاہ رہا۔" چھپے چہرے سے مدھم سی آواز ابھری۔

"عجیب لڑکا ہے کبھی اتنی دیر تک نہیں سویا۔ آج نجانے کہاں سے اتنی نیندیں اس پر ٹوٹ پڑی ہیں۔ اچھا بھلا پچھلے چند دنوں سے اتنی باقاعدگی سے نماز پڑھنے لگا تھا۔ آج وہ بھی چوپٹ۔ جانے کیا ہو گیا ہے۔؟"

امی بڑبڑاتے بڑبڑاتے باہر نکل گئیں۔

امی چلی گئیں۔ وہ پھر اسی طرح پڑا رہا۔ بڑی دیر۔ چپ چاپ۔ گم سم۔!

پھر جانے یکایک کیا خیال آیا۔ اٹھ کر جلدی جلدی شب خوابی کا لباس تبدیل کیا۔ نہ منہ دھویا۔ نہ شیو کی۔ نہ بالوں کو سلجھایا۔

اس عجیب سے حلیے میں وہ گھر سے باہر جا رہا تھا۔ وہ۔ جو ہمیشہ بڑی نفاست اور سلیقے سے لباس پہنے بنا گھر سے باہر قدم نہیں نکالا کرتا تھا۔

امی نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"عدیل! کہاں جا رہے ہو۔؟"

وہ بیرونی دروازے تک پہنچ چکا تھا۔ امی نے گھبرا کر پوچھا۔

"بس امی! ابھی آیا۔"

اور وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

"عجیب لڑکا ہے۔"

امی بڑبڑا کر اپنے کام میں لگ گئیں۔ سائیکل، جسے وہ اپنا ساتھی کہا کرتا تھا۔ اس وقت اسے بھی ساتھ نہ لیا۔ پیدل ہی چلا جا رہا تھا۔ اپنے خیالوں میں مگن۔ اپنے من میں کھویا ہوا۔

پاس سے کئی رکشے ٹیکسیاں گزریں۔ مگر اسے تو جیسے سواری لینے کا بھی ہوش نہ تھا۔

اور۔ اسے ہوش اس وقت آیا۔ جب وہ کومل کے کمرے میں داخل ہوا۔

سامنے ہی وہ سفید کرتا اور شلوار پہنے بیٹھی تھی۔ شاید غسل کیا تھا۔ بڑی نکھری نکھری سی تھی۔ ہمیشہ سے بھی کچھ زیادہ ہی پاکیزہ سی لگ رہی تھی۔

لمبے لمبے بال شانوں پر بکھرے تھے۔ ہاتھ میں کنگھا ضرور تھا۔ مگر وہ چپ چاپ خیالات میں کھوئی بیٹھی تھی۔ کر کچھ نہیں رہی تھی۔

بے آواز چلتے ہوئے عدیل اس کے قریب جا بیٹھا۔ وہ اپنی محویت میں ابھی تک محو تھی۔ جھکی ہوئی نگاہیں قالین کے پھولوں میں کچھ تلاش کر رہی تھیں شاید خیالوں ہی خیالوں میں اپنے آئیڈیل کے نقش و نگار ان پھول پتیوں سے تراش، سنوار اور نکھار رہی تھی۔

مگر۔ اس کا آئیڈیل تو وہ بننے والا تھا وہ خود۔ پھر وہ کہاں محو تھی حسد کا عجیب سا جذبہ سینے کے اندر ابھرا۔

وہ جلدی سے مگر ہولے سے کھنکھارا۔ کومل نے چونک کر نگاہ اٹھائی۔

"ارے۔!" وہ عدیل کو بیٹھا دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"آج یونیورسٹی نہیں گئے۔۔؟"

"نہیں۔ طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔"

"ہاں۔ تمہارے حلیے سے لگتا تو ایسا ہی ہے۔ آنکھیں بھی سرخ ہو رہی ہیں۔ کہیں بخار وخار تو نہیں۔۔؟"

کومل نے بڑی ہمدردی سے اسے دیکھتے ہوئے بڑی اپنائیت سے اس کی نبض تھام لی۔

وہ جو اکثر ایک دوسرے کا ہاتھ بازو تھام لیا کرتے تھے۔ مگر اس وقت جانے کیا ہوا۔؟ عدیل کو یوں لگا جیسے اس کے سارے جسم میں بجلیاں سی دوڑ اٹھی تھیں۔ ایک جھٹکے سے اس نے کومل کے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑا لیا۔

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ بس ذرا رات نیند نہیں آئی۔"

"کیا بات ہے۔؟" کومل گھبرا گئی۔

"پریشان سے لگ رہے ہو۔ خیریت تو ہے نا۔؟"

"ہاں۔ ہاں!" اس نے مسکرا کر ٹالنے کی کوشش کی۔

مگر اس کا یہ انداز۔! یہ اک جھٹکے سے بازو چھڑا لینا۔ اس کے ذہنی خلفشار کا غماز تھا۔ ضرور اسے کوئی پریشانی لاحق تھی۔ کوئی بہت بڑی۔!

"دیکھو۔ مجھ سے جھوٹ مت بولو۔ صاف صاف بتا دو بات کیا ہے۔؟"

کومل نے اب سختی سے پوچھا۔

"سنو کومل۔! تم سے ایک۔۔۔"

"ہائیں۔ ہائیں۔؟" کومل مارے تعجب کے چلا سی پڑی۔

عدیل نے کبھی اس کا نام اس قدر بے تکلفی سے نہیں لیا تھا۔ کبھی اسے تم کر کے مخاطب نہیں کیا تھا۔

"یہ تم مجھ سے کس طرح بات کر رہے ہو۔؟"

"اوہ!" وہ گڑبڑا گیا۔

"دراصل۔ دراصل۔" اور وہ پریشان سا ہو کر سر کو کھجلانے لگا۔

وہ پچھلی ساری رات اسی انداز میں اس سے مخاطب ہوتا رہا تھا۔ اسی لب و لہجے میں اس سے بات کرتا رہا تھا کہ۔

اس کا اس کے ساتھ رشتہ ہی اب ایسا تھا۔ تعلق ہی ایسا قائم ہو گیا تھا کہ ان میں کسی قسم کے تکلفات کی بالکل گنجائش نہ تھی۔

اور۔ اس کے علاوہ۔ اس کا رشتہ بھی تو اب اس کے ساتھ بڑا تھا۔ گو کومل ابھی کچھ نہیں جانتی تھی مگر ذہنی طور پر وہ تو اس کا جو کچھ بن چکا تھا۔ بس بن ہی چکا تھا۔ اور اسے جو کچھ اپنا بنا چکا تھا۔ وہ بھی بنا ہی چکا تھا۔

اب تو اس کا واپس اس پہلے والے تعلق کی طرف لوٹ کر آنا ناممکن تھا۔

"تم خاموش کیوں ہو گئے۔؟ یہ آج تمہیں ہوا کیا ہے۔؟"

"بتانے تو لگا تھا۔ مگر تم نے بیچ میں ہی ٹوک دیا۔"

"یہ کیا آج تم، تم لگائے ہوئے ہو۔؟"

کومل نے اپنے بڑے پن کا اسے پھر احساس دلایا۔

"سنیئے۔" وہ بڑی سنجیدگی سے بولا۔

"میں آپ کا دوست ہوں نا۔؟"

"ہاں۔ ہاں۔ بالکل۔"

"پھر دوستی میں چھوٹا بڑا کوئی نہیں ہوتا۔ آئندہ مجھ پر ایسی کوئی پابندی نہ لگائیے گا۔"

بڑے پیار سے اسے دیکھتے ہوئے کومل مسکرا دی۔ عجیب سا لڑکا تھا۔ اور عجیب عجیب ضدیں کیا کرتا تھا۔

"اچھا۔ اس موضوع پر بعد میں بات ہوگی۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم نے آج اپنا حلیہ کیا بنا رکھا ہے۔؟"

وہ شرارت بھرے لہجے میں ہنسی۔

"کسی لڑکی وڑکی کا چکر تو نہیں۔ اس عمر میں تم ایسے لڑکوں کو اکثر ایسے دورے پڑتے دیکھے ہیں۔"

"اس وقت میں مذاق کے موڈ میں قطعی نہیں ہوں۔"

وہ خاصی بدمزاجی سے بولا۔ اور کومل کو احساس ہوگیا کہ وہ واقعی سنجیدہ تھا۔ اور معاملہ بھی کوئی سنجیدہ ہی درپیش تھا۔

"اچھا پھر بتاؤ۔ وہ کون سی بات ہے جس نے تمہیں رات بھر جگائے رکھا۔"

اب وہ بھی بڑی سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

"بات یہ ہے۔" وہ سوچ سوچ کر بولا۔

کومل ہمہ تن گوش ہوگئی۔

"بات یہ ہے۔ کہ۔ چلو چھوڑو۔"

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنے دل کا حال کس طرح اس پر عیاں

کرے۔ بے حد گھبرایا ہوا تھا۔ بے حد سٹپٹایا ہوا تھا۔

اور۔ اس کے انداز دیکھ کر بڑھتے ہوئے تجسس نے کومل کو پریشان سا کر دیا۔

"دیکھو بھئی۔ ایہ عادت مجھے سخت ناپسند ہے کہ ایک بات شروع کر کے یوں ادھوری چھوڑ دی جائے کہ دوسرا پریشان ہوتا پھرے۔"

وہ قدرے ناراض ہوگئی۔

"اچھا اچھا۔ کوئی کاغذ اور قلم مل سکتا ہے۔؟"

کومل کی یکدم ہنسی چھوٹ گئی۔

"اب تم میرے سامنے بیٹھ کر مجھ سے خط و کتابت کیا کرو گے۔؟"

وہ ہنستی ہی چلی گئی۔

"اچھا ایڈونچر ہے۔!"

"بتاؤ نا۔؟"

وہ کھردرے لہجے میں بولا۔

"وہ سامنے میز پر پڑا ہوا ہے۔ پیڈ بھی اور قلم بھی۔"

جواب تو اسے دے دیا مگر اس کی ہنسی نہیں تھمی۔ عجیب ہی لڑکا تھا۔

عدیل نے اس کی ہنسی کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اٹھ کر میز کے قریب چلا گیا۔ وہیں کھڑے کھڑے پیڈ پر کچھ لکھا۔ کاغذ علیحدہ کیا۔ پھر تہہ کر کے کومل کے پاس آگیا۔

"جب میں یہاں سے چلا جاؤں تو پھر اسے کھول کر پڑھنا۔"

یکدم کومل کی ہنسی تھم گئی۔ اس کی جگہ چہرے پر تعجب کی لہریں پھیلیں۔

"یہ آج تم کیا پہیلیاں سی بوجھوا رہے ہو۔؟"

"دیکھو۔ میں نے جو کچھ کہا ہے اس پر عمل کرنا۔"

اس کے لہجے میں عجب سا رُعب تھا۔ خاصی بڑی عمر کے سنجیدہ سے مرد والا۔ یوں۔ جیسے وہ اس سے بہت بڑا تھا۔ اور وہ اس کے مقابلے میں بے حد ننھی سی تھی۔

کچھ اسی انداز میں اس نے کہا تھا۔

وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ اور کچھ کہنے ہی والی تھی کہ عدیل "خدا حافظ" کہتے ہوئے مڑ گیا۔

"ارے عدیل! ٹھہرو تو سہی۔"

وہ جلدی سے اٹھی۔ اس کے پیچھے بھاگی۔

مگر وہ تو جا چکا تھا۔ بھاگ کر بالکنی میں پہنچی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا صدر دروازے سے باہر نکل رہا تھا۔

آواز دینے ہی لگی تھی کہ وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

کومل پریشان سی ہو گئی۔ یہ سب کیا تھا۔؟

وہ ہولے ہولے قدم اٹھاتی واپس کمرے میں آئی۔ جانے کیوں دل دھک دھک کیے جا رہا تھا۔ طبیعت میں عجیب سی الجھن سی جا رہی تھی۔

سوچوں میں کھوئے کھوئے لرزتے ہاتھوں سے آہستہ آہستہ اس نے کاغذ کی تہیں کھولیں۔

اندر سے دل بُری طرح سہما جا رہا تھا۔ جانے اس میں کیا تھا۔؟

تب۔ ڈرتے ڈرتے لکھے ہوئے پر اس نے نظر دوڑائی۔ پہلے تو الفاظ پڑھے ہی نہ گئے۔

وہ ناچ رہے تھے۔ پھیل رہے تھے۔ بکھر رہے تھے۔!!!

پھر۔ سارے حواس مجتمع کر کے ذرا غور سے دیکھا۔ تو۔

یکدم اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ ٹانگیں اتنی زور سے لڑکھڑائیں کہ اس کے قدم فرش پر جیسے نہ رہ سکے۔ دھم کر کے مسہری پر گر پڑی۔

اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اسی یقین بے یقینی کے عالم میں دوبارہ کاغذ پر نظریں جما دیں۔

کومل۔!

مجھے تم سے محبت ہے۔ شدید اور گہری محبت۔ اپنی ہر تمنا، ہر خواہش سے زیادہ، اپنے وجود سے زیادہ۔ آج سے نہیں۔ ازل سے شاید۔!!

کیا تم مجھ سے شادی کرو گی۔؟

سائے لمبے ہو چکے تھے۔ آسمان کا مغربی کونا سنہرا ہو رہا تھا۔

کومل گہری سوچ میں ڈوبی خلاؤں کو گھور رہی تھی۔

عدیل اس سے محبت کرتا تھا۔!

عدیل اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔!! نہیں یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا؟

دوستی اور محبت دو نہایت قریبی رشتے ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔

ایک صرف رُوح کا رشتہ ہے اور دوسرے میں جسم کو بھی دخل ہے۔

ایک صرف تعلقات پر مبنی ہے اور دوسرے میں ساری زندگی۔ زندگی کا ہر ہر لمحہ۔ خوشگوار ہو یا غمزدہ۔ مسکراتا ہوا ہو یا آنسو بہاتا ہوا۔ ساتھ گزارنا پڑتا ہے۔

دوست اور جیون ساتھی۔!

دونوں کے لیے معیار بہت مختلف ہوتے ہیں۔!

مختلف نقطۂ نظر۔!

اور پھر۔ عدیل کی ابھی عمر ہی کیا تھی۔ بیس اکیس سال۔!!

ابھی اس نے اپنا مستقبل بنانا تھا۔

اپنی زندگی کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنا تھا۔

اپنی راہیں متعین کرنا تھیں۔

ابھی تو اس کو شادی کا خیال بھی دل میں نہیں لانا چاہیے تھا۔ خواہ کسی بھی لڑکی کے ساتھ۔!

لیکن۔ لیکن۔ آخر یکایک اس کے ذہن میں یہ خیال کیوں پیدا ہوا۔؟

کب پیدا ہوا۔؟؟

وہ رہ رہ کر اپنے دل سے یہ سوال پوچھتی تھی۔

وہ اسے گزشتہ سات آٹھ ماہ سے مل رہا تھا۔ مگر آج تک اس نے کبھی الفاظ میں، یا اشارے کنائے سے بھی ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ کوئی ایسا خیال دل میں چھپائے ہوئے تھا۔

لیکن۔ ایسے جذبات اتنی مُدت کے لیے کون چھپا سکتا ہے۔ محبت کی آگ کو تو ایک دن کے لیے بھی پوشیدہ رکھنا انتہائی کٹھن ہوتا ہے۔!

پھر۔ پھر۔؟؟ پھر شاید یہ خیال اس وقت اس کے دل میں پیدا ہوا جب اس نے اس کی شادی کی بات چیت کے متعلق سُنا۔

ہاں - ایسا ہی ہوا ہو گا - ! ایسا ہی ہوا ہو گا - !!
" پگلا کہیں کا - اپنی دانست میں وہ میرے لیے قربانی کر رہا ہے۔"
خیالات کے ذریعے کسی نتیجے پر پہنچنے کے بعد اب وہ بڑے پیار سے
اس کے متعلق سوچ رہی تھی -
"سمجھتا ہو گا کہ شاید میں کسی اور کے ساتھ خوش نہ رہ سکوں - یا کوئی دوسرا
مجھے خوش نہ رکھ سکے - کہ اسے میری عادات و اطوار، میرے مزاج و خیالات کا
اچھی طرح علم ہے -"
وہ اسے اتنا عزیز تھا کہ اس کے لیے کومل کی سوچیں بھی مثبت انداز
میں ہی سوچتی تھیں -
مگر - یہ دنیا - دنیا کے لوگ - رشتہ دار - ملنے جلنے والے - سب کیا کہیں
گے - اپنے سے پانچ سال چھوٹے لڑکے کے ساتھ - !
"اوہ - ! میرے سامنے کوئی ایسی بات کہے تو سہی - میں اس کی زبان نہ
کاٹ ڈالوں - آنکھیں نہ نوچ لوں -"
سوچ ہی سوچ میں اسے غصہ آ گیا - کہ اتنی عمر ہونے کے باوجود ہمیشہ
اس نے اپنا دل، اپنا دماغ، اپنا دامن بڑا پاکیزہ رکھا تھا - کبھی کسی کو کوئی بات
بنانے کا موقع ہی نہیں ملا تھا - اور اب -
تب غصے میں آ کر خیالوں ہی خیالوں میں گویا اس نے کئی زبانیں کاٹ
ڈالیں اور سینکڑوں آنکھیں نوچ ڈالیں - اس کی انگلیاں لہو سے بھر گئیں -
"پھر کھو گئے ایسی رکیک بات - ؟"

وہ ان لوگوں کو سزا دے رہی تھی جو عدیل کے اور اس کے میل ملاپ پر شک
بھری نظریں ڈال رہے تھے - اسے قصوروار ٹھہرا رہے تھے -
عدیل تو اس کا صرف دوست تھا - اور وہ پاگل تھا - جس نے اس کی خیر خواہی
میں اس قدر غلط قسم کا فیصلہ کر لیا تھا -
اسے اس کے خلوص کی قدر تھی - وہ اس کی احسان مند تھی - جس نے اس
کی بھلائی کے لیے اتنی بڑی بات سوچ لی - دنیا زمانے کی نظروں اور زبانوں
کی پرواہ کیے بغیر - !
اچانک کھنکھارنے کی آواز پر اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا چونک
کر اس نے نگاہیں اٹھائیں -
سامنے ہی عدیل کرسی پر سر جھکائے نظریں زمین پر گاڑے بیٹھا تھا -
چہرے سے گویا وحشت سی ٹپک رہی تھی -
" عدیل - ! لمحہ بھر کے لیے وہ سب کچھ بھول بھال گئی -
"ارے بھئی تم کب آئے - ؟"
اس نے حیران ہو کر پوچھا -
"آج تو بڑی خاموشی سے داخل ہوئے ہو - بالکل چوروں کی طرح - !"
"جس طرح کسی کی زندگی میں داخل ہوتے ہیں - بغیر احساس دلائے -"
اس کے دل نے چوٹ کی -
"اوں ہوں -" دماغ نے ڈانٹ پلائی - "ایسی بے ہودہ باتیں کب سے سوچنا
شروع کر دیں تم نے -"

عدیل اسی طرح بُت بنا، چپ چاپ بیٹھا تھا۔

"عدیل! کیا ہو گیا ہے تمہیں۔؟"

معاً اسے خیال آیا کہ اس کی اس حرکت کا پچھتاوا اب اس پر شروع ہوا تھا۔ وہ اس کی نظر سے نظر نہیں ملا رہا تھا۔ وہ اس سے شرمندہ تھا شاید۔ کہ اس نے ایسی بات کیوں سوچی تھی۔؟

"پھر کیا ہوا۔؟ کوئی بات نہیں۔ غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے۔"

وہ خود ہی اس کی شرمندگی دُور کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

"چھوڑو اب اس قصّے کو۔ بھول جاؤ کہ تم نے مجھ سے کوئی ایسی بات کی تھی۔ اور اگر تم معافی مانگنے پر اتنے ہی مصر ہو تو چلو میں معاف کر دیتی ہوں تمہیں۔ تم بھی کیا یاد کرو گے کسی رحم دل باجی سے پالا پڑا تھا۔ جانتے ہو اب تو میں چند ہفتوں کی مہمان ہوں یہاں۔!"

عدیل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ نگاہ سے نگاہ ملی تو کومل نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھوں میں اِک عجیب سی التجا تھی۔ خاموش۔ سہمی ہوئی۔

"تو۔ تو تم نے ہاں کر دی۔؟"

وہ جنونی انداز میں چیخ سا پڑا۔ کومل گھبرا گئی۔ نازک عورت کا نازک دل دہل گیا۔

"ارے بھئی نہیں۔ میں تو یونہی مذاق کر رہی تھی۔"

اس نے ہنس کر بات کرنے کی کوشش کی۔ ناکام سی۔!

"لیکن فرض کرو اگر میں نے ہاں کر دی ہوتی۔ تو۔؟"

"ہاں۔ آپ سچ کہتی ہیں۔"

عدیل بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تو بھی میں کیا کر سکتا ہوں۔ آپ سچ کہا کرتی ہیں۔ میں بہت کم عقل ہوں۔ اس بچّے کی مانند۔ جو ماں کی گود سے ہمک کر چاند کو پکڑ لینا چاہتا ہو۔ مگر پھر ناکام رہنے پر روتا بلکتا ہوا ضد کرنے لگے کہ ابھی میں چاند لوں گا۔ میں بھی وہی بچّہ ہوں کومل! میں نے آپ کی ہتک کی ہے۔ اور مجھے اس کا صدمہ ہے۔ مجھے معاف کر دو۔ مجھے معاف کر دو۔"

اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ کومل جلدی سے اٹھ کر اس کے قریب آئی اور اپنے دوپٹے کے کونے سے اس کے آنسو پونچھنے لگی۔

"مرد ہو کر روتے ہو۔؟ پگلے! مرد تو بڑی ہمت والے ہوتے ہیں۔ یہ آنسو ہم کمزور دل عورتوں کی میراث ہیں۔ واہ واہ! تم بھی عجیب ہو۔ سچ! تم نے تو مجھے مایوس ہی کر دیا ہے۔"

وہ بالکل بچوں کی مانند اسے گویا بہلا رہی تھی۔

"میں تمہیں معاف تو کر چکی ہوں۔ اگرچہ میرے خیال میں دوستوں سے معافی مانگنا رسم دوستی کے خلاف ہے۔ وہ تو ایک دوسرے کی کسی بات کا بُرا منایا ہی نہیں کرتے تو پھر معافی کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے۔"

اس نے عدیل کا بازو پکڑ کر اسے اٹھایا۔

"چلو اٹھو۔ منہ دھوؤ چل کر۔ کوئی تمہیں یوں دیکھ لے تو یہی سمجھے کہ آج مجھ سے تمہاری پٹائی ہو گئی۔"

اس کے حکم پر وہ اٹھا۔ اسی طرح بازو سے پکڑے پکڑے کومل اسے لے جا
کر غسل خانے میں چھوڑ آئی۔

وہ منہ دھو کر نکلا تو کومل نے اپنے بکھرے بال سمیٹ لیے ہوئے تھے۔
پاؤں میں سینڈل پہن کر، سر پر دوپٹہ اوڑھ کر اور بازو میں پرس لٹکا کر یوں
تیار کھڑی تھی جیسے کہیں جانے کا ارادہ تھا۔

عدیل کو دیکھتے ہی مسکرائی۔ بے حد دلفریب مسکراہٹ تھی۔ عدیل کھو سا گیا۔

"چلو منے! تمہیں سیر کرا لاؤں۔"

وہ شوخی سے بولی۔

"آج میرے پاس بہت پیسے ہیں۔"

"نہیں مجھے۔۔۔"

عدیل ٹالنے کی کوشش کرنے ہی لگا تھا کہ کومل اس کا ارادہ بھانپ گئی۔ اسے
بات بھی پوری نہیں کرنے دی۔

"دیکھو انکار نہ کرنا۔ اچھے بچے بن کر چپ چاپ میرے ساتھ چل پڑو۔ ورنہ
ایسا نہ ہو تمہاری سچ مچ کی پٹائی ہو جائے۔"

اس کی یہی باتیں، یہی گھاتیں، یہی بے تکلفی، یہی ادائیں تو اسے لے
ڈوبی تھیں۔

اک شکوہ بھری نگاہ کومل پر ڈالتے ہوئے وہ اس کے ساتھ چل پڑا۔
بہت خاموش تھا۔ اپنے آپ میں کھویا ہوا۔ اپنی سوچوں میں ڈوبا ہوا۔
راستہ بھر کومل کی یہی کوشش رہی کہ وہ کچھ بولے چالے۔ بہت سارے

مذاق کیے۔ بہت ساری شرارتیں کیں۔ مگر۔ اس نے تو شاید مسکرانے کی بھی
قسم کھائی ہوئی تھی۔

تنگ آ کر کومل بھی خاموش ہو گئی۔

"میں ایک سوال کرنے لگا ہوں مگر خدارا اس کا غلط مطلب نہ لیجیے گا۔"
کیفے میں چائے پیتے ہوئے آخر اس کی گھمبیر خاموشی کا حصار ٹوٹا۔

"آپ نے اپنی امی کو اس ڈاکٹر والے رشتے کی بات کا کیا جواب دیا ہے۔؟"
کومل جھوٹ نہ بول سکی۔ کہ واقعی یہ رسم دوستی کے خلاف تھا۔ اور وہ عدیل
کو اپنا بڑا پیارا، بڑا گہرا دوست سمجھتی تھی۔

جو کچھ دل میں تھا زبان پر آ گیا۔

"وہ تو قسمت کی خوبی سمجھو کہ ڈاکٹر صاحب چھ ماہ کے لیے انگلستان چلے گئے
اس لیے فی الحال تو معاملہ ٹھنڈا ہی پڑ گیا ہے۔ ویسے ان کے آنے پر پھر یہ طوفان
اٹھے گا۔ ضرور۔ مجھے ایسے لگتا ہے۔"

"تو خدا کرے وہ کبھی نہ آئے۔ وہ مر جائے۔ اس کا جہاز ڈوب جائے۔ کار
الٹ جائے۔ کوئی ہوائی حادثہ پیش آ جائے۔ کچھ ہو جائے۔ کچھ ہو جائے۔ مگر وہ
واپس نہ آئے۔"

"کیوں اس بیچارے کو بڑی بوڑھیوں کی طرح بد دعائیں دے رہے ہو۔؟"
عدیل کی اس بے ساختہ معصومیت پر کومل کی ہنسی چھوٹ پڑی۔

"تمہارا کیا بگاڑا ہے اس غریب نے۔؟"

جانے کیا ہو گیا تھا۔؟ وہ اتنا سنجیدہ تھا اور کومل کی ہنسی تھی کہ تھم ہی

نہیں رہی تھی۔

اور عدیل اپنے جذبات و احساسات میں ڈوبا تھا۔ اپنی سوچوں میں مگن یا
یہ لڑکی۔ کچھ بھی ہو۔ اس کے بغیر اس کی زندگی نامکمل تھی۔ اس کے پاس
صرف جسم ہی جسم تھا۔ اور یہ اس کی رُوح تھی۔ حرارت تھی۔

اور رُوح کے بغیر جسم بے کار ہوتا ہے۔ حرارت کے بغیر جسم زندہ نہیں
مُردہ ہوتا ہے۔

یکایک میز پر دھرے کومل کے ننھے سے، سفید سے ہاتھ پر اس نے اپنا
بھاری ہاتھ رکھ دیا۔

"کومل سنو۔ کل میں نے تم سے جو کچھ کہا تھا وہ کسی وقتی جذبے کا نتیجہ نہیں
تھا۔ بلکہ میں نے اس کل کی پُوری رات غور کیا تھا۔ آج بھی دن بھر میں اسی
مسئلے پر سوچتا رہا ہوں۔"

کومل چُپ چاپ بڑے غور سے اس کی بات سُن رہی تھی۔

"منطق، جذبات، عقل، جس پہلو سے بھی سوچوں۔ ایک ہی جواب ملتا
ہے۔ جو میں تمہیں پہلے بتا چکا ہوں۔ اب تمہارا کیا جواب ہے۔؟"

"تم عدیل! بڑے بھولے ہو۔"

کومل نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کے نیچے سے نکال لینا چاہا۔ مگر اس کی گرفت
واقعی مردانہ گرفت تھی۔!!

کسمسا کر جدوجہد ترک کر دی۔

"ایک رات سوچ کر تم سمجھتے ہو کہ تم نے اس مسئلے کے ہر پہلو کو جانچ لیا ہے

لیکن تم نے یہ بھی سوچا کہ ابھی تمہیں اپنا مستقبل سنوارنا ہے۔ اپنا کیریئر بنانا ہے
زندگی یوں صرف سوچوں اور جذبات کے ریلوں میں بہہ کر نہیں گزرا کرتی عدیل
میاں! تمہیں ابھی سے شادی کی فکر کیوں پڑ گئی۔؟"

"اوہ۔! آپ میری بات تو سمجھیے۔ میں یہ کب کہتا ہوں کہ آج ہی شادی
کرا لوں گا۔ میں انتظار کر سکتا ہوں۔ پانچ سال۔ دس سال۔ پچاس سال۔ لیکن
جب بھی شادی کروں گا۔ صرف ایک ہی لڑکی سے۔ اور وہ تم ہو کومل۔!"
اس نے گویا فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"تمہاری باتوں سے جذبات پرستی ٹپک رہی ہے عدیل۔! اگر تم کہتے ہو
کہ تم نے اس مسئلے پر رتی بھر بھی سوچا ہے تو میں کہوں گی۔ تم جھوٹ کہتے ہو۔"
اور کومل بڑی سنجیدگی سے بڑی سوچ سمجھ کے ساتھ عدیل کو سمجھانے لگی۔

"تم نے یہ فیصلہ سراسر جذبات کی رَو میں بہہ کر کیا ہے۔ اور جذبات تو سمندر
کی لہروں کی مانند ہوتے ہیں۔ جوار بھاٹے کی طرح ان میں اتار چڑھاؤ آتے ہی
رہتے ہیں۔ اور عدیل! میرے عزیز! جب اس طوفان کے بعد تمہارے جذبات
اصلی مقام پر آئیں گے تو تب تمہیں احساس ہوگا کہ یہ فیصلہ کرتے وقت تم نے
اپنی عقل کو ایک نشہ پلا کر سُن کر دیا تھا۔ ناقابلِ حصول کی خواہش کا نشہ۔؟"
وہ سانس لینے کو لمحہ بھر کے لیے رُکی۔ عدیل نے کچھ کہنا چاہا مگر ہاتھ کے اشارے
سے اس نے اُسے خاموش کرا دیا۔

"میری بات کا غلط مطلب نہ لینا عدیل! میں تمہارے لیے صرف اس وجہ
سے ناقابلِ حصول ہوں کہ ازدواجی نقطۂ نظر سے ہمارا جوڑ نہیں ملتا۔ تم ابھی

کم عمر ہو اور مَیں تم سے پانچ سال بڑی ہوں۔ یوُں بھی عورت مرد کی نسبت چھوٹی
عمر میں باشعور ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے تو میری تمہاری عمر کا بہت فاصلہ ہے۔
بہت فرق ہے۔"

"ہمارے رسولؐ کی شادی۔۔۔"

"رسولوںؐ، پیغمبروں کی مثالیں نہ دو عدیل!" کومل نے اس کی بات قطع کر دی۔

"ہم ان کے پاؤں کی خاک بھی نہیں۔ ہم وہ سب کچھ نہیں کر سکتے جو انہوں
نے کیا۔"

"لیکن ان کی مثالیں بھی تو اسی لیے ہیں کہ ہماری راہوں کی مشعل بن سکیں۔"

"تو۔ تو پھر سچی بات کہوں۔؟"

کومل عجب معنی خیز سے انداز میں مسکرائی۔

"ہمارے رسولؐ نے جہاں پندرہ سال بڑی عمر کی عورت سے شادی کی تھی
وہیں انہوں نے اور بھی بہت سی شادیاں کیں۔ جن میں ہم عمر بھی تھیں اور حضرت
عائشہ صدیقہؓ ان سے بہت چھوٹی بھی۔ کہ فطرت کے بھی کچھ قوانین ہیں۔ کچھ تقاضے
ہیں۔ تو کیا۔ تم بھی وہ فطرتی قوانین اور تقاضے پورا کرنے کے لیے مزید شادیاں
کروگے۔؟؟"

"توبہ! توبہ!! آپ کیسی باتیں کرنے لگیں۔"

کومل کے ہاتھ پر عدیل کی گرفت کچھ اور مضبوط ہوگئی۔

"میرے لیے تو صرف آپ۔۔۔"

"اب کہہ رہے ہو نا۔ صرف اب۔ جبکہ تمہارا ذہن ابھی ناپختہ ہے۔ تم ابھی

دوست اور بیوی میں تمیز کرنے کی صلاحیت کے مالک نہیں بنے۔ ایک چھوٹا سا
بچّہ ایک عمر رسیدہ بزرگ کا دوست ہو سکتا ہے۔ ایک جانور انسان کا دوست
ہو سکتا ہے مگر رفیقِ حیات کے لیے چند ایسی شرائط مقرر کر دی گئی ہیں جن کو
نباھنا ہی پڑتا ہے۔ کچھ فطرت کے اصولوں کی وجہ سے اور کچھ دنیا کے رسم و رواج
کے تحت۔ اور کچھ لوگوں کی زبانوں سے بچنے کے لیے۔"

"یہ تم کہہ رہی ہو کومل۔ تم۔ جو کہا کرتی تھیں کہ تمہیں لوگوں کی باتوں کی پرواہ
نہیں۔ ان کے بنائے ہوئے رسم و رواج کی پرواہ نہیں۔"

"عدیل! ہر باغی فتح یاب نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی شکست بھی ماننا ہی پڑتی
ہے۔ اور پھر مَیں تو ایک کمزور سی لڑکی ہوں۔"

کومل نے پژمردہ سے لہجے میں کہا۔

"مَیں پہلے ہی بغاوت کے جرم میں ملوث ہوں کہ اتنی ساری عمر ہو گئی اور
شادی نہیں کی۔ اور اب۔ دُوسرا جرم۔ اپنے سے بہت چھوٹی عمر کے۔ اوہ!
یہ نہیں ہو سکتا۔"

"نہیں کومل! تم میں اتنی ہمت ہے کہ تم چٹانوں کو بھی ہلا سکتی ہو۔ تم دنیا
سے بہت مختلف ہو۔ تم جرأت والی ہو۔"

عدیل گویا اپنی ضد پر اڑا ہوا تھا۔

"نہیں نہیں۔ میری مجبوریاں بہت زیادہ طاقتور ہیں۔ مجھ سے کہیں زیادہ۔"

کومل بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ پھر انتہائی بے بسی سے اس نے ہاتھوں
میں سر تھام لیا۔

وہ اسے بے حد اچھا لگتا تھا۔ بہت عزیز تھا اسے۔ وہ اس کا دل بھی
توڑنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اسے دکھ بھی پہنچانا نہیں چاہتی تھی۔ اور یہ رشتہ۔
اس کے ساتھ بیوی والے تعلق کے متعلق وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ آخر وہ
کس طرح اسے سمجھائے۔!

"کیا تم اس بات سے واقف نہیں کہ میں نے آج تک تمہیں ایک دوست
کے علاوہ اور کسی نظر سے نہیں دیکھا۔ میں نے ہمیشہ تمہیں اپنا ایک مخلص ترین
دوست سمجھا ہے۔ اب میں اپنے نظریات یکایک کیسے بدل لوں۔ یہ تو میرے
لیے ایک عظیم ذہنی سانحہ ہوگا۔"

"مگر کومل! دوستی ایک سنگِ میل اور شادی منزل بھی تو ہو سکتی ہے۔
آؤ ہم اپنی منزل کو پالیں۔"

"دوستی کو اتنا حقیر نہ گردانو عدیل! دوستی بجائے خود ایک منزل ہے۔
اور اس راہ کے ہم سفروں کی قدر کچھ اور ہی ہے۔ میں تم ایسے دوست کو
کسی صورت بھی کھونا نہیں چاہتی۔ خواہ تمہارا نیا روپ بہت شاندار ہو بے مثال
ہو۔ بہت اعلیٰ ہو۔ مگر۔ مجھے اس تعلق میں، اس روپ میں، تم بہت عزیز ہو۔
بے حد۔!!"

"تو گویا پھر آپ کو انکار ہے۔؟"

عدیل کے چہرے پر مایوسی کی پرچھائیاں اتنی گہری تھیں کہ کومل لرز اٹھی۔
زندگی کے چہرے پر موت کو رقصاں اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔
فوراً اپنا موڈ بدل لیا۔ چہرے کی سنجیدگی پر مسکراہٹ کی ردا تانتے ہوئے

شوخی سے بولی۔

"ارے! تم تو انکار و اقرار کی باتیں یوں کر رہے ہو جیسے قاضی ساتھ
لے کر آئے ہو۔ ابھی بہت وقت ہے۔ تم بھی سوچو۔ میں بھی سوچتی ہوں۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اور یہ یقین رکھو کہ میں اپنی خوشی پر تمہاری خوشی اور تمہارے فائدے
کو ترجیح دوں گی۔ اچھا اٹھو اب چلیں۔"

کومل نے عدیل کا ہاتھ تھام لیا۔ اسی خلوص کے ساتھ۔ اسی پیار کے ساتھ!!

"تو پھر آپ اپنا فیصلہ کب کریں گی۔؟"

راستے میں عدیل نے پھر وہی ذکر چھیڑ دیا۔ اور اب کومل نے اسے مزید
کوئی نصیحت کرنے یا سمجھانے کے بجائے دوستانہ انداز میں مشورہ دیا۔

"اچھا دیکھو۔ آج بدھ ہے۔ اگلے بدھ تک تم اس پر اچھی طرح غور کرو۔
ٹھنڈے دل سے۔ میرے لیے نہیں۔ اپنے لیے۔ پھر اس کے بعد ہم دوبارہ
اسی موضوع پر گفتگو کریں گے۔ ٹھیک ہے نا۔؟"

عدیل فوراً مان گیا۔ بارے اس نے اس موضوع پر دوبارہ گفتگو کرنے کا
وعدہ تو کیا تھا۔!

"چلیے ٹھیک ہے۔ لیکن میں اس شرط پر سوچوں گا کہ آپ بھی اس پر غور
کریں۔ اپنے لیے نہ سہی۔ میرے ہی لیے سہی۔ شاید آپ کے دل کے کسی گوشے
میں بال برابر جگہ میرے لیے بھی نکل آئے۔"

اس کا لہجہ بڑا یاس بھرا تھا۔

"بال برابر۔ ؟ ارے پگلے! سارا دل ہی تمہارا ہے۔ مگر بحیثیت دوست کے۔"

کومل نے عدیل کا ہاتھ دبایا۔

"تم مجھے بے حد عزیز ہو۔ بے حد۔!!!"

پچھلے سات دن وہ بہت خاموش رہی تھی۔ بالکل گم سُم سی۔ کہیں آئی گئی نہیں۔ کوئی کام نہیں کیا۔ ڈھنگ سے ایک دن بھی کھانا نہیں کھایا۔ نہ اپنے لباس کا ہوش تھا نہ اپنی ذات کی پرواہ۔!

امّی، ابّا، فریحہ، کنیز۔ سب نے ہی فرداً فرداً اس کی وجہ پوچھی۔ مگر وہ کسی کو بھی تسلی بخش جواب نہ دے سکی۔

دیتی بھی کیا۔ ہر ایک کے خیال کی تان آخر یہیں آکر ٹوٹتی تھی۔ کہ کہیں اس کی طبیعت تو خراب نہ تھی۔

جھوٹ بھی نہ بول سکی۔ ورنہ کسی اور طرح ٹال مٹول کرنے کی نوبت ہی نہ آتی۔ طبیعت کی خرابی کا سُن کر کسی نے بھی کوئی دوسرا سوال نہیں کرنا تھا۔ مگر۔ طبیعت بھی خراب نہیں۔ بس پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔"

امّی ابّا نے تو کوئی معنی خیز نظر اس پر نہیں ڈالی کہ انہیں اپنی دانشمند بیٹی پر مکمل بھروسہ اور اعتماد تھا۔ مگر فریحہ عجیب انداز میں اسے دیکھتی رہی۔
کنیز البتہ ہمیشہ سے زیادہ اس کا خیال رکھ رہی تھی۔ جانے اس کی کومل بی بی کو اندر ہی اندر کیا پریشانی تھی۔ اس کا خلوص، اس کی وفا اپنی کومل بی بی کی سب فکریں، سب پریشانیاں اپنے اندر سمیٹ لینا چاہتی تھی۔ مگر وہ بتا ہی کچھ نہیں رہی تھیں۔

تب۔ بدھ کا دن آ گیا۔ فریحہ یونیورسٹی چلی گئی۔ ابّا دفتر اور امی کنیز کو ساتھ لیے کمروں کی صفائی اور باورچی خانے کے کاموں میں لگ گئی تھیں۔
کہ۔ عدیل آ گیا۔ گو وہ وعدہ کے مطابق آیا تھا۔ مگر کومل کو اس کی آمد کی اس وقت توقع نہ تھی۔ یونیورسٹی اسے بھی تو جانا تھا۔ مگر وہ تو چھٹی ہی کر بیٹھا تھا۔

اسے دیکھ کر کومل کچھ پریشان سی ہو گئی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ بُدھ کا دن کبھی نہ آئے۔ مگر دن بھی آ گیا تھا اور عدیل بھی۔
خلافِ معمول آج اس کا لباس ملگجا سا ہو رہا تھا۔ لمبی چوٹی پیچھے لٹک تو رہی تھی مگر اُلجھی اُلجھی سی۔ جیسے پچھلے دو دن سے اس نے بالوں کو سنوارا نہ تھا۔
سُرخ و سپید چہرہ پچھلے دنوں کی نسبت پیلا سا پڑا ہوا تھا۔ اور آنکھوں میں بے خوابی کے گلابی گلابی ڈورے۔
اس کے برعکس عدیل بڑے خوشگوار موڈ میں تھا۔ نکھرا نکھرا چہرہ، صاف سُتھرا لباس۔ سلیقے سے بنے ہوئے بال۔ اور۔ آنکھوں میں چمکتے ستارے اور ہونٹوں

پر تبسم کی بجلیاں۔!
"کومل! میں نے ایک ایسا پروگرام سوچا ہے کہ سنیں گی تو میری عقل کی داد دیئے بنا نہ رہ سکیں گی۔"
وہ اپنے اندر کی خوشیوں میں ایسا مدہوش تھا کہ کومل کا یہ حلیہ بھی اسے چونکا نہ سکا۔ کوئی جواب دینے کے بجائے کومل خاموشی سے اسے تکے جا رہی تھی۔
"سنو۔ اگر میں اس سال ایم۔ اے کر لوں تو پھر میں اعلیٰ ملازمتوں کے امتحان کی تیاری شروع کر دوں گا۔ میں خوب محنت کروں گا۔ خوب محنت کرونگا۔ اور تم میرے لیے دعا مانگنا۔ پھر یقیناً میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ میری محنت اور تمہاری دعائیں۔ کامیابی یقینی۔!"
"ہاں ہاں پھر۔؟" کومل قدرے اُلجھی۔
"پھر۔؟ بس۔ کامیابی کے بعد ایک دو انٹرویو۔ پھر ٹریننگ۔ اور پھر ملازمت۔ لوجی۔ ہم تو اپنے قدموں پر کھڑے ہو گئے۔"
بڑے مسرور لہجے میں اس نے بتایا۔
"اور پہلے تمہارا کیا کرنے کا ارادہ تھا۔؟"
کومل جھنجھلا پڑی۔ کیسی بے تکی ہانک رہا تھا۔
"پہلے کی نہ پوچھیں۔" مسکراتے ہوئے وہ ہولے سے بولا۔
"پہلے تو شاید ایم۔ اے میں ہی دو چار سال لگا لیتا کہ یہ طالب علمی کی فراغت بھری زندگی بہت اچھی لگتی تھی۔"
"تو پھر وہی پروگرام ٹھیک رہے گا۔"

اس کی بات سمجھ کر عدیل نے شکوہ بھری نگاہ سے اسے دیکھا۔

"آپ شاید مجھے پاگل سمجھتی ہیں۔"

اس کا لہجہ، اس کا انداز یکدم بڑا افسردہ ہو گیا تھا۔ اور اس کی افسردگی کومل کو قدرے بے چین سی کر گئی۔ اس کی خاطر جھٹ سے مسکراتے ہوئے بولی۔

"وہ تو میں مذاق کر رہی تھی۔"

پھر اس نے بڑی کوشش سے اپنے موڈ کو خوشگوار بنایا۔

"ہاں پھر۔ تم اپنا کوئی پروگرام مجھے بتا رہے تھے۔"

"ہاں۔" کومل کو متوجہ پایا تو اس کی آنکھوں میں بے شمار ستارے جاگ پڑے اس کا ہاتھ تھام کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"اب تو میری منزل میرے سامنے ہے نا۔ میری زندگی کے پروگرام ہی بدل گئے۔ پہلے سنجیدہ نہیں تھا۔ اب سنجیدگی اور ایمانداری سے سب کچھ کروں گا۔"

کومل نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں سے نکالنے کی کوشش کی مگر اس کی گرفت بہت مضبوط تھی اور خود وہ اپنے ہی من میں کھویا کہے جا رہا تھا۔

"یوں زیادہ سے زیادہ مجھے تین سال کی مدت درکار ہو گی۔ مجھے یقین ہے ان تین سالوں میں میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاؤں گا۔ کہ میرا روشنی کا مینار میرے سامنے ہے۔ میں بھٹکوں گا نہیں۔ پھر۔ تین سال بعد۔ ہماری شادی ہو گی۔ تم اتنا عرصہ میرا انتظار کرو گی نا۔؟ صرف تین سال۔"

"تو گویا تمہارے سر سے ابھی وہ بھوت اترا نہیں۔"

کومل کی کمزور سی آواز ابھری تو۔ عدیل نے اپنی گم شدگی میں سے خود کو پالیا۔

چونک کر اس نے کومل کو دیکھا۔ اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ عدیل نے اسے زور سے مسل ڈالا۔

"میرے خیالات و جذبات کو آپ بھوت کہہ کر انہیں کی نہیں میری بھی ہتک کر رہی ہیں۔"

پھر اس نے اس کا ہاتھ پرے پھینک دیا۔ اسی معصوم ادا کے ساتھ۔ اور اسی ہمیشہ والے معصوم انداز میں روٹھ کر پرے ہٹ گیا۔

وہ مسکرائی۔ بڑی افسردہ سی مسکراہٹ تھی۔

"بڑی جلدی روٹھ جاتے ہو۔"

"آپ جو ایسی بات کرتی ہیں۔"

"تو۔ تو عدیل! تم کسی صورت بھی نہ مانو گے۔؟"

کومل نے مایوس سے لہجے میں پوچھا۔

"اب تو چھٹکارا پانے کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے۔"

"وہ کیا۔؟" کومل نے جھٹ سے پوچھا۔

جیسے ڈوبتے ڈوبتے ہاتھ میں کوئی تنکا ہی آنے کی امید پیدا ہو جائے۔

"یہی کہ۔ آپ آج سے میرے ساتھ سارے تعلقات منقطع کر لیں۔ پھر جب میں ملوں گا ہی نہیں تو یہ سارے جھگڑے خود بخود ختم ہو جائیں گے۔"

"خیر۔ یہ تو ناممکن ہے۔"

کومل نے بلا سوچے سمجھے کہہ دیا۔ کہ عدیل اسے اتنا اچھا لگتا تھا۔ اتنا اپنا لگتا تھا کہ اس سے تعلقات منقطع کر لینے کا وہ تصور ہی نہیں کر سکتی تھی۔

"یہ ناممکن ہے تو پھر میرا پروگرام، میرا ارادہ بالکل ممکن اور برحق۔!"

وہ بڑے خوشگوار لہجے میں بولا۔

وہ بڑی پژمردہ اور اُلجھی اُلجھی سی تھی۔ جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

"میں تمہارے انکار کی وجہ بھی سمجھ گیا ہوں۔"

"کیا۔؟" کومل چونکی۔

"وہی۔ آئیڈیل کی تلاش۔!"

"ارے گولی مارو اس آئیڈیل وائیڈیل کو۔"

کومل جل کر بولی۔

"نہیں کومل۔!" وہ یکدم پھر سنجیدہ ہو گیا۔

"مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میں آپ کے آئیڈیل کی خاک پا کے بھی برابر نہیں۔ اور جس آئیڈیل کے لیے آپ نے اتنے اچھے اچھے رشتے ٹھکرا دیئے ہیں کوئی وجہ نہیں کہ آپ مجھے انکار نہ کر دیں لیکن۔ مجھے میرا آئیڈیل مل گیا ہے۔ اور میں کوشش کروں گا کہ مجھ میں ہی آپ کو بھی اپنا آئیڈیل مل جائے۔"

"عدیل۔!" جس سنجیدگی سے اس نے کہا تھا اسی سنجیدگی سے کومل بولی۔

"آئیڈیل سوچنے کے لیے ہوتے ہیں حاصل کرنے کے لیے نہیں۔ اور جو حاصل ہو جائے وہ آئیڈیل ہی نہیں۔"

"خیر چھوڑیئے اس بات کو۔ یہ بتایئے کہ گزشتہ آٹھ دن میں آپ نے کیا سوچا ہے۔؟"

"میں تو یہ سوچ کر ہی لرز جاتی ہوں کہ تمہاری زندگی کا سکون میری وجہ سے لٹ جائے گا۔ تمہاری بربادی کا اگر کوئی باعث ہو گا تو وہ میں ہوں گی۔ میں۔ عدیل میں۔! کومل۔! جو خود کو تمہارا مخلص ترین دوست کہتی ہے۔ جسے تم اتنے عزیز ہو کہ تمہاری معمولی سی خوشی کے لیے جان دے سکتی ہے۔ وہی کومل تمہاری بربادی کا باعث بنے گی۔"

"بربادی۔؟" یہ آپ کیا کہے جا رہی ہیں۔؟ کون سی بربادی، کس کی بربادی۔!"

"نفسیات میں میرا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ میرا تجربہ تم سے بہت زیادہ ہے عدیل۔! انہیں کی روشنی میں میں یہ سب کہہ رہی ہوں۔"

"کیا۔؟"

"کہ میرے ساتھ شادی کرنے والی تمہاری یہ ضد غلط ہے۔ جتنا میں نے سوچا ہے اتنا ہی میرے دماغ نے میری عقل نے مجھے یہی سمجھایا ہے کہ آخر اس کا انجام پچھتاوے اور محض پچھتاوے ہی ہو گا۔"

"کیسے پچھتاوے۔ کس پر پچھتاؤں گا۔؟"

"اس وقت پر۔ اپنے اس قدم پر۔ جو تم اتنے اعتماد اور وثوق سے اٹھانے کو کہہ رہے ہو۔ لیکن اس وقت پانی سر سے گزر چکا ہو گا۔"

کومل کی آواز بھرآئی جا رہی تھی۔ خاموش ہو گئی۔

عدیل حیرت میں ڈوبا اسے تک رہا تھا۔

بھلا کومل اتنی سنجیدہ کیوں ہوئی جا رہی تھی۔؟ اتنی پریشان کیوں ہوئی جا رہی تھی۔؟ اور اتنا سوچ کیوں رہی تھی۔؟ شادی ہی ہونا تھی نا۔ جو ہر لڑکی

کی ہوتی ہے۔

"ایک سوال پوچھوں عدیل۔؟"

چند لمحے خاموش رہ کر کچھ سوچنے کے بعد وہ بولی۔

"پوچھیے۔"

"فرض کرو میں تمہیں کہہ دوں کہ میں تم سے شادی نہیں کر سکتی۔ یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔ تو۔؟ تم کیا کرو گے۔؟"

"میں۔ میں زہر پھانک۔۔ لوں گا۔ دریا میں کود جاؤں گا۔ یا چلتی گاڑی کے نیچے سر دے دوں گا۔ جس زندگی میں آپ نہیں وہ زندگی مجھے قبول نہیں۔"

عدیل انتہائی جذباتی انداز میں کہہ گیا۔

"مجھے علم نہ تھا کہ تم اس قدر جذباتی ہو عدیل! زندگی اس قدر حقیر شئے نہیں کہ اسے اپنے ساتھی کی تلاش میں کھو دیا جائے۔ خودکشی تو فرار کا بھیانک ترین راستہ ہے۔ حقیقت اور سچائی سے فرار کا۔ یہ بزدلانہ حرکت تم کرو گے۔؟ میں تمہیں اتنا پست ہمت نہیں سمجھتی تھی۔"

عدیل چپ چاپ سر جھکائے اس کی سنتا رہا۔ جواب میں کچھ نہیں بولا۔

کومل خوش ہوئی۔ اس پر اس کی نصیحتوں کا اثر ہو رہا تھا۔

"اچھا فرض کرو۔ تم ان میں سے کچھ بھی نہ کرو۔ تب۔؟ پھر تم کیا کرو گے۔؟"

"تو میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔"

اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"آپ کی جگہ اور کوئی لڑکی نہیں لے سکتی۔ کوئی نہیں۔ کوئی بھی نہیں۔"

"پھر تم مجھے ملا کرو گے۔؟"

"ملا کروں گا۔؟"

اس نے تعجب بھری نگاہ سے کومل کو دیکھا۔

"میں یہ شہر، یہ ملک، اپنا گھر، والدین۔ سب کچھ ہی چھوڑ دوں گا تو پھر آپ کو کیسے ملوں گا۔ آپ مصروف رہیے اپنے آئیڈیل کی تلاش میں۔ آپ اپنے لیے خوشیاں ڈھونڈیے۔ پائیے۔ اور خوش رہیے۔ پھر۔ پھر مجھ تباہ حال سے آپ کو واسطہ بھی کیا۔"

"تم کس قدر بے رحم ہو۔ کتنے سنگدل ہو۔"

کومل روسی پڑی۔

"جانے تم کچھ بھی کیوں نہیں سوچتے۔ سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔"

"اچھا تو بتائیے آپ کا آخری فیصلہ کیا ہے۔؟"

عدیل نے بات ختم کرنے کے لہجے میں کہا۔ کومل اس کے چہرے کی طرف بغور دیکھ رہی تھی۔

اس کے انداز میں، اس کے لہجے میں ایسی سختی تھی، اس کے چہرے پر ایسا عزم تھا کہ راہ کی کوئی چٹان، دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا بند بھی اس طوفان کو نہیں روک سکتا تھا جو اس وقت اس کے سر میں سمایا تھا۔

اس میں ٹکرا جانے کی، سب کچھ ساتھ بہا لے جانے کی سی تندی تھی۔

اور وہ۔ وہ اس کی دوست تھی۔ اس کی بربادی اپنی آنکھوں سے نہیں

دیکھ سکتی تھی۔ خود برباد ہو سکتی تھی مگر اپنی وجہ سے کسی اپنے کو برباد ہوتا دیکھنے
کی اس میں ہمت تھی نہ طاقت ۔!!

"خدا گواہ ہے کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ پوری طرح۔ میں نے
ہر آنے والے خطرے سے تمہیں آگاہ کر دیا ہے۔ تم پھر بھی اپنی بات منوانے
پر اڑے رہو تو۔ تو تمہاری مرضی۔ مجھے بہر حال تمہاری خوشی عزیز ہے۔ اپنی
خوشیوں سے زیادہ تمہاری خوشی۔!"

"کومل۔!" وفورِ مسرت سے وہ چیخ سا پڑا۔

"تم کتنی اچھی ہو۔ تم کتنی عظیم ہو۔"

اس نے اسے بازوؤں میں بھر کر جکڑ دیے ڈالا۔ وہ تو بالکل ہی دیوانہ ہو
گیا تھا۔

"میں جانتا تھا کہ تم مجھے نہیں ٹھکراؤ گی۔ تمہارا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولوں
گا۔ اس کے بدلے میں میں دنیا بھر کی خوشیاں تمہارے قدموں میں لا ڈھیر کروں گا۔
میں تم پر سے اپنی زندگی، اپنی محبت، اپنا تن من، سب کچھ قربان کر دوں گا۔
تمہاری اِک اِک مسکراہٹ کے لیے میں اپنی ہستی تک مٹانے میں کوئی کسر نہیں
چھوڑوں گا۔ تم دیکھنا تو سہی۔"

وہ جنونی انداز میں جانے کیا کیا کہے جا رہا تھا۔ اسے کچھ ہوش نہ تھا۔

"اب آج سے باجی واجی آپ واپ سب ختم۔ کوئی بڑا پن۔ کوئی چھوٹا پن
نہیں۔ آج سے ہماری دوستی نے ایک نیا روپ دھار لیا ہے۔ آج سے تم میری
صرف کومل ہو۔ منی سی کومل۔ ! عدیل کی کومل۔!!"

مگر کومل ان سب باتوں سے بے نیاز کسی گہری سوچ میں غرق تھی۔ وہ
اپنی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں سے بھی بے نیاز تھی۔

اور۔ عدیل کہے جا رہا تھا۔

"کومل! صرف تین سال کی بات ہے۔ اور یہ تین سال تو پلک جھپکتے میں
گزر جائیں گے۔ پھر ہم ایک دوسرے کے ہو جائیں گے۔ صرف تین سال پھر
تم۔ میں۔ کومل۔ عدیل۔ دونوں کی ایک راہ۔ ایک منزل۔ ہم مل کر اک نیا جہاں
آباد کریں گے۔ جہاں محبتیں ہوں گی۔ چاہتیں ہوں گی۔ پیار ہو گا۔ خلوص ہو گا۔
خوشیاں ہوں گی۔ اور۔ اور۔ اور۔"

اور کومل کی آنکھوں سے ٹوٹتے بکھرتے ہوئے ایک ایک موتی میں وہ اپنی
ہی شبیہہ دیکھ رہا تھا کہ اس کے خیال میں یہ خوشی کے آنسو تھے۔

کومل کی آنکھ سے گرنے والا ہر موتی مقدس تسبیح کا دانہ تھا۔ چونک کر اس
نے اپنا رومال آگے کر دیا۔

بہت دن ہوئے کومل نے گدیوں کے لیے بڑے خوبصورت غلاف کاڑھے
تھے۔ امی بیٹھیں انہیں ہی سی رہی تھیں۔ اور گدیوں پر چڑھا رہی تھیں۔
کومل چپ چاپ آکر پاس بیٹھ گئی۔
امی اپنے کام میں لگی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد نگاہ اٹھا کر دیکھ لیتیں
نہ وہ کوئی بات کر رہی تھی۔ نہ کوئی کام۔ بس خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی ناخنوں
کو کریدے جا رہی تھی۔
اس کا یہ انداز۔ ہمیشہ سے بہت مختلف تھا۔ وہ تو یوں بے کار بیٹھنے والی
نہ تھی۔ یوں وقت ضائع کرنے والی نہ تھی۔ ضرور کوئی بات تھی۔
تب امی نے پوچھ ہی لیا۔ اور وہ۔ جو اتنی دیر سے پریشان اور مضطرب
سی بیٹھی تھی۔ چونک پڑی۔

عدیل کے ساتھ اس نے شادی کا وعدہ کر لیا تھا۔ اور گھر میں کسی کو اس بات
کا علم ہی نہیں تھا۔ اس کے سینے پر اک بڑا بوجھ سا تھا۔ اور وہ امی کو جلد از جلد سب
کچھ بتا کر یہ بوجھ ہٹانا چاہ رہی تھی۔
گو اس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ ایک زندگی کو تباہی کے گڑھے میں
گرنے سے بچایا ہی تھا۔ کام اچھا تھا۔ نیکی کا تھا۔
پھر نجانے کیوں وہ امی کو بتانے میں ہچکچاہٹ سی محسوس کر رہی تھی۔
امی نے دوبارہ پوچھا تو اس نے ہمت کر کے ہولے ہولے انہیں وہ بات
بتا دی جو بڑی دیر سے اس کے اضطراب کا باعث بنی ہوئی تھی۔
"ہائیں۔!" گدیاں، غلاف چھوڑ چھاڑ، وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔
"بیٹی! تو نے ہاں کرتے وقت یہ نہ سوچا کہ تیرے ابا کسی اور کو زبان دے
چکے ہیں۔"
"مگر امی۔۔" وہ سٹپٹا گئی۔ یہ تو اسے خیال ہی نہیں آیا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے
بھی اس کے ذہن میں نہیں آیا تھا۔
"اب مگر وگر کیا کرتی ہو۔؟"
اس کی توقع کے خلاف امی کو بے حد غصہ آگیا تھا۔
"مجھے پہلے ہی شک تھا کہ روز روز کی ملاقاتیں، یہ اکٹھے آنا جانا، اور گھنٹوں
بیٹھ کر کی جانے والی باتیں، ایک نہ ایک دن رنگ ضرور لائیں گی۔"
"امی۔ آپ مجھے شک کی نگاہ سے دیکھ رہی ہیں۔"
اس نے حیرت سے ماں کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس مشفق اور ممتا سے بھر

چہرے کی طرف۔ جہاں آج ہمیشہ کی نسبت بہت مختلف عکس لہرا رہے تھے۔

غصہ۔ پریشانی اور بے اعتمادی۔!!!

"میرے شک کی نگاہ سے دیکھنے یا نہ دیکھنے سے کیا فرق پڑتا ہے بیٹی۔! اتنا تو سوچا ہوتا کہ لوگ کیا کہیں گے۔ وہ تو پہلے ہی باتیں بناتے تھے۔ کہ جوان لڑکے کا گھر میں اس طرح کھلے بندوں آنا جانا اچھا نہیں۔ اور اب۔"

امی کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔

"جبکہ ان کے بدترین شبہات درست ثابت ہوں گے تو وہ کیا کیا کچھ نہ کہیں گے۔"

"مگر امی۔! لوگوں کے خوف سے کوئی زندہ رہنا تو نہیں چھوڑ سکتا نا۔"

اس کے اندر بغاوت کے جذبے نے کروٹ لی۔ اسے لوگوں کی یہ باتیں بنانے والی ادا ہمیشہ سے ناپسند رہی تھی۔

"اگر ہم لوگوں کے معاملات میں دخل نہیں دیتے تو ان کو کیا حق۔۔۔"

"حق۔؟" امی نے اس کی بات کاٹ دی۔

"لوگوں کو ہر حق پہنچتا ہے بیٹی۔! تم ابھی جوان ہو۔ تمہارے خون میں جوش ہے۔ گرمی ہے۔ جب میری عمر کو پہنچو گی تب تمہیں احساس ہو گا کہ لوگوں سے ڈرنا نہ سہی لیکن ان کے بالکل مخالف نہ چلنا ہی صحیح راستہ ہے۔"

امی کی بزرگی کا احترام کرتے ہوئے ان کی ہر بات کو وہ ہمیشہ جلد تسلیم کر لیا کرتی تھی۔ اپنی غلطی نہ بھی ہو تب بھی مان ہی جایا کرتی تھی۔

"اچھا پھر مجھے بتائیے میں اب کیا کروں۔؟"

"اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا بیٹی۔!"

اس نے ہتھیار ڈالے تو امی بھی نرم پڑ گئیں۔

"اب تم زبان دے چکی ہو۔ لیکن میرے خیال میں تمہیں ہاں کرنے سے پہلے مجھ سے مشورہ کر لینا چاہیے تھا۔"

بے شک بعد از وقت تھا مگر امی نے پھر بھی اسے نصیحت کرنا ضروری سمجھا۔

"یہ بجا ہے کہ اب تم بالغ اور سمجھدار ہو لیکن بیٹی! عقل اور تجربہ دو مختلف چیزیں ہیں۔"

کومل نے بڑی ایمانداری سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔

"مجھے واقعی آپ سے اجازت لینا چاہیے تھی۔ مگر عدیل نے کچھ اس انداز اور شدت سے تقاضا کیا کہ خود مجھے بھی سوچنے سمجھنے کا موقع نہ مل سکا۔ مشورہ یا اجازت تو بعد کی بات ہے۔"

"ہاں بیٹی! دل کے معاملے میں ہر شخص۔۔۔"

"امی۔!" کومل کو جیسے انہوں نے گالی دے دی تھی۔ وہ یونہی تڑپ کر بولی۔

"میں آپ کی ایک غلط فہمی دُور کر دینا چاہتی ہوں۔ اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ مجھے عدیل سے کوئی عشق وشق ہے۔ تو بخدا یہ غلط ہے۔ سراسر غلط۔ ہاں وہ مجھے اچھا لگتا ہے۔ مجھے بے حد عزیز ہے۔ مگر صرف بطور ایک دوست کے۔"

"یہ لڑکے لڑکیوں کی آپس کی دوستی کا تُک میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

امی جل کر بولیں۔

"کیا اسے کوئی لڑکا اور تمہیں کوئی لڑکی دوست بنانے کو نہیں ملتی تھی"؟

"آپ بھی کیسی باتیں کرتی ہیں امی۔؟ جب دوستی میں جنس کا عنصر ہی نہیں۔ اس کا عمل دخل ہی نہیں تو پھر جنس کے فرق کا احساس دوستی کے اصولوں کے خلاف ہے"۔

"مجھے تمہارا فلسفہ نہ آج تک سمجھ آیا ہے اور نہ ہی آئے گا۔ اب جو ہونا تھا سو ہو چکا۔ تم نے ہاں کہہ دی۔ اس نے یقیناً اپنے گھر میں بات کر دی ہوگی۔ اب معاملہ ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ لہذا"۔

امی کچھ خاموش سی ہوگئیں۔ جانے ان کی چھٹی حس انہیں کیا سوجھا رہی تھی

"اب تو میں تمہارے لیے دعائیں ہی مانگ سکتی ہوں"۔

وہ ہولے ہولے بڑبڑانے لگیں۔

"آج تمہارے ابا سے بات کروں گی۔ لیکن انہوں نے بھی تو خود ہی تم دونوں کو سر چڑھا رکھا ہے"۔

وہ زیرِ لب کچھ اور بھی کہے جا رہی تھیں مگر کومل چپ چاپ وہاں سے اُٹھ گئی۔

من کے اندر عجیب سی پریشانی اور بے کلی اتری جا رہی تھی۔!

یہ دنیا کیسی تھی۔؟ وہ تو ایک زندگی کو تباہ ہونے سے بچا رہی تھی۔

اور۔ اور۔ یہ سب کی سوچیں۔!

اوہ۔ یہ سب کیا تھا۔؟ یہ سب کیا تھا۔؟؟

انہیں سوچوں میں کھوئے کھوئے کئی گھنٹے گزر گئے۔ دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا گیا۔ امی نے بھی زور نہیں دیا۔ شاید ابھی تک انہیں اس پر غصہ تھا۔ چپ چاپ کمرے میں پڑی رہی۔ جانے کیا وقت تھا۔؟ ارد گرد کا کوئی ہوش ہی نہیں تھا۔

تب۔ ابا کے کھنکھارنے کی آواز پر ہی اسے اپنے پراگندہ خیالات سے چھٹکارا ملا۔ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دوپٹہ ٹھیک طرح اوڑھا۔

"مجھ سے تمہاری امی نے بات کی ہے"۔

وہ کومل کے پاس ہی آ بیٹھے۔ ابا نے ہمیشہ اس کے ساتھ اولاد کی بجائے دوستانہ قسم کے تعلقات رکھے تھے۔ تبھی تو وہ خود اس کے پاس آ گئے تھے۔

"مجھے تم پر بہت اعتماد ہے بیٹے۔! تمہاری پسند کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔ اور پھر تمہیں اپنا رفیقِ حیات چننے کا پورا پورا حق حاصل ہے"۔

گو انہیں احساس تھا کہ انہیں اپنے دوست کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا مگر پھر بھی انہوں نے بہت فراخدلی کا ثبوت دیا۔

"ابا جی۔!" کومل نے باپ کے کندھے کے ساتھ اپنا سر ٹکا دیا۔

امی نے جو تھوڑی سی سرزنش کی تھی۔ جو تھوڑا سا غصے کا اظہار کیا تھا۔ شاید اس سلوک کی تلافی باپ کی طرف سے تسلی و تشفی کرا کے کرنا چاہتی تھی۔ کوئی ہمدردی بھرے چند الفاظ سن کر دل کی بے کلی کو قرار بخشنا چاہتی تھی۔

ابا نے اس کے سر کو تھپتھپایا۔ اس کے اُلجھے اُلجھے بالوں کو ہاتھوں سے درست کرتے ہوئے بولے۔

"مگر بیٹے! تم نے اس بات پر غور کیا ہے کہ لڑکا تم سے کئی سال چھوٹا ہے۔ اور عمروں کا اتنا فرق ذہنی پختگی کے فرق کا مظہر بھی ہو سکتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم دونوں کا یہ فرق خدانخواستہ تمہاری۔۔۔ لاحول ولا قوۃ۔ میں بھی کیسی باتیں سوچنے لگ گیا ہوں۔"

وہ مسکرائے۔

"اچھا بیٹی! خدا تمہیں سدا خوش رکھے۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں کسی قسم کا فکر نہ کرنا۔ تم نے جو فیصلہ کیا ہے۔ دُرست ہے۔ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔"

اس کے فیصلے کو تسلیم کرنے کے بعد گو ابا نے عجیب ٹوٹے پھوٹے سے فقروں اور الفاظ میں اپنا ووٹ اس کے حق میں دے دیا تھا مگر امی کو بتانے کے بعد جو پریشانی لے کر وہ ان کے پاس سے اٹھی تھی۔

ابا کے انہیں بے ربط فقروں نے اس پر تسلی کا پھاہا رکھ دیا۔

جیسے ابا نے اس کی پرابلم سمجھ لی تھی۔ انہوں نے کوئی غلط معنی نہیں پہناتے تھے۔ ان میں کوئی غلط تعلق قائم کر لیا تھا۔

عمر کے فرق کا انہوں نے اسے احساس دلانے کی یا سمجھانے کی جو کوشش کی تھی۔ وہ تو خود اس کی اپنی نگاہ میں تھا۔

اور یہ سب کچھ تو وہ اس نادان کو بھی سمجھا چکی تھی۔

اور آج ابا کی ہستی اور ان کی دوستی پہ اس کا اعتماد کچھ اور مضبوط ہو گیا۔

نیم گرم پانی کے غسل نے نہ صرف اس کے تن کو ہی بلکہ ذہن کو بھی بڑی آسودگی بخشی۔ ہلکے پیازی لباس میں وہ خود کو بڑا تر و تازہ محسوس کر رہی تھی۔

بھیگے بھیگے بالوں میں برش پھیرتے ہوئے وہ پھر سوچوں میں کھو گئی۔ اور اب۔ اس کی سوچوں میں صرف عدیل تھا۔

بڑی عجیب سی سوچیں تھیں۔ اس پر غصہ بھی نہیں تھا۔ ناراضگی بھی نہیں تھی۔

کس قدر ضدی پن سے اس نے اپنی اتنی بڑی بات منوالی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی مگر پھر بھی جانے کیوں وہ مان گئی تھی۔ ۔؟کیوں۔؟؟

بڑی دلفریب سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بکھر اٹھی۔

"پاگل۔!" اس کی بڑبڑاہٹ سے ہی جیسے پیار جھلک رہا تھا۔

"باجی۔!"

کومل نے چونک کر سر اٹھایا۔ فریحہ عجب عالم میں اس کے سامنے کھڑی تھی۔

کومل نے غور سے دیکھا۔

آنکھوں میں ایسی شعلوں کی لپک تھی جیسے ابھی سب کچھ جلا کر راکھ کر دیگی۔

"باجی۔!" اس کی آواز میں کڑک کے ساتھ ساتھ غصے کی کپکپاہٹ بھی تھی۔

"کیا امی سچ کہتی ہیں کہ آپ اور عدیل۔"

جانے اسے کیا ہو گیا تھا۔؟ کومل کو ہنسی آ گئی۔

اس نے اپنی زندگی کا فیصلہ کیا تھا۔ جس کا ہر انسان کو پورا حق حاصل ہے۔

پھر دوسرے لوگ اس اس انداز میں اس کے ساتھ کیوں پیش آ رہے تھے۔؟

امی کے بعد اب فریحہ یوں آگ بگولہ ہوتی آئی تھی۔ عجیب ہی بات تھی نا۔!

فریحہ کی کڑک کا اس نے بڑی نرمی بھری مسکراہٹ سے جواب دیا۔

"ہاں فری! امی نے ٹھیک کہا ہے۔"

اور کومل کا یہ ٹھنڈا میٹھا لب و لہجہ فری کے تن بدن میں مزید آگ بھڑکا گیا۔

"مجھے تو پہلے دن سے ہی یہ بات کھٹکتی تھی کہ۔"

"کیا بات کھٹکتی تھی تمہیں۔؟"

کومل کو بھی غصہ آ گیا۔ فری اس کی چھوٹی بہن تھی۔ اسے اس کے ساتھ اس انداز میں بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔

"یہی جو آپ عدیل پر ڈورے ڈال رہی تھیں۔"

ایسی بے ہودہ سی بات یوں واضح طور پر وہ اس کے منہ پر کہہ دے گی۔

یہ اسے توقع ہی نہ تھی۔

"فری۔!" وہ بھی غصے میں کانپ اٹھی۔

"ہوش میں آؤ میں تمہاری بڑی بہن ہوں۔"

"میری کوئی بہن وہن نہیں۔"

"لیکن تمہیں آخر اتنا غصہ کیوں چڑھا ہوا ہے۔؟"

کومل اپنے مزاج اور صلح پسند طبیعت کے مطابق جھٹ سے نرم پڑ گئی۔

"مجھے معلوم تھا کہ ان طویل ملاقاتوں اور سیر سپاٹوں کے پس پردہ آپ کا مقصد کیا تھا۔؟"

"یہ تم کیا کہے جا رہی ہو۔؟"

"باجی! مجھے اتنی بیوقوف نہ سمجھو جتنی تم آج تک سمجھتی آئی ہو۔ مجھے اچھی طرح علم ہے کہ کس طرح عدیل کو مجھ سے جدا کر کے تم نے اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔"

"یہ تم کیا بک رہی ہو۔؟"

وہ تو جیسے اس کی کچھ سن ہی نہیں رہی تھی۔ یا سننے کی حس ہی ختم کر بیٹھی تھی۔ صرف بولنے کی اس میں قوت تھی۔

"خدا خبر اس کو کون کون سے سبز باغ دکھائے کہ وہی عدیل جو یونیورسٹی میں سارا سارا دن میرے ساتھ رہتا تھا اب مجھ سے بات ہی نہیں کرتا۔ اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہے باجی۔! صرف تمہاری وجہ سے۔ تم نے میرا دوست مجھ سے چھین لیا ہے۔ آخر آپ کو حق کیا پہنچتا تھا۔"

بولتے بولتے اس کی آواز بھرّا گئی۔

"فری! تم بالکل پاگل ہو۔ دوستی تو انسان کی ایک وقت میں ایک سے زیادہ لوگوں کے ساتھ ہو سکتی ہے۔"

کومل بڑے ٹھنڈے لہجے اور دھیمی آواز میں بولی۔

"اور یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ میں نے اسے تمہاری طرف سے بدظن کر دیا ہے۔ کیا تمہارے خیال میں وہ بیک وقت ہم دونوں کا مشترکہ دوست نہیں ہو سکتا تھا۔؟"

"اور اگر یہی سوال میں آپ سے پوچھوں تو۔؟"

فریحہ اس طرح چمک کر بولی۔

"پوچھ سکتی ہو۔ میں جواب بھی دے سکتی ہوں۔ مگر اس وقت تم غصے میں ہو فری۔! اور اس وقت تمہارے کان، تمہارا دل، تمہارا دماغ۔ سب غصے کے زہر سے لبریز ہیں۔ اس لیے اس وقت تمہیں کچھ بھی بتانا، سمجھانا بے کار ہے۔"

کومل نے اسے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"میں تو خیر جو سمجھوں گی وہ دیکھا جائے گا۔ مگر باجی! خدا کی قسم میں آپ کو اتنا۔ اتنا۔ چالاک نہیں سمجھتی تھی۔"

یہ کہہ کر وہ اسی طرح شعلے برساتی آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے واپس چلی گئی۔

کومل مسکرائی۔

"کہنا کچھ اور چاہتی تھی۔ مگر نہ جانے کیوں رُک گئی۔ شاید مجھے ذلیل یا

نیچ کہنا چاہتی تھی۔

کیا میں واقعی ذلیل ہوں۔؟ کیا میں واقعی ایک نیچ حرکت کی مرتکب ہوئی ہوں۔؟؟ کیا ایک دوست کی خوشی پر اپنی زندگی، اصول، خوشیاں، سب کچھ قربان کر دینا واقعی ایک گھٹیا فعل ہے؟؟؟

اس کا ماؤف ذہن سمجھنے سے عاری تھا۔

معاً اس کے دماغ میں ایک خیال بجلی کا کوندا بن کر لپکا۔ اور اس کی روشنی میں گویا اسے سارے سوالوں کا جواب مل گیا۔

ہاں۔ شاید اس کا خیال صحیح تھا۔ شاید فری عدیل سے محبت کرتی تھی۔! تبھی تو وہ اس قدر غصے میں تھی۔ تبھی تو وہ یوں بڑی بہن کے منہ لگ رہی تھی۔

یہ وہی جوش تھا۔ وہی جذبہ تھا۔

محبت۔! محبت۔!!

تو پھر۔ فری ٹھیک ہی کہتی تھی۔ وہ واقعی بڑی ذلیل تھی۔ بڑی نیچ تھی کہ اپنی ہی بہن کی محبت کی راہ میں حائل ہوئی تھی۔

اسے اپنے وجود سے گھن آنے لگی۔ اسے اپنی ہی ذات سے نفرت سی محسوس ہونے لگی۔ لیکن۔ فری نے آج تک اس بات کا اظہار کیوں نہ کیا۔؟

عدیل سے۔ یا خود اس سے۔

اس نے سب کچھ چھپا کیوں رکھا۔؟ ہاں شاید محبت جذبہ ہی ایسا ہے۔ دوسروں سے پوشیدہ رکھنا ہی پڑتا ہے۔ کہ ہمارے ملک میں کسی جوان لڑکی کا کسی غیر مرد سے محبت کرنا گناہ کے مترادف ہوتا ہے۔

پھر۔؟ پھر اب کیا ہوگا۔؟ یا خدا۔ وہ کس دوراہے پر آن کھڑی ہوئی تھی۔ اور اب اس کو ایک کو چھوڑ کر دوسرے پر گامزن ہونا تھا۔

فری۔! یا عدیل۔!!

ایک کا دل رکھنے کو دوسرا توڑنا ہی پڑتا تھا۔ ایک چراغ بجھانے پر ہی دوسرا جل سکتا تھا۔ کس کا دل توڑے۔؟ کس کا جوڑے۔؟

کون سا چراغ بجھائے، کون سا جلائے۔؟؟

وہ کیا کرے، وہ کیا کرے۔؟؟

دو زندگیاں اس کے لبوں کی ایک جنبش کے نازک دھاگے سے لٹک رہی تھیں۔ اور نیچے ایک جہنم بھڑک رہا تھا۔

شکست خوردہ زندگی کا جہنم۔!

ناکام محبت کی آگ کا جہنم۔!!

اور ایک کو اس دوزخ میں عمر بھر جلنا تھا۔

عدیل کو۔؟

یا فری کو۔؟؟

اس کی وجہ سے۔ محض اس کی وجہ سے۔

یکدم ہی وہ خود کو مجرم محسوس کرنے لگی۔ اسے اپنے ہاتھوں سے خون ٹپکتا محسوس ہونے لگا۔ کسی کی آرزوؤں کا خون۔! کسی کی حسرتوں اور تمناؤں کا خون۔!!

فری کی۔!

یا عدیل کی۔!!

یہ فیصلہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ صرف اس کے ہاتھ میں۔

کسے عمر بھر کے لیے ناکام محبت کی آگ کے جہنم میں پھینک دے۔ کس کی آرزوؤں اور حسرتوں کا خون کر دے۔

اور وہ خود۔

قاتل۔ مجرم۔!!

نہیں نہیں۔ وہ مجرم نہیں تھی۔ وہ قاتل نہیں تھی۔

بلکہ وہ تو خود مجبور ہو گئی تھی۔ تقدیر کے چکر نے اس کو بڑی بے دردی سے جکڑ کر اس نازک مقام پر لا کھڑا کیا تھا۔

وہ بے قصور تھی۔ بالکل بے قصور۔!!

اور کوئی ایسا اپنا نہ تھا جو اسے مشورہ دے سکے۔ اسے تسلی دلاسہ دے سکے۔ اس کا حوصلہ بڑھا سکے۔ اس کی بے گناہی پر یقین کر سکے۔ اور اسے بھی یقین دلا سکے۔

کوئی بھی نہیں۔!

ایسا کوئی بھی نہیں۔!!

اور پھر اسے احساس ہوا کہ وہ کس قدر تنہا تھی۔ اس بھری دنیا میں تنہا۔!

عدیل کے وجود کے باوجود تنہا۔!!

شاید اس دنیا میں سبھی تنہا ہوتے ہیں۔ دوستوں، عزیزوں، ساتھیوں، ہم نفسوں کے ہوتے ہوئے بھی تنہا۔ بالکل تنہا۔!!

اس کو یوں لگا گویا وہ ایک لق ودق صحرا میں اکیلی کھڑی تھی۔ وہ جہاں تک نظر دوڑاتی۔ سوناپن ہی سوناپن تھا۔ نہ کوئی سایہ۔ نہ ساتھی۔!!

تو یہ ہے انسان۔ اجتماعی زندگی گزارنے والا انسان۔! اس کو انسانیت کے لفظ پر ہی ہنسی آرہی تھی۔

آخری فیصلہ کرنے کے لیے بہت سوچ بچار کے بعد آخر اس نے یہی بہتر سمجھا کہ فری کے متعلق عدیل سے معلوم تو کرے کہ اس کے دل میں کیا تھا۔؟

کہیں کومل خود دھوکے میں تو نہیں رکھی جارہی تھی۔؟ کہیں فری کے ساتھ دھوکا تو نہیں ہو رہا تھا۔؟

ہر بات معلوم کرکے ہی اسے اگلا قدم اٹھانا چاہیے تھا۔ ابھی اس نے اس کے ساتھ شادی کا صرف وعدہ ہی کیا تھا نا۔ کہیں خدانخواستہ ان کا عقد تو نہیں ہو گیا تھا۔

ابھی وقت تھا کہ سب کے جذبے بھی سلامت رہتے اور کسی کو گزند بھی نہ پہنچتا۔

پھر۔؟ کس طرح معلوم کرے۔؟

اور اب وہ یہ سوچ رہی تھی۔ راستے تو بہت تھے۔ عدیل کے گھر جاسکتی تھی۔ کہ اس کی امی سے اس کی جان پہچان تھی۔ یونیورسٹی جاسکتی تھی۔ فری جو اس کی بہن تھی۔ گھر بلا کر عدیل سے بات کر سکتی تھی کہ اس سارے شور شرابے کے باوجود اس پر ایسی پابندی اب بھی کوئی نہیں عائد کر سکتا تھا کہ ابا بے حد روشن خیال تھے۔

لیکن۔ لیکن۔ وہ عدیل کے روبرو ایسی بات نہیں کر سکتی تھی۔ شاید وہ صحیح جواب بھی نہ دے سکتا۔

تب اسے خیال آیا۔ عدیل کے گھر میں فون لگا ہوا تھا۔ وہ فون پر اس سے بات کر سکتی تھی۔ سامنے بیٹھ کر کرنے کی بجائے فون پر تو زیادہ اچھے طریقے سے بات ہو سکتی تھی۔

ہاں۔ یہ ٹھیک تھا۔ یہ درست طریقہ تھا۔

شام کو وہ امی سے پوچھ کر مسز ربانی کے گھر چلی گئی۔

طالب علمی کے زمانے میں مسز ربانی کی بیٹی ریحانہ اس کی ہم جماعت ہوا کرتی تھی۔ دونوں میں خاصا پیار تھا۔

پھر اچانک ہی ریحانہ کی شادی ہو گئی۔ لڑکا انگلینڈ میں تھا۔ فون پر ہی ریحانہ کا اس سے عقد ہوا اور وہ بغیر دولہا کے میکے کے گھر سے وداع ہو کر انگلینڈ سدھار گئی۔ دونوں یوں اچانک ہی بچھڑ گئیں۔

اور اب تین چار دن پہلے ہی اسے اطلاع ملی تھی کہ وہ چار سال کے بعد دو بچوں کے ساتھ اپنے والدین سے ملنے آئی ہوئی تھی۔

کومل ابھی تک اسے ملی نہیں تھی۔ پچھلے دنوں وہ خود اتنی پریشان رہی تھی کہ جانے کا موڈ نہ بنا۔ اب بھی اس سے ملنے کے علاوہ کومل کا اصل مقصد عدیل کو فون کرنا تھا۔

وہ جب سے گئی تھی ان میں تو خط وکتابت بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے باوجود ریحانہ اسے بڑے تپاک سے ملی۔

مگر کومل کو اسے دیکھ کر زبردست دھچکا لگا۔ یہ تو وہ ریحانہ ہی نہیں تھی۔
سرخ و سفید، گداز سے جسم والی ریحانہ انتہائی زرد اور دبلی سی ہو رہی تھی۔
کومل کے استفسار پر اس نے اپنی امی سے چوری چوری اپنی دُکھ بھری داستان
چپکے چپکے اسے سنا ڈالی۔ کہ جس انسان کے ساتھ اس کے ماں باپ نے اس کی
شادی کی تھی وہ صرف تصویر پر ہی خوبصورت تھا۔ صرف شکل و صورت کے لحاظ
سے۔!

ورنہ اس کی سیرت، اس کے گنوں نے تو ریحانہ کو اس حال تک پہنچا دیا کہ
اب وہ ہر لمحہ اپنی موت کی دعائیں مانگ رہی تھی۔
ایک شادی اس کی پہلے ہو چکی تھی جس کا یہاں کسی کو علم ہی نہیں تھا۔
پھر جب ریحانہ بیاہ کر گئی تو گو پہلی بیوی سے وہ تعلقات منقطع کر چکا تھا مگر
پھر بھی اسے معلوم ہوا تو اس نے اس پر مقدمہ کر دیا۔
بڑی دیر تک مقدمہ چلتا رہا۔ پھر اس انگریز عورت نے طلاق تو لے لی مگر
ساتھ ہی انہیں کوڑی کوڑی کو محتاج کر گئی۔ اس کے دو بچے تھے اور اب بھی
ایک خطیر رقم بچوں کے لیے قانونی طور پر ان کی آمدن میں سے ہر ماہ علیحدہ کر لی
جاتی تھی۔

ریحانہ اور اس کے بچوں کے لیے جو کچھ بچتا اس میں سے بھی زیادہ اس کے
شوہر کے شراب کے بلوں کی ادائیگی پر اٹھ جاتا کہ اتنی پریشانیوں میں اسے سکون
کی ضرورت تھی۔ اور سکون صرف شراب سے ہی حاصل ہوتا ہے۔
ریحانہ بہت دیر روتی رہی۔ اور کومل مرد کی سیماب صفت فطرت کے

متعلق سوچتی رہی۔ کہ وہ صرف ایک عورت پر قناعت کیوں نہیں کر سکتا۔
شادی کے بعد۔ بے شک محبّت کی شادی کیوں نہ ہو۔ وہ پھر بھی دوسری
عورتوں کی طرف کیوں کھینچتا ہے۔ اس کی اپنی بیوی، خواہ لاکھوں میں ایک ہو۔
اس کی کشش شوہر کے لیے ختم کیوں ہو جاتی ہے۔؟
انہیں سوچوں میں کھوئے کھوئے اس نے چائے پی۔ پھر اٹھ کر آنے لگی تو
اسے یاد آ گیا کہ اس کا بھی ایک مسئلہ تھا۔ اتنی دیر سے وہ خود کو بھولی ہوئی تھی۔ ریحانہ
کی داستان ہی ایسی تھی کہ اسے کچھ یاد ہی نہیں رہا تھا۔
اور اب۔ جانے کیوں اس کا دل عدیل کو فون کرنے کو بھی نہیں چاہ رہا
تھا۔ کہ وہ بھی ایک مرد تھا۔ ایسا ہی مرد۔
لیکن۔ نہیں نہیں۔ یہ تو عدیل تھا۔ بھولا بھالا اور معصوم سا۔ اور ساتھ
فری کا معاملہ تھا۔ وہ اس سے شادی کا وعدہ کر چکی تھی۔ کہیں فری کی زندگی
نادانستگی میں خراب نہ ہو جائے۔
تب چلتے چلتے با دلِ نخواستہ اس نے ریحانہ سے ان کا فون استعمال کرنے
کی اجازت لی۔
پہلے کبھی اس نے فون پر عدیل سے بات نہیں کی تھی۔ اتنا اس سے بے تکلف
تھی۔ مہینوں کی اس سے ملاقات تھی۔ زندگی ساتھ گزارنے کا اتنا بڑا فیصلہ وہ
کر چکے تھے۔
مگر جانے کیوں۔ اس وقت کومل کا سارا وجود لرز رہا تھا۔
شاید کسی خدشے کے تحت۔ یا پھر اس شرم و حیا کے جذبے کے تحت۔

کہ اس فیصلے کے بعد عدیل کے ساتھ اس کی پہلی گفتگو تھی۔ اور یا۔ یا پھر ریحانہ کی داستان کا اثر تھا۔

کچھ تھا ضرور۔ اس پر عجیب سی کپکپی طاری ہوئی جا رہی تھی۔

اتفاق ہی تھا نا۔ فون عدیل نے خود ہی ریسیو کیا۔ اس کے پوچھنے پر بتاتے ہوتے اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے کہ اس سے بات کرنے والی کومل تھی۔

اور کومل کا نام سنتے ہی عدیل نے کچھ اس انداز میں خوشی و مسرت کا اظہار کیا کہ لمحہ بھر کے لیے کومل کے دل میں یہ خیال آیا کہ عدیل کے جذبات جھوٹے نہیں ہو سکتے تھے۔

وہ اس سے یا فریحہ سے کسی قسم کا دھوکا یا فریب نہیں کر رہا تھا۔

مگر دوسرے لمحے دماغ نے اس فرض کا بھی احساس دلایا جو ایک بہن کے رشتے سے اس پر عاید ہوتا تھا۔ تب وہ بڑی سنجیدگی سے بولی۔

"عدیل! میں تم سے ایک سوال پوچھ رہی ہوں۔ امید ہے جواب دیتے وقت تم سچائی کا دامن نہیں چھوڑو گے۔"

"یہ کس بات کی تمہید باندھی جا رہی ہے۔؟"

"عدیل! تمہاری زندگی میں آج تک کوئی دوسری لڑکی آئی ہے یا نہیں؟"

کومل نے اس کے مذاقیہ لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے صاف بات کر دی۔

"کسی لڑکی نے آج تک تم سے محبت کی ہے۔؟"

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد عدیل کی آواز آئی۔

"گو میں تمہارے اس سوال کی وجہ تو نہیں سمجھا مگر پھر بھی میرا جواب حاضر ہے کہ آج تک کسی لڑکی سے میں نے اور شاید مجھ سے کسی لڑکی نے پیار نہیں کیا۔"

"عدیل! اچھی طرح سوچ لو۔ اس کا ہماری آئندہ زندگی پر بُرا اثر پڑ سکتا ہے۔"

"ہاں جان۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ تم میری زندگی میں آنے والی پہلی اور آخری لڑکی ہو۔"

"تو کیا۔ ۔ ۔" مگر وہ اچانک خاموش ہو گئی۔

اس کا یہ لہجہ، یہ انداز۔ !! خلوص، محبت، اپنائیت، اعتماد، سبھی کچھ تھا اس میں۔ پھر۔ کچھ اور کہنے سننے کی گنجائش کب رہ گئی تھی۔ !!

"اچھا خدا حافظ۔ !"

یکدم اس نے فون بند کر دیا۔ اس کے پکارنے کی آواز بھی کومل کو آئی تھی مگر اس نے دانستہ ایسا کیا۔

اس کے پوچھنے پر وہ کیا جواب دیتی کہ وہ اس قسم کے سوالات کیوں کر رہی تھی۔ ؟

اسے یقین ہو چکا تھا کہ عدیل نے اس کے ساتھ سچ بولا تھا۔ تو گویا وہ فریحہ کے جذبات سے ناواقف تھا۔

ان دونوں کے درمیان ایسا کوئی تعلق، کوئی واسطہ نہ تھا۔ ایک دوسرے کے لیے فی الحال وہ صرف ہم جماعت تھے یا صرف دوست۔

اور اس صورت میں اس کو یہ بتا دینا کہ فری اس کو اپنے دل میں بسا

چکی تھی، بہت نقصان دہ تھا۔ بلاوجہ اس کی پریشانیوں میں اضافے کا باعث
بنتا تھا۔

کیونکہ۔ کومل جانتی تھی کہ عدیل اب اسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

عدیل کے انداز سے جس قدر گہری اور بے پایاں محبت اسے اپنے لیے
محسوس ہوتی تھی، جس طرح وہ اسے حاصل نہ کرسکنے پر اپنی جان بھی دے دینے
کو تیار تھا۔ اپنے آپ کو تباہ کر دینے پر تُلا ہوا تھا۔ اس کا تقاضا تو یہی تھا۔

پھر۔؟ پھر کیا فریحہ کو سدا محرومی کی آگ میں جلنا تھا۔ اسے اپنی پوشیدہ
محبت کا اندر ہی اندر گلا گھونٹ دینا تھا۔

بڑی پریشانی کی بات تھی۔ بڑے دکھ کی بات تھی۔ بے انتہا تکلیف دہ
تھا سب کچھ۔

مگر۔ وہ بھی تو کچھ نہ کرسکتی تھی۔ اگر اسے ذرا سا بھی شک ہوتا کہ اگر وہ عدیل
سے شادی نہ کرے گی۔ تو اس نے فریحہ کا ہو جانا تھا۔ تو اس صورت میں وہ یقیناً
عدیل کو انکار کر دیتی۔

اسے فریحہ بھی بہت عزیز تھی۔ وہ اس کی بہن تھی۔ اس کا اپنا خون۔!! وہ
اس کی خاطر اپنی محبت تک کی قربانی دے سکتی تھی۔

مگر یہاں تو معاملہ دوسرا اور انوکھا سا ہو چکا تھا۔ نہ محبت کی بات تھی نہ
کچھ۔ وہ تو بس ایسے ہی بندھ گئی تھی۔

عدیل سے وہ شادی نہ کرتی تو اس نے خود کو تباہ کر لینا تھا۔ یا شاید جان
سے ہی گزر جاتا۔ فری کا تو وہ پھر بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

عدیل کے ساتھ شادی سے انکار کی صورت میں دو زندگیاں تباہ ہونا تھیں۔

اور تب۔ اس نے دل ہی دل میں یہی فیصلہ کیا کہ وہ خاموش رہ کر دونوں
کی آرزوؤں اور حسرتوں کا خون ہونے کے بجائے صرف ایک کا ہونے دیگی۔
ایک زندگی کو بچا لے گی۔

اور اس بات کا اسے بے حد دکھ اور صدمہ ہوا کہ بچنے والی زندگی اس
کی بہن کی نہ تھی۔ عدیل کی تھی۔ جو۔ جو۔

نہیں۔ نہیں۔ وہ بھی تو اس کا دوست تھا۔! عزیز ترین دوست۔!!
ان چھ آٹھ ماہ کی ملاقات میں کومل کو اس نے اتنا خلوص دیا تھا کہ فریحہ
کی بیس سالہ رفاقت نے بھی نہ دیا ہوگا۔

تب اسے فری پر بہت رحم آیا۔ اس کے لیے اس کا دل بہت دکھا۔

"کاش! فری میں تمہارے لیے کچھ کر سکتی۔!"

وہ بے حد مجبور تھی۔ اور بہت بے بس۔!!

وقت کا پہیہ اپنی نارمل رفتار سے چلتا رہا۔ عدیل کے ساتھ اس کی ملاقات کم ہی ہوتی۔

گو اب ان دونوں کی باقاعدہ منگنی ہو چکی تھی۔ مگر شادی سے پہلے لڑکی لڑکے کا آپس میں بے تکلفی اور زیادتی سے ملنا کومل کو پسند نہ تھا۔

عدیل نے اس کی اس پسند کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے ہاں آنا جانا تقریباً بند کر دیا تھا۔

جب کبھی اس کے بغیر جی بہت زیادہ بے قرار ہو اٹھتا تو اسے ایک نظر دیکھنے کی خاطر امّی کے ساتھ گھنٹہ دو گھنٹہ کے لیے ان کے ہاں چلا جاتا۔

کومل کی امّی اور ابّا اب عدیل کے ساتھ اسی طرح پیش آتے جس طرح کوئی ساس سسر اپنے ہونے والے داماد کے ساتھ۔!! اب اس گھر میں اس کی بڑی خاطر و

مدارات کی جاتی۔ بڑا خیال رکھا جاتا۔

یوں بھی عدیل کے اپنے اچھے عادات و اطوار اور سلجھے ہوئے مزاج کی وجہ سے امّی اور ابّا دونوں ہی اس سے دلی طور پر محبت کرنے لگے تھے۔ کومل کے رشتے کے علاوہ۔!

وہ آتا تو امّی اسے اپنے پاس بٹھاتیں۔ بڑی اچھی طرح اس کی خاطر تواضع کرتیں۔

ابّا اس کے مستقبل کے متعلق بڑی دلچسپی سے پوچھ گچھ کرتے اور مشورے دیتے۔ اس کی سعادت مندی اور فرمانبرداری کی وجہ سے وہ تو انہیں اپنا بیٹا ہی محسوس ہونے لگا تھا۔

اکثر اس کی غیر موجودگی میں امّی سے اس کی باتیں کرتے رہتے۔ اس کی اچھی عادات کی۔ اس کے نکھرے ستھرے چال چلن کی۔ اور اب۔ ان کا یہ خیال تھا کہ کومل واقعی عقل مند تھی۔ شریکِ حیات کے لیے عدیل کا انتخاب کر کے اس نے بڑی دانشمندی کی تھی۔

امّی اور ابّا خوش تھے۔ اس کا اندازہ کومل کو بخوبی ہو چکا تھا۔ البتہ فریحہ کے متعلق وہ کوئی رائے قائم نہیں کر سکی تھی۔

پہلے دن تو وہ بے حد آگ بگولہ ہوئی تھی۔ اس کے بعد۔ شاید اس نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ بس خاموش ہی تھی۔

ویسے بھی کومل کے سامنے اس کی اور عدیل کی کبھی ملاقات ہی نہیں ہوئی تھی جس سے وہ کچھ اندازہ کر سکتی۔

عدیل جب کبھی ان کے ہاں آتا تو وہ یا کبھی کسی سہیلی کے ہاں ہوتی کہ اس کی اکثر شامیں گھر سے باہر سہیلیوں کے گھروں میں ہی گزرتی تھیں۔ اور یا کبھی کبھار گھر میں ہوتی بھی تو پڑھائی کے لیے اپنے کمرے میں ہی گھسی رہتی۔

البتہ یونیورسٹی میں نجانے وہ ایک دوسرے سے کیسے ملتے تھے۔ اس کا کومل کو کوئی علم نہ تھا۔ ویسے انداز سے تو یہی ظاہر ہوتا تھا کہ وہاں بھی کبھی کوئی ایسی بات نہیں ہوئی ہوگی۔ اگر ہوتی تو عدیل سے اسے پتہ چل جاتا۔

عدیل نے جو کہا تھا وہ کر دکھایا۔ پہلے ماں اور باپ کی زبردستی سے ہی وہ تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ ذہن اچھا تھا جو ہر امتحان میں بغیر محنت اور تیاری کے تیسرا درجہ ہی لے کر پاس ہو جاتا رہا تھا۔

مگر اب تو اس کے سامنے اس کی منزل تھی۔ اس کی خاطر اس نے دن رات ایک کر دیا۔ خوب محنت کی۔ خوب دل لگا کر پڑھائی کی۔

اس کی ماں خوش تھی۔ اس کا باپ خوش تھا۔ سیکنڈ ڈویژن میں اس نے ایم اے پاس کر لیا۔ پہلی ہی کوشش میں۔!

ورنہ جس طرح وہ دوستوں اور تفریحات میں وقت گزارا کرتا تھا اس سے تو انہیں اس کے کامیاب ہونے کی بھی امید نہ تھی۔

ان کی نگاہ میں کومل کا وجود بڑی برکت اور رحمت والا تھا کہ ان کا اکلوتا بیٹا انسان بن گیا تھا۔

ایم اے کے بعد اعلیٰ ملازمتوں کے امتحان میں بھی وہ پہلی ہی کوشش میں کامیاب ہو گیا۔

دونوں گھروں میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔!!

عدیل نے تین سال کومل سے مانگے تھے۔ اور جب تین سال پورے ہوئے تو وہ ٹریننگ وغیرہ سے فارغ ہو کر اپنی ملازمت پر لگ چکا تھا۔

کومل کے ماں باپ اور عدیل کے والدین کی خواہشات کے باوجود اسے لاہور میں نوکری نہ مل سکی۔ وہ پنڈی تعینات ہوا۔

اچھی ہی جگہ تھی۔ کم از کم لاہور کی نسبت وہاں گرمی تو کم پڑتی تھی۔ تسلی کے لیے گو صرف یہی ایک جواز تھا۔ مگر پھر بھی ماں باپ نے خوشی خوشی اسے بھیج دیا کہ ان کا بیٹا ایک بڑا افسر تھا۔

دونوں طرف سے بڑے زور شور سے شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔

عدیل والدین کا اکلوتا بیٹا تھا اور کومل اپنی ماں اور باپ کی بے حد فرمانبردار، ذہین، سمجھدار اور قابلِ فخر اولاد تھی۔

اس کے ساتھ دونوں ہی کو فریحہ کی نسبت بہت زیادہ پیار تھا۔ بہت زیادہ محبت اور بہت زیادہ مان و بھروسہ۔!!

پوری زندگی میں اس نے صرف شادی کے مسئلے پر ہی ماں باپ کی نافرمانی کی تھی۔ پہلے کچھ عرصہ بلاوجہ ہی انکار کرتی رہی اور پھر۔ عدیل کے ساتھ شادی کا ارادہ۔!

مگر یہ بھی اس کی خوش قسمتی تھی کہ عدیل کو ملنے جلنے کے بعد وہ ان کی عین تمنا اور خوشی بن گیا تھا۔

ایک بیٹی کے والدین اپنی لائق اور سمجھدار بیٹی کے لیے جس قسم کا بر چاہ

سکتے ہیں وہ عین بین ان کی خواہشات پر پُورا اُترا تھا۔ اس طرح۔ اس کی یہ نافرمانی بھی نافرمانی نہ رہی تھی۔

یوُں۔ یہ شادی بڑے خلوص، بڑے چاؤ اور بڑی تمناؤں کے ساتھ رچی۔ دونوں طرف سے پوُرے حوصلے نکالے گئے۔ ایسے۔ کہ کم ہی ایسی شادی دیکھنے میں آئی ہوگی۔

ڈھولک، باجے گاجے، رت جگے، مہندی، چھوٹی چھوٹی خوبصورت سی رسمیں۔ نازک سی پیاری سی دلہن، بڑا لائق، سمارٹ اور وجاہت بھری شخصیت والا دولہا، اچھے اچھے خوش لباس وخوش مزاج معزز براتی اور براتنیں اور نکھرے سُتھرے اور خوش ذوق دلہن والے لوگ۔

سب کچھ نفیس تھا اور سب کچھ ہی بہت اعلیٰ۔!

بڑی قسمت والا دولہا تھا جسے کومل ایسی اچھی عادات والی دلہن ملی تھی۔ اور بڑے مقدر والی دلہن تھی جسے عدیل جیسا خوبرُو اور اتنا لائق دُولہا ملا تھا۔

شادی میں شامل ہونے والے ہر ایک کی یہی رائے تھی۔

اور۔ بخیر وخوبی عدیل اور کومل کی شادی انجام پاگئی۔

ہنستے ہنستے بے حال ہوتے ہوئے کومل مسہری پر دراز ہوگئی۔ عدیل کرسی سے اٹھ کر اس کے پاس جا بیٹھا۔

"پلیز! اور مت ہنسانا۔ اب مجھ میں ہنسنے کی مزید ہمت نہیں۔"

وہ ہانپ رہی تھی۔ ہنسی کی زیادتی سے آنکھیں نم آلُود ہوگئی تھیں۔ انہیں پونچھ رہی تھی۔

عدیل نے اسے بازوؤں میں بھر کر سینے کے ساتھ بھینچ لیا۔

"کیوں ہنسنے کی ہمت نہیں۔؟"

"اس لیے۔ اس لیے۔"

اس کے بازوؤں کا حلقہ اتنا تنگ تھا کہ کومل کو سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ بات کیسے کرتی۔

"کس لیے۔؟"

عدیل اس کے رخساروں پر کھلتے گلابوں کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"اس لیے۔" کومل نے بات شروع کی۔

عدیل نے شرارت سے پھر اسے سینے کے ساتھ بھینچا۔ بات پھر وہیں رُک گئی۔

"اس۔۔۔"

اس نے بولنے کی پھر کوشش کی مگر آواز نہ نکل سکی۔

"بس! اتنی بہادر ہو۔؟"

"اس میں۔۔۔"

عدیل نے اس کے ہونٹوں پر اپنے دہکتے ہونٹ رکھ دیئے۔ اور۔ بات پھر ادھوری رہ گئی۔

کومل نے قدرے جھنجھلا کر نگاہ اٹھائی۔ عدیل کی آنکھوں میں پیار کا اتھاہ ساگر تھا۔ وہ اس کی گہرائیوں میں ڈوب سی گئی۔

غیر ارادی طور پر اس کے بازو اٹھے اور عدیل کے گلے میں حائل ہو گئے۔

عدیل۔! اس کا اپنا عدیل۔!!

جس کے مضبوط بازوؤں میں اس کی پناہ گاہ تھی۔! جس کے سینے میں اس کی محبت کا جہاں آباد تھا۔! جس کی آنکھوں میں ہمہ وقت اس کا وجود موجود رہتا تھا۔!

جس کے دل میں وہی دھڑکتی تھی۔!

جس کے ہونٹوں پر وہی رقصاں تھی۔!

غرض۔ اس کے اندر، باہر، دل میں، دماغ میں، زبان پر، آنکھوں میں۔ وہی وہ تھی۔!!

اور خود عدیل کا وجود جیسے کہیں تھا ہی نہیں۔

یہ زندگی۔ جس میں حسن ہی حسن تھا۔ سکون ہی سکون تھا۔ اطمینان ہی اطمینان تھا۔ اور۔ محبت، چاہت، خلوص، آرزوئیں، ولولے، شوق، جذبات، خوشی، اعتماد۔ یہ سب۔ یہ سب۔ اس کے لیے تھا۔ اس کا تھا۔!!

سارا جہاں اس کا تھا۔ سارے عالم کی خوشیاں اس کے لیے تھیں۔!!!

جس دلچسپی، شوق اور خوشی سے لڑکیاں دلہنیں بنتی ہیں۔ جب وہ دلہن بنی تھی۔ تو کوئی ارمان، کوئی ایسا جذبہ اس کے اندر نہ تھا۔

صرف ایک خیال تسکین بخش تھا کہ اس نے اپنی امنگیں، اپنی آرزوئیں، اپنی خواہشیں دے کر ایک زندگی تباہ ہونے سے بچا لی تھی۔ بس۔!

اپنے ہونے والے دولہا کے لیے اور کسی قسم کے جذبات اس کے سینے میں نہ تھے۔ بہت بجھی بجھی سی تھی وہ۔!

مگر۔ مگر۔ یہ گزرنے والے آٹھ نو مہینے۔ یہ جیسے کسی خواب و خیال کی دنیا میں رہ کر اس نے گزارے تھے۔

وہ جس عدیل کو جانتی تھی۔ یہ وہ عدیل تو تھا ہی نہیں۔!

وہ کھلنڈرا سا، جذباتی سا لڑکا تھا۔

اور یہ عدیل، جس کے ساتھ اس کی شادی ہوئی تھی۔ یہ تو کوئی اور ہی تھا۔

اس سے بالکل مختلف۔!

اس کا ذہن، اس کی سوچیں، اس کی ہر بات، ہر کام۔ جیسے سب اس کے اپنے ہی دماغ سے نکلتا تھا۔

ایسے ہی شریکِ زندگی کے اس نے سپنے دیکھے تھے۔ ایسے ہی ٹوٹ کر محبت کرنے والے شوہر کی اس نے تمنا کی تھی۔ ایسے ہی ہم ذوق ساتھی کے ساتھ کی اس نے ہمیشہ خواہش کی تھی۔

ایسا ہی گھر اس کے تخیل نے سجایا سنوارا تھا جیسا اس نے اسے دیا تھا۔

چھوٹا سا، ستھرا سا، امارت سے نہیں، سکون و اطمینان سے مہکتا مسکراتا۔ جہاں دولت سے زیادہ محبت تھی۔

ایک دوسرے کے لیے ارمان تھے اور خلوص تھا اور اعتماد تھا۔!!

یہ عدیل۔ یہ تو اس کا وہی آئیڈیل تھا جس کی خاطر اس نے بے شمار رشتے ٹھکرا دیئے تھے۔

یہی اس کا آئیڈیل تھا۔!

یہ گھر۔! یہ زندگی۔! یہ زندگی کا ساتھی۔!!

یہی سب اس کا آئیڈیل تھا۔!

اسی کی ہمیشہ اس نے تمنا کی تھی۔ یہی اس نے چاہا تھا۔

اور۔ بے خود ہو کر عدیل کے سینے میں اس نے اپنا چہرہ چھپا لیا۔

"میری زندگی۔! میری رُوح۔!!"

عدیل نے وارفتہ ہوتے ہوتے اپنے اندر لبا لینے، چھپا لینے کے انداز

میں اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔

"میں بہت خوش نصیب ہوں کہ تمہیں پا لیا۔ بس۔! اب مجھے اور کوئی تمنا نہیں۔ کوئی خواہش نہیں۔ تم ہی میرا سب کچھ ہو۔ تم ہی میری منزل ہو۔!!"

وہ اسے اثاثۂ حیات کی طرح اپنے بازوؤں میں سمیٹے بڑبڑا رہا تھا۔

اور کومل کو محسوس ہوا جیسے یہ اس کی اپنی ہی آواز تھی۔ اپنی ہی صدا۔!

وہ اپنے ہی دل کی دھڑکنیں سن رہی تھی اور اپنی ہی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

خوشی رقص کر اٹھی۔ پیار جھومنے لگا۔ اور ساری کائنات مسکرا دی۔

چپ چاپ بیٹھی اپنے خیالات میں محو کومل جلد جلد کچھ بُن رہی تھی۔ سفید مہین سی ساڑھی کے ڈھلکے ہوئے پلو میں سے اس کا چاندنی ایسا خوبصورت بدن کہیں کہیں سے دکھائی دے رہا تھا۔

مگر وہ کچھ ایسی کھوئی ہوئی تھی کہ اسے احساس ہی نہ تھا۔ ہاتھ بڑی تیزی سے چل رہے تھے۔ اور اسی تیزی سے خیالات دماغ میں چکر لگا رہے تھے۔

اسے پتہ ہی نہ چلا کب عدیل اندر آیا اور کب سے وہ اس کے پیچھے کھڑا اس کی محویت کو دیکھ رہا تھا۔؟ اسے بالکل علم نہ تھا۔

شاید تھک گئی تھی۔ یکایک سلائیاں گود میں رکھ کر صوفے کی پُشت کے ساتھ سر ٹیکتے ہوئے اس نے آنکھیں موند لیں۔

سوچیں کچھ اور گہری ہوگئیں۔ جانے کیا تھیں۔؟ کون سی تھیں۔؟ کس قدر

خوشگوار تھیں۔؟؟

انتہائی دلفریب انداز میں اس کے یاقوتی لب مسکرا رہے تھے۔ چہرے پر کچھ ایسی رونق، ایسی تازگی تھی کہ پہلے کبھی کم ہی دیکھنے میں آئی تھی۔

وہ جھک کر بڑی دلچسپی اور وارفتگی سے اسے گھورنے لگا۔

یہ اس کے چہرے کی پاکیزگی۔ یہ اس کے چہرے کی پُر وقار سنجیدگی۔ اس قسم کا زہد و تقویٰ لوٹ لینے والا اس کا حسن۔ اس انداز میں پہلے اس کی نگاہ میں کبھی نہیں آیا تھا۔

جانے یہ اس کا کون سا رُوپ تھا۔؟

عدیل اپنے انتخاب پر آپ ہی فخر کر اُٹھا۔

نجانے اس کے ذہن میں کون سی سوچ تھی۔ کومل کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوگئی۔ لبوں پر بجلیاں تڑپ اٹھیں۔

اور۔ بجلیوں کی یہ تڑپ عدیل کا صبر و قرار بالکل ہی راکھ کر گئی۔ جھک کر اس نے ان بجلیوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔

"ہائے۔!" کومل چونک کر سیدھی ہوگئی۔

"تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔"

"یہ میری جان اکیلے اکیلے خیالات کے کن لالہ زاروں کی سیر کر رہی ہے۔؟"

عدیل نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اسے اپنے بازوؤں میں بھر کر آغوش میں کھینچ لیا۔

"ہوں۔ تو کیا سوچ رہی تھیں۔؟"

"ایک بات۔" وہ عجیب انداز میں مسکرائی۔
آنکھوں میں کہکشاں اُتر آئی۔
"میرے متعلق۔؟"
اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔
"ہوں۔؟ ہاں۔نہیں۔"
"کیا۔؟ میرے علاوہ بھی کوئی سوچ تمہارے ذہن میں آسکتی ہے۔؟"
"وہ۔ایک۔"
جانے کیا بات تھی۔؟ وہ کچھ شرما رہی تھی۔ ہچکچا رہی تھی۔
عدیل چونکا۔کومل کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر غور سے اسے تکنے لگا۔
"سچ سچ بتاؤ۔یہ آج کل تم۔"
اور وہ بات بھی پُوری نہ کرسکا۔کومل کے چہرے کا انوکھا سارُوپ اسے مدہوش کیے دے رہا تھا۔
اس کی آنکھوں کی نرالی سی چمک اس پر عجیب سا سحر طاری کیے دے رہی تھی۔
"جان۔! یہ تم آج کل کون سا میک اَپ کرنے لگی ہو۔؟"
عدیل نے بے قراری سے اس کی آنکھیں چوم لیں۔
"میک اَپ۔؟ کوئی بھی تو نہیں۔"
کومل اپنے چہرے کو ہاتھوں سے رگڑنے لگی۔ہاتھوں کی رگڑ سے اس کے رخسار کچھ اور سُرخ ہوگئے۔ساتھ ہی عدیل کی وافتگی اور پیار میں ڈوبی نگاہوں نے اس کے چہرے میں جیسے انگارے سے بھر دیئے۔وہ اور بھی دہک اٹھی۔
"پھر۔؟ پھر کیا ہے یہ۔؟"
"کیوں۔کیا ہوا ہے۔؟"
عدیل کی گہری گہری نگاہوں سے وہ آنکھیں چرانے کی کوشش کر رہی تھی۔
"جانے کیوں تم کچھ دنوں سے مجھے ہمیشہ سے بہت زیادہ مختلف لگ رہی ہو۔"
"بڑی خراب۔؟"
وہ شوخی سے مسکرائی۔گویا دونوں عالم مسکرا اُٹھے۔
"خراب۔؟" عدیل بے قرار ہوگیا۔
"ہاں بہت۔"
اور پھر جس انداز میں اس نے اسے بازوؤں میں بھر کر بہت سارے پیار کر ڈالے تھے اس سے کومل کو احساس ہوگیا کہ عدیل کے من میں اس وقت کس قسم کے جذبے مچل رہے تھے۔
تب۔کومل نے چپکے سے، ہولے سے، اس کے کان میں کچھ کہہ دیا۔
بہت شرما کر، بہت لجا کر، پہلے سے بھی زیادہ حسین ہو کر۔!!
"کیا۔؟ سچ۔؟؟" عدیل چونکا۔
پھر۔اسی کے سے محبوب انداز میں ہولے سے اس کے کان میں بولا۔
"کیا تم بہت خوش ہو۔؟"

"ہاں - بے حد - کہ نسوانیت کی تکمیل ہی اسی طرح ہوتی ہے - تمہارے اور میرے پیار کا جیتا جاگتا ثبوت - ہماری محبت . . ."

اور عدیل نے اس کا فقرہ بھی پورا نہیں ہونے دیا - اپنے ہونٹوں سے اس کے ہونٹ بند کر دیئے -

"تبھی - تبھی تم آج مجھے اور ہی رُوپ میں دکھائی دے رہی ہو - ماتا کا مقدّس روپ - ! بخدا تمہارا ہر رُوپ حسین اور بے مثال ہے - تمہیں خوش دیکھ کر میری خوشی پاگل ہوئی جا رہی ہے - تمہاری تکمیل میری تکمیل ہے کہ"

"بس - !" کومل نے شرما کر اس کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا -

اور عدیل نے بڑی عقیدت، بڑے احترام سے اس کا ہاتھ چوم لیا - وہ تخلیق کے ایسے مرحلے سے گزر رہی تھی کہ جہاں ملائیک بھی عورت کے حضور احترام سے جھک جاتے ہیں - !!

پیاری امّی

تسلیمات - !

پچھلے ایک مہینے میں آپ کو دو خط لکھ چکی ہوں - مگر ابھی تک جواب سے محروم ہوں - خدا کرے آپ بخیریت ہوں -

آج کل یہاں کافی گرمی پڑ رہی ہے - چند دن تک میں اور عدیل مری جا رہے ہیں - ایک تو گرمی کی وجہ سے - دوسرے اس لیے کہ آجکل میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں رہتی - مگر پریشانی کی کوئی بات نہیں -

آج کل تو لاہور میں بھی موسم کافی گرم ہو گا - پنڈی سے بھی زیادہ - اس لیے اگر آپ، ابا جان اور فری میرے پاس مری آ جائیں تو کتنا اچھا ہو - ابا جان اتنی محنت کرتے ہیں - یہاں کچھ آرام کر لیں گے -

عدیل کو بھی آپ سب سے بڑی شکایت ہے کہ ہماری شادی کو ایک سال ہو گیا ہے مگر آپ میں سے ابھی تک کوئی بھی ہمارے گھر نہیں آیا۔
دیکھیے انکار نہ کیجیے گا۔ آپ کی آمد تک میں پنڈی میں ہی رہوں گی۔
پھر اکٹھے ہی سب مری جائیں گے۔
عدیل کی طرف سے سب کو سلام۔

آپ کی بیٹی
کومل

خط کو بند کرتے وقت اس کے دل میں اک وسوسہ سا پیدا ہوا۔
اگر فری آگئی تو۔؟ تو۔؟
ایسا کوئی خیال کبھی اس کے دل میں نہیں آیا تھا۔ یہ آج نجانے کیوں اس کا دماغ بہکا تھا۔
تو۔ فری اور عدیل کو ایک بار پھر اکٹھا ہونے کا موقع مل جائے گا۔
اور اگر فری کی مایوس دعائیں اب بھی قبول ہو گئیں تو۔؟ اگر اس کی ناکام محبت نے اپنا اثر دکھا دیا تو۔؟
تو کیا ہو گا۔؟
کیسے عجیب اور انہونے سے خیالات اس کے ذہن میں آرہے تھے۔
یہ ایسا کیوں تھا۔؟
اس نے اپنا سر جھٹک کر ان بہکے خیالات کو دماغ سے نکالنے کی کوشش کی۔ مگر۔

تو کیا ہو گا۔؟
اس کی صرف اپنی ہی نہیں تینوں کی زندگیاں ایک ایسے طوفان میں پھنس جاتی تھیں جس کے تصور سے ہی وہ لرز اٹھتی تھی۔
پھر بڑی مشکل سے اس نے اپنے دل کو سمجھایا۔
"نہیں۔ فری اتنی گری ہوئی لڑکی نہیں۔ اگر کسی زمانے میں اس کو عدیل کے ساتھ لگاؤ تھا بھی تو کیا ہوا۔؟ جذبات کے ایسے طوفان اس عمر میں آیا ہی کرتے ہیں۔ مگر ان کے اثرات کبھی دیرپا نہیں ہوتے۔"
اور پھر یکدم اسے خود پر ہنسی آگئی۔ اور اپنے خیالات، اپنی ذہنیت پر افسوس۔!
عدیل ایسا تو نہ تھا۔ وہ جو دن رات اس کی محبت کے نغمے الاپتا تھا جو اس کی پرستش کرتا تھا۔ جو اسے دیوانوں کی طرح چاہتا تھا۔
وہ بھلا اسے دغا دے سکتا تھا۔ یہ ناممکن تھا قطعی طور پر ناممکن۔!!
اس کے دل میں تو فری کے لیے کچھ نہ تھا۔ اس کے دل میں تو وہی وہ تھی۔
پھر یہ سب خدشے کیوں۔؟
عدیل کے متعلق ایسی بے اعتمادی لمحہ بھر کے لیے بھی وہ دل میں لائی کیوں؟ کیوں لائی۔؟؟
اپنے ہی خیالات کو ملامت کرنے کے بعد دونوں کے لیے اعتماد کا ثبوت دیتے ہوئے اس نے خط پوسٹ کر دیا۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ نہ امّی ابّا میں سے کوئی آیا اور نہ ہی خط کا جواب۔
جانے کیا وجہ تھی۔؟ ناراضگی بھی کوئی نہیں تھی۔ پھر نجانے کیوں کوئی خط کا جواب ہی نہیں دے رہا تھا۔ خیریت تو تھی وہاں۔؟
وہ انہیں سب کے خیالوں میں کھوئی بیٹھی تھی۔ بڑے فکر و تردد سے سوچ رہی تھی۔
یوں بھی نجانے آج کل جی کو کیا ہو گیا تھا۔ ایک منٹ اکیلی رہتی تو گھبراہٹ سی محسوس ہونے لگتی۔
ورنہ وہی وہ تھی کہ عدیل دفتر بھی چلا جاتا تو بھی اسے تنہائی نہ محسوس ہوتی۔ اس کے خیالات میں کھو جاتی تو یوں لگتا جیسے وہ اس کے پاس ہی تھا۔
اور اب کچھ ایسا ہو گیا تھا کہ پاس بھی ہوتا تو جی گھبراتا رہتا۔ یوں محسوس ہوتا جیسے وہ تنہا تھی۔ اور اکیلے میں تو بالکل ہی پاگل سی ہو جاتی۔
کئی ڈاکٹروں سے مشورہ کیا۔ لیکن سب کا ایک ہی جواب تھا کہ عورت جب اس دَور سے گزرتی ہے تو اس کے مزاج میں کوئی نہ کوئی تبدیلی ضرور رونما ہوتی ہے۔
اور گھبرانے کی یا پریشان ہونے کی بات نہ تھی۔ یہ اسی کا اثر تھا۔ بچّہ ہو جانے کے بعد اس نے خود بخود ٹھیک ہو جانا تھا۔
عدیل کی امّی اور ابّا حج کرنے گئے ہوئے تھے۔ ورنہ وہ ایک لفظ بھی اپنی ساس کو اپنی طبیعت کے بارے میں لکھتی تو انہوں نے فوراً اس کے پاس آجانا تھا۔ کہ انہیں کومل سے بڑا پیار تھا۔
اور اب۔ وہ موجود نہیں تھیں۔ تب اس نے اپنی امّی کو خط لکھ دیا تھا۔ بڑی بے چینی سے ان کا انتظار کر رہی تھی۔ مگر ہنوز ادھر سے کوئی اطلاع کوئی جواب نہیں آیا تھا۔
آج کل تو اسے کنیز بھی بہت یاد آ رہی تھی۔ مگر اسے امّی ابّا کے آرام کی وجہ سے اس نے بلانا درست نہ سمجھا۔ اس گھر کو وہ بڑی اچھی طرح سنبھالتی تھی۔
امّی ابّا کا اس کے بغیر گزارہ بڑا مشکل تھا۔ کومل اپنی ذات سے کسی کو تکلیف پہنچانا اچھا نہ سمجھتی تھی۔ اور امّی ابّا تو اس کے والدین تھے۔
ان کی خدمت کرنا تو خود اس کا اپنا فرض تھا نہ کہ انہیں آرام دینے والے ان کی خدمت کرنے والوں کو ان سے علیحدہ کر کے انہیں پریشان کرتی۔

اگر ان میں سے بھی کوئی نہ آیا تو۔؟ پھر وہ کیا کرے گی۔؟؟

اس خیال سے ہی اس کا جی گھبرا اٹھا۔ جلدی سے اٹھ کر کمرے کی کھڑکیاں کھولنے لگی۔

"تسلیم باجی۔!"

کومل گھبرا کر پیچھے مڑی۔

فریحہ کمرے کے وسط میں کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"ارے فری تو۔!"

وہ بھاگ کر کومل کے قریب آ گئی۔ اور پھر دونوں بہنیں بڑے خلوص اور پیار سے ایک دوسرے سے بغلگیر ہو گئیں۔

بہت سارے گلے شکووں کے بعد جب دونوں آمنے سامنے بیٹھیں تو فریحہ اسے سر سے پاؤں تک بڑے غور سے دیکھنے لگی۔

"ارے باجی! آپ تو بہت کمزور ہو گئی ہیں۔"

پھر شوخی سے مسکرائی۔

"لیکن پہلے سے بہت زیادہ حسین۔ یہ آپ کے دولہا نے کیا کر دیا ہے آپ کو۔؟"

"ہٹو بھی۔ آتے ہی شرارتیں شروع کر دیں۔"

کومل شرما سی گئی۔

"تم مجھے یہ بتاؤ کہ امی اور ابا کیوں نہیں آئے۔؟ میں نے خط میں اتنی تاکید کی تھی۔"

"امی کہتی تھیں کہ میں اب بوڑھی ہو گئی۔ پہاڑوں پر کہاں چڑھ سکوں گی۔ تمہارے سیر سپاٹے کے دن ہیں تم جاؤ۔"

"اور ابا۔؟"

"ان کو کام سے فرصت ہی کہاں ملتی ہے۔ میں سوچتی ہوں باجی! وہ بھلا اتنی محنت کیوں کرتے ہیں۔؟ انہوں نے کون سی بچوں کی فوج پالنا ہے اب۔"

"پگلی! ابھی انہوں نے تجھے بیاہنا ہے۔"

کومل نے بڑے پیار سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"اور اس کے لیے وہ نہیں کمائیں گے تو کیا آسمان سے گرے گا۔؟ اچھا یہ تو بتا تیرے لیے کہاں کہاں سے رشتے آئے ہیں۔ اور امی کا ارادہ کیا ہے۔؟"

"چھوڑو باجی! اب تم بھی بڑی بوڑھیوں کی طرح رشتوں کی باتیں کرنے لگیں۔"

"بڑی بوڑھیوں کی طرح کیا ہوا۔ میں تمہاری بہن ہوں اور بہن سے زیادہ کسے دلچسپی اور ارمان ہو سکتا ہے۔"

کومل نے اصرار کیا۔

"بتاؤ نا۔؟"

"آئے تھے ایک دو۔" فریحہ نے سرسری انداز میں کہا۔

"پھر۔؟ کون کون تھے وہ۔؟"

"جانے کون کون تھے اور کیا کیا تھے۔ میں نے تو صاف انکار کر دیا۔"
فریحہ نے لاپرواہی سے بتایا۔
"وہ کیوں۔؟" کومل چونکی۔
"میں نے سوچا جب میری باجی نے اتنے رشتے ٹھکرا دیئے تو میں کیا ایک دو کو بھی انکار نہ کروں۔؟"
ساتھ ہی وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔
"سچ پوچھو باجی! تو ابھی بیاہ کرنے کا موڈ ہی نہیں بنتا۔"
"پگلی! شادی بیاہ کوئی کھیل مذاق تو نہیں کہ موڈ بننے کا انتظار کیا جائے۔"
کومل نے اسے سمجھایا۔
"شادی کی بھی ایک عمر ہوتی ہے۔ اس عمر میں مناسب رشتہ نہ ہو تو پھر اچھا رشتہ ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔"
"اب آپ کا بھی تو ہوا ہی ہے۔"
شاید وہ نادانستگی میں کہہ گئی تھی۔ کومل نے سٹپٹا کر اسے دیکھا تو اس نے جلدی سے بات بدل دی۔
"وہ باجی! میں آج کل مصوری سیکھ رہی ہوں۔ ماڈرن آرٹ۔!"
جس طرح اس نے بات بدل لی تھی اسی طرح کومل نے بھی مناسب یہی سمجھا کہ اپنا موڈ درست رکھے۔ یوں بھی وہ ہمیشہ سے بڑے ٹھنڈے مزاج کی مالک رہی تھی۔
"ارے وہی ماڈرن آرٹ۔ جس میں دو تکونیں اور تین دائرے بنا دو

تو اس کا نام اُداس شام ہو جاتا ہے اور اگر دائیں کونے دو ترچھی لکیریں کھینچ دو تو وہ ماں اور بچہ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔"
کومل نے جدید آرٹ کا مذاق اڑایا۔
"باجی! آپ بھی بدذوق لوگوں کی طرح آرٹ کا مذاق اُڑا رہی ہیں۔ اسے سمجھنے کے لیے تو دیدۂ بینا چاہیے باجی۔! دیدۂ بینا۔ اچھا کل سے میں آپ کو اس کے سمبلز سمجھانا شروع کروں گی۔"
"نا بابا! مجھے بخشو۔ میں بدذوق ہی بھلی۔!"
کومل نے مسکرا کر کانوں کو ہاتھ لگایا۔
"اور باجی! مزے کی بات تو ابھی میں نے بتائی ہی نہیں۔"
"کیا۔؟"
کومل کے پوچھنے پر وہ بچوں کی طرح جوشیلی آواز میں بولی۔
"میں چند ماہ تک فرانس جا رہی ہوں۔"
"کیا کہا۔؟ فرانس۔؟ یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو فری۔؟"
وہ حیران سی ہو گئی۔
"ہاں باجی۔! فرانس۔ اس میں حیرانگی کی کیا بات ہے۔ فکر نہ کرو اسی کرۂ ارض پر واقع ہے۔"
"مگر کیا کرنے۔؟"
کومل کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ان کے خاندان میں اتنی آزادی تو نہ تھی۔!

"سنو باجی! مصوّروں کے لیے پیرس وہی حیثیت رکھتا ہے جو مسلمانوں
کے لیے خانہ کعبہ۔ جس نے فن کی گہرائیوں تک جانا ہو۔ اس کی رُوح کو سمجھنا
ہو۔ اسے پیرس جانا چاہیے۔ میں فی الحال دو سال کے لیے جا رہی ہوں۔ امید
ہے دو سال میں کافی کچھ سیکھ جاؤں گی۔ کیوں باجی۔؟"

"یہ تو تم نے عجیب سی بات سنائی ہے۔ یہ بتاؤ کیا تم اکیلی جا رہی ہو۔؟"

کومل کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔

"اکیلی۔؟ باجی! میں کوئی بچی تو نہیں جو راستے میں کھو جاؤں گی۔"

فریحہ تنک کر بولی۔

"نہیں فری! کچھ بھی ہو۔ غیر ملک ہے۔ وہ مغرب ہے۔ تم مشرقی لڑکی
ہو۔ دونوں میں بہت فرق ہے۔ ذہنیتوں کا۔ رسم و رواج کا۔ اگر تم میری
رائے پوچھو تو میں یہی کہوں گی کہ مجھے تمہاری یہ خواہش پسند نہیں۔"

"ارے چھوڑیئے بھی باجی! آپ تو بہت ہی دقیانوس ہوتی جا رہی ہیں۔
مجھے تو بڑی امید تھی کہ آپ میری حمایت کریں گی۔ مگر آپ نے تو مجھے مایوس
ہی کر دیا۔"

"اچھا خیر فی الحال چھوڑو اس بحث کو۔"

کومل نے سوچا پھر کسی وقت اسے سمجھائے گی کہ اس کی یہ عمر اب دُور دراز
ملک میں جانے والی نہ تھی۔ اب اسے شادی کرا کے گھر بسانا چاہیے تھا۔

"جاؤ جا کر منہ ہاتھ دھو لو۔ میں ذرا باورچی خانے میں جا رہی ہوں۔"

کومل اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں بھی کیسی پاگل ہوں۔ آتے ہی باتیں لے بیٹھی اور تمہیں چائے وائے
کا پوچھا ہی نہیں۔"

فریحہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"وہ دیکھو وہ تمہارا کمرہ ہے۔ ضرورت کی ہر چیز تمہیں اس میں مل جائے
گی۔ خیرو کو کہہ کر میں تمہارا اٹیچی بھی رکھوا دیتی ہوں۔"

کومل اس کے ساتھ ساتھ اس کے کمرے تک چلی آئی۔

فریحہ نے اس کمرے میں اِک نگاہ دوڑانے کے بعد ساتھ والے دوسرے
کی طرف دیکھا۔ کومل مسکرائی پھر قدرے شرماتے ہوئے بولی۔

"یہ ہماری خواب گاہ ہے۔"

"دیکھ سکتی ہوں۔؟"

"ضرور۔"

دونوں اندر چلی گئیں۔

"باجی! ماشاء اللہ آپ کا گھر تو بڑا پیارا ہے۔"

ستائش بھری نگاہوں سے وہ ایک ایک چیز کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کا ڈرائینگ روم بھی بڑا خوبصورت ہے۔ بہت سلیقے سے سجا ہوا۔
آپ کا گھر دیکھنے کا مجھے بڑا اشتیاق تھا۔"

"ابھی ایک سال تک مجھے کسی نے پوچھا تک نہیں۔"

کومل نے گلہ کیا۔

"کوئی بھی میرے پاس نہیں آیا۔"

"اور آپ کب شادی کے بعد پھر لاہور آئیں۔ وہ تو آپ کا میکہ ہے۔"

"وہ ۔ دراصل ۔" کومل پھر شرما گئی۔ ہولے سے بولی۔

"عدیل کہیں جانے ہی نہیں دیتا۔"

"تقریباً سارا پاکستان تو آپ نے گھوم پھر ڈالا۔"

"دونوں ہی تھے نا۔ اکیلی کو نہیں جانے دیتا۔"

"تو دونوں ہی لاہور بھی آجاتے۔"

"پاگل ہو تم۔ ابھی تمہیں سمجھ نہیں نا۔"

کومل نے بڑے دلار سے اسے دیکھا۔

"جب تمہاری شادی ہوگی تب سمجھ جاؤ گی سب کچھ۔ وہ سیر تو ہنی مون کے سلسلے میں ہوئی تھی۔ پھر اس کے بعد چھٹی ہی نہیں ملی۔"

"اور اب مری کیسے جا رہے ہیں۔؟"

فریحہ تو سوچے سمجھے بغیر بال کی کھال اتار رہی تھی۔

"چھٹی لے کر۔"

"لاہور بھی آسکتے تھے۔"

"گرمی بہت ہے۔"

"تو آپ کی ساری زندگی اسی گرمی میں گزری تھی نا۔ اب کیا زیادہ ہو گئی ہے۔؟"

"اب ۔؟ اب اور بات ہے فری۔ ! عدیل کی خواہش ہے کہ مجھے زیادہ سے زیادہ آرام ملے۔"

"اوہ ۔ !" فریحہ چپ سی ہوگئی۔

"ارے ! تم نے مجھے پھر باتوں میں لگا لیا۔ اب تو عدیل کے آنے کا بھی وقت ہو چلا۔ میں جا کر پتہ تو کروں خیر و کیا کر رہا ہے۔"

جتنی دیر وہ باورچی خانے میں رہی فریحہ غسل کر کے تر و تازہ ہوگئی۔

چائے کی ٹرالی خود ہی لیے کومل ڈرائننگ روم میں داخل ہوئی تو فریحہ بھی گھوم پھر کر، اس کا سارا گھر دیکھنے کے بعد وہیں آگئی تھی۔

"سچی باجی !" وہ اب کومل کو سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی۔

اس کی نگاہ میں ستائش کے علاوہ رشک بھی تھا۔

"اتنا سلیقے سے اور اتنا اچھا، اتنا پیارا سجا ہوا آپ کا گھر ہے نا کہ بار بار اور بے اختیار منہ سے تعریف نکلی جا رہی ہے۔ بالکل ایک چھوٹی سی جنت۔ !"

پھر وہ مسکرائی۔ بڑی خلوص بھری مسکراہٹ تھی۔

"اور اس جنت میں چلتی پھرتی آپ بالکل ایک حور ہی لگتی ہیں۔"

کسی خوشامد یا چاپلوسی کے بغیر وہ بڑے خلوص سے کہہ رہی تھی۔ کومل شرما سی گئی۔

چائے کے دوران دونوں بہنیں خوب باتیں کرتی رہیں۔ ادھر ادھر کی۔ رشتہ داروں کی۔ دوستوں عزیزوں کی۔ بے شمار ہی باتیں کر ڈالیں۔

"ارے ! عدیل ابھی تک نہیں آیا۔"

یکدم کومل کلائی کی گھڑی دیکھتے ہوئے قدرے تردد سے بولی۔

"ورنہ وہ تو اس وقت تک آچکا ہوتا ہے۔"

"اُداس ہوگئی ہیں۔؟"

فریحہ شرارت سے مسکرائی۔

"نہیں نہیں۔" کومل جھینپ اٹھی۔

"وہ تو میں تمہارے لیے کہہ رہی تھی۔ کہ آکر دیکھے کون آیا ہے۔ اسے بھی بہت انتظار تھا۔ اکثر تم سب کو یاد کرتا رہتا ہے۔"

کومل نے بات بنائی۔ ورنہ وہ جانتی تھی کہ خود اس کو پاکر اس میں کھوکر عدیل اور سب سے بے نیاز ہو چکا تھا۔ کسی کو یاد کرنا تو کجا اس نے تو کسی کے متعلق کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

اپنی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے کومل نے جب امی اور فریحہ وغیرہ کو اپنے پاس بلا لینے کا مشورہ عدیل سے کیا تو اس نے کچھ ناک بھوں ہی چڑھائی تھی۔ کیونکہ ان کی آزادی میں خلل پڑتا تھا۔ اپنے اور کومل کے علاوہ اسے گھر میں کسی اور کا ہمہ وقت موجود رہنا قطعی ناپسند تھا۔ مگر کومل کی خوشی اور طبیعت کو دیکھتے ہوئے اس نے اس کی مرضی پر سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔

کھانے کی میز پر دونوں ہی تھیں۔ فریحہ دیکھ رہی تھی۔ کومل کی بے قرار نگاہیں بار بار دروازے کی سمت اٹھ رہی تھیں۔

اس کی ہر اٹھتی نگاہ پر فریحہ بڑے معنی خیز انداز میں مسکرا پڑتی۔ کومل جھینپ جاتی۔

"فری! تم بہت شریر ہوگئی ہوئی ہو۔ اسی سال امی سے کہہ کر تمہیں بھی میں نے باندھ دینا ہے۔"

"پھر۔؟" فری مسکرائی۔

"تم مجھ پر ہنستی ہونا۔ پھر میں تمہیں مذاق کیا کروں گی۔"

پھر کومل یکدم سنجیدہ ہوگئی۔

"پگلی! میاں بیوی کے دل میں ایک دوسرے کی ایسی ہی چاہت اور خلوص ہو تو ازدواجی زندگی اچھی گزرتی ہے۔ ورنہ دونوں ہی ایک دوسرے سے لاپرواہی برتنے لگیں تو گزارہ مشکل۔"

اور ابھی وہ بات ہی کر رہی تھی کہ قدموں کی چاپ سنائی دی۔ کومل مسکرا پڑی۔ بڑی دلآویز اور پیاری سی مسکراہٹ تھی۔

فری اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ، آنکھوں کی عجیب سی، خوبصورت سی چمک اور چہرے کی گلنار ہوتی رنگت سے ہی اسے معلوم ہوگیا کہ یہ چاپ یقیناً عدیل کے قدموں کی تھی۔

اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ حیران سی رہ گئی۔ وہ کتنا بدل گیا تھا۔ اس نے بڑی خوبصورت سی مونچھیں رکھ لی تھیں۔ جن کی وجہ سے وہ نہ صرف مردانہ وجاہت اور بانکپن کا مکمل نمونہ لگ رہا تھا بلکہ وہ بڑا باوقار اور پُرکشش شخصیت والا مرد دکھائی دے رہا تھا۔

فریحہ کی نگاہیں جھک گئیں۔

"ارے رے آج تو ہمارے گھر بڑی بڑی ہستیاں آئی ہوئی ہیں۔"

وہ فریحہ کو دیکھ کر دُور سے ہی پکار اُٹھا۔

"ہستیاں نہیں۔ صرف ایک ہستی۔"

کومل جھکی۔

"اکیلی ہی آئی ہو۔؟"

اس نے پھر پوچھا۔

کومل نے محسوس کیا کہ یکدم فری کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ پہلے تو وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش سی ہی رہ گئی۔ کوئی بات نہ کر سکی۔ مگر پھر اس نے فوراً اپنے آپ کو سنبھالا اور مسکراتی ہوئی اٹھی۔

"تسلیم۔!"

"جیتی رہو۔"

عدیل نے اپنے رشتے کے لحاظ سے اور کچھ شرارت سے قریب آ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ پھر کومل کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کھانا کھانے کے لیے پلیٹ اپنی طرف سرکائی۔ سالن ڈالنے ہی لگا تھا کہ یکدم کچھ یاد آ گیا۔ شاید یہ کہ اس نے فریحہ سے کوئی اور بات نہیں کی تھی۔ آخر وہ اس کی سالی تھی۔ اور ان کے گھر مہمان آئی تھی۔

"بھئی شکر ہے تم لوگوں کے ذہنوں میں ہماری تھوڑی بہت یاد محفوظ ہے۔"

اس نے بات کرنے کے لیے شکوہ کیا۔

فری بڑے غور سے عدیل کو دیکھ رہی تھی۔ کومل کی نگاہ اسی پر تھی۔

"کاش! میں ان یادوں کو بالکل مٹا سکتی۔" جانے فری کی آنکھوں میں کومل نے کیا دیکھ لیا تھا۔ اس کے دل میں یہی خواہش پیدا ہوئی۔

"آج پورے ایک سال بعد تمہیں دیکھا ہے۔ سناؤ کیا کر رہی ہو آج کل۔؟"

"بس وقت گزار رہی ہوں۔"

عدیل کی بات کا فریحہ نے انتہائی کمزور سی آواز میں جواب دیا۔

"اوہ! بڑی سنجیدہ ہو گئی ہو۔" عدیل مسکرایا۔

"کون فری اور سنجیدگی۔؟" کومل بولی۔

"کیسی باتیں کرتے ہو تم بھی۔"

پھر وہ ہنس ہنس کر فریحہ کے من میں جو نیا سودا جدید آرٹ سیکھنے کا سمایا تھا اس کے متعلق بتانے لگی۔

عدیل بھی اسے مذاق کرتا رہا۔ بڑی سادگی سے۔ بڑی صاف دلی اور خلوص کے ساتھ۔ تینوں ہنستے رہے۔ کھانا کھاتے رہے۔

"ہاں بھئی کومل۔!" عدیل کو جیسے کچھ یاد آیا۔

"میرا خیال ہے اب کل مری کو کوچ کر جائیں۔ رہائش کا انتظام تو ہو ہی چکا ہے۔ آج سامان وغیرہ باندھ لینا۔ فری بھی ہاتھ بٹانے کو آ گئی ہے۔"

"مگر تمہاری چھٹی۔؟"

"کل اتوار ہے تم دونوں کو پہنچا دوں گا اور پھر اگلے ہفتے انشاء اللہ میں بھی تمہارے پاس۔"

"میرا خیال ہے اکٹھے ہی نہ چلیں۔؟"

"نہیں نہیں۔ یہاں موسم بہت گرم ہو رہا ہے۔"

"تو کیا۔؟"

"میں نہیں چاہتا کہ تم اس۔۔۔"

کومل نے عدیل کو ٹھوکا دے کر فریحہ کی موجودگی کا احساس دلاتے ہوئے
خاموش کرا دیا۔

جانے کیا منہ سے نکال دے۔ اسے زبان پہ تو قابو تھا ہی نہیں۔ جو جذبات
کہتے، جو دل میں آتا، جو من میں سماتا، کہہ دیا کرتا تھا۔

فری نے شاید کچھ محسوس کیا تھا۔ جلدی سے ہاتھ دھونے کے لیے اٹھ
کھڑی ہوئی۔

عدیل نے بڑا بُرا سا منہ بنایا۔

"اب تم ہر وقت مجھ پر کرفیو لگایا کرو گی نا۔ میں آج ہی اسے ناراض کر کے
یہاں سے بھگاتا ہوں۔"

وہ فریحہ کے متعلق کہہ رہا تھا۔

"ہائیں ہائیں! کیسی باتیں کر رہے ہو۔؟"

کومل اس کے پاس ہی کھڑی میز پر سے برتن اکٹھے کر رہی تھی۔

"تو اور کیا اب یہ ہر وقت ہمارے سر پر مسلط رہا کرے گی اور مجھ سے یہ
پابندی برداشت نہیں ہو سکتی۔"

اس نے بے خیالی میں کومل کی کمر میں بازو ڈال کر اپنی طرف کھینچا۔

"اونہوں۔!"

کومل تڑپ کر پیچھے ہٹ گئی۔ گھبرا کر ادھر دیکھا۔ فریحہ ابھی ہاتھ دھو کر
نہیں آئی تھی۔ اطمینان کا سانس لیتے ہوئے ہولے سے بولی۔

"وہ آ رہی ہو گی۔"

"دیکھا نا۔ میں نہ کہتا تھا۔"

"مگر عدیل!" کومل نے اس کی بات کاٹ کر گویا اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"ہم نے خود ہی اسے بلایا ہے۔"

"تو کیوں بلایا ہے۔؟" وہ جھنجھلا پڑا۔

"اس کے بغیر کیا ہمارا کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا۔؟"

"ہائیں ہائیں۔!" کومل نے حیرت سے اسے گھورا۔

"تم نہیں جانتے کیوں بلایا ہے۔؟"

"اوہ۔!"

اسے جیسے کچھ یاد آ گیا۔ یکدم اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی۔ بڑے پیار
سے، بڑے لاڈ سے، اس نے کومل کا ہاتھ تھام کر دبایا۔

"خدا کرے یہ وقت خیریت سے اور جلد از جلد گزر جائے۔"

پھر اس کی آنکھوں میں شوخی ناچی۔

"مُنا یا مُنی۔؟ میری محبت کے بدلے میں کیا تحفہ دے رہی ہو مجھے۔!"

کومل شرمائی۔ سُرخ ہوتے ہوئے کوئی جواب دینے ہی لگی تھی کہ فریحہ کمرے
میں آ گئی۔ عدیل سے ہاتھ چھڑا کر وہ جلد جلد پھر برتن سمیٹنے لگی۔

حسین سپنا دیکھتے دیکھتے اچانک کوئی جھنجھوڑ کر جگا دے۔ تو جیسے جگانے
والے پر غصہ آ جاتا ہے۔ اسی طرح اس وقت اسے فری کی آمد بڑی بُری لگی۔
ناگواری سے کچھ بڑبڑاتے ہوئے اور انتہائی غصیلی نگاہوں سے فری کو
دیکھتے ہوئے عدیل کمرے سے باہر نکل گیا۔

یہ بڑبڑاہٹ، یہ ناراضگی، یہ تیکھی نگاہ۔ عدیل کی شدید محبت کی غماز تھی۔
اس کی وارفتگی، اس کی بے قراری کی ضامن تھی۔!!
کومل کی مسکراہٹ کچھ اور بھی گہری ہو گئی۔ خود اعتمادی کچھ اور بھی بڑھ
گئی۔ اور جینے کی تمنا دو چند ہو گئی۔

مری میں دو چار دن تو گھر کو ٹھیک کرنے میں گزر گئے۔ اس کے بعد
اگلے اتوار عدیل کے آنے پر دعوتوں کا وہ تانتا بندھا کہ ختم ہونے میں ہی نہ
آتا تھا۔

عدیل کے بہت سارے دوست اور ملنے جلنے والے مری آئے ہوئے
تھے۔ ان سب نے ہی باری باری ان کی دعوت کر ڈالی۔

فریحہ ان دعوتوں میں بڑے شوق سے اور خوب بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتی رہی۔

کومل کو اب اندازہ ہوا کہ وہ پہلے سے بھی بہت، زیادہ ماڈرن اور تیز طرار ہو
چکی تھی۔

لباس کی تراش خراش اور پہننے کے ڈھنگ میں تو اسے کمال حاصل
تھا۔ موقع کی مناسبت سے بہترین سے بہترین لباس پہنتی اور خود کو اتنے

خوبصورت انداز میں سنوارتی کہ ہر محفل میں وہی وہ ہوتی۔!

بعض اوقات اس کی بے تکلفی، اس کی حرکات کومل کو بڑی اوچھی سی لگتیں۔

اس نے دل میں ایک دو بار سوچا بھی کہ فریحہ کو سمجھائے کہ وہ اب بچی نہ تھی۔ اسے اپنے میں متانت پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تھی۔

مگر پھر یہ سوچ کر چپکی ہو رہی کہ نجانے وہ اس کی نصیحت کا کیا مطلب لے۔ وہ اس کے گھر آئی ہوئی تھی اور چند دن کی مہمان تھی۔ کہیں برا مناکر واپس ہی نہ چلی جائے۔

کہ۔ اس واقعہ کے بعد اب کومل اس کے منہ نہیں لگنا چاہتی تھی۔ اور اپنی عزت اپنے ہاتھ کے مصداق یہ وقت حسن و خوش اسلوبی سے گزار لینا چاہتی تھی۔

خود اس کی طبیعت آج کل بڑی خراب رہنے لگی تھی۔ حالانکہ وقت بھی قریب نہیں تھا۔ ابھی تین ماہ باقی تھے مگر پھر بھی۔

شاید ذہنی طور پر وہ پرسکون نہ تھی۔ بڑی الجھی الجھی سی تھی۔ اسی لیے اسے کسی کام میں یا کہیں آنے جانے میں دلچسپی محسوس نہ ہوتی تھی۔ اور کبھی طبیعت زیادہ خراب اور گری گری سی رہتی تھی۔

وہ رات بڑی ٹھنڈی تھی۔ خلافِ توقع آج سارا دن بارش ہوتی رہی تھی۔ اس لیے سردی معمول سے بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔

کومل کی طبیعت کچھ زیادہ خراب تھی۔ سرِ شام ہی وہ اپنی خواب گاہ

میں آلیٹی۔

لمحہ بھر کے لیے بھی اس کے بغیر عدیل کا کہیں جی نہ لگتا تھا۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ فریحہ ان کی مہمان تھی اور میزبانی کے فرائض کا بھی کچھ تقاضا تھا۔

کومل کی طبیعت اگر خراب تھی تو اس کا بھی تو گھر تھا۔ اس کے بھی کچھ فرائض تھے۔ وہی کچھ دیر کے لیے فریحہ کو کمپنی دے دیتا۔

یہ کچھ بھی نہ سوچا اور وہ کومل کے پیچھے پیچھے ہی چلا آیا۔

تکلیف کے باوجود کومل نے اسے اس کا احساس دلانے کی کوشش کی مگر وہ مانا ہی نہیں۔ ایک لفظ بھی سننے کو وہ تیار نہ تھا۔ کسی ضدی بچے کی طرح نافرمانی کرتے ہوئے اس کے پاس ہی بیٹھا رہا۔

"اب تمہاری طبیعت ٹھیک نہ ہو تو میں کس طرح تمہیں اکیلا چھوڑ کر اس کے پاس جا بیٹھوں۔ اور پھر وہ کوئی بچی بھی نہیں جو اکیلے میں ڈر جائیگی۔"

"لیکن عدیل۔۔۔"

"بس کہہ دیا نا۔ تمہیں اکیلے چھوڑ کر میں نہیں جاؤں گا۔"

"اور میں تو جیسے اس سے بھی چھوٹی بچی ہوں جو تم مجھے اکیلا نہیں چھوڑ رہے۔"

اس کی بچوں ایسی ڈھٹائی پر اسے پیار بھی آگیا۔ عدیل کا ہاتھ تھام کر کومل مسکرادی۔

"میں کب کہتا ہوں کہ چھوٹی بچی ہو۔ البتہ تم میری ذمہ داری تو ہونا۔ اور تمہیں اس وقت تکلیف ہے۔"

عدیل بھی مسکرانے لگا۔

"لاؤ تمہارا سر وغیرہ دبا دوں۔"

"تمہیں باتیں بنانا خوب آتی ہیں۔"

"تمہاری ہی محبت نے سکھادی ہیں۔"

اور عدیل نے اسے آغوش میں بھر لیا۔

"تمہارے پاس ہی، تمہارے قریب ہی رہنے کے لیے تو سب حیلے بہانے تراش رہا ہوں۔ خود ہی سمجھ جاؤنا۔"

ایسا سکون، ایسا اطمینان، اس کی محبت بھری آغوش میں تھا اور اس کی وارفتہ اداؤں میں کہ برائے چندے وہ اپنی تکلیف بھی بھول گئی۔

عدیل کی آغوش میں چہرہ چھپا کر اس نے آنکھیں موند لیں۔ وہ اس کے بالوں کو سہلانے لگا۔ اس کے کان کے ساتھ ہونٹ لگا کر پیار و محبت بھری باتیں ہولے ہولے مدھم مدھم آواز میں کرنے لگا۔

کروڑ بار دہرایا ہوا خلوص و وفا کا عہد ایک بار پھر دہرانے لگا۔ اور یہی پرانی مگر ہر بار نئی انوکھی اور بے حد اچھی لگنے والی باتیں سنتے سنتے وہ ایسی مدہوش ہوئی۔ اس پر ایسا سحر طاری ہوا کہ نیند کو اسے اپنی گرفت میں لینے میں ذرا دقت محسوس نہ ہوئی۔

خواب کے عالم میں بھی اس کے خوبصورت ادھ کھلے ہونٹوں پر اک ملکوتی تبسم رقصاں تھا۔ اس کے حسین اور پاکیزہ چہرے پر ممتا کا ایسا تقدس تھا کہ حوریں بھی اس سے محروم رہی ہوں گی۔

عدیل اسے ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔ نیند میں وہ کراہی۔ عدیل کی محویت ٹوٹ گئی۔

جانے اسے کتنی تکلیف تھی جو وہ نیند میں بھی کراہ رہی تھی۔ سارا درد گویا عدیل کے سینے میں اُتر آیا۔

پریشان ہوتے ہوئے اس نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اس کی خاطر وہ کس تکلیف و کرب کے عالم سے گزر رہی تھی۔

ممنون نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوتے عدیل نے اس کے چہرے پر کئی پیار کر ڈالے۔

"اونہوں۔" وہ نیند میں بڑبڑائی۔

عدیل نے مسکرا کر بڑی وارفتگی سے ایک دو پیار اور کرتے ہوتے اس کا سر تکیے پر ڈال دیا۔

ذرا بھوک محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ لیکن خیرو کے بلانے پر اسے فریحہ کا ساتھ دینے کے لیے کھانے والے کمرے میں جانا ہی پڑا۔

مگر۔ وہاں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ خیرو سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ فریحہ نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا اور وہ آرام کرنے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ شام اکیلے گزارنے کی وجہ سے شاید اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ عدیل کو خیال آیا۔

فریحہ کومل کی بہن تھی۔ اس کی محبوب بیوی کی بہن۔ کومل کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اسے ہی اس کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔

فریحہ کی طرف سے بے پرواہی برت کر وہ کومل کی حق تلفی کر رہا تھا۔
شادی کے بعد میاں بیوی پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے رشتہ داروں
کے حقوق کا خیال رکھیں۔ اور وہ تو اپنا فرض بالکل نہیں نباہ رہا تھا۔ وہ
بڑی بے پرواہی برت رہا تھا۔

ہاتھ دھو کر میز پر بیٹھ چکا تھا۔ اس خیال کے ساتھ ہی جلدی سے اٹھا اور فریحہ
کو بلانے خود چل دیا۔

حالانکہ وہ کئی بار کھنکار کر کمرے میں داخل ہوا تھا۔ مگر پھر بھی فریحہ نے
اپنے شب خوابی کے خوبصورت اور مہین لباس پر گاؤن پہننے کی ضرورت محسوس
نہ کی تھی۔ نجانے کیوں۔۔؟

عدیل کی نگاہیں جھکی جا رہی تھیں۔ دروازے میں ہی کھڑے کھڑے اس نے
فریحہ کو کھانے کے لیے کہا۔

"مجھے آج بھوک نہیں۔"

وہ عدیل کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"کیوں بھوک نہیں۔ کومل کی طبیعت ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے آج شام کو
چائے کے ساتھ بھی کچھ نہیں تھا۔ پھر ایک سادہ پیالی سے کیسے تمہارا پیٹ
بھر گیا۔؟"

اس نے پورے خلوص اور ایمانداری کے ساتھ اپنا فرض ادا کیا۔

"بس۔ پتہ نہیں کیوں۔؟"

"دیکھو فری! تمہاری باجی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ پریشانی کی وجہ سے

مجھے بھی کچھ نہیں سوجھا۔ امید ہے تم ناراض وغیرہ نہیں ہوگی۔ اور اگر نادانستگی
میں کوئی بے پرواہی ہو بھی گئی ہو تو معاف کر دوگی۔"

وہ دروازے میں ہی کھڑا کھڑا کہہ رہا تھا۔

"ارے نہیں۔ اور آپ۔ تم۔ وہیں کیوں کھڑے ہو۔ اندر آجاؤ۔"

عدیل اور کومل کی شادی کو ایک سال ہو گیا تھا۔ مگر ابھی تک فریحہ
شاید یہ طے نہیں کر پائی تھی کہ عدیل سے اس کا طرزِ تخاطب کیا ہونا چاہیے تھا۔
بڑی بہن کے شوہر کے ناطے اس نے اسے بھائی جان بھی کبھی نہیں کہا
تھا اور کلاس فیلو یا دوست کا رشتہ بھی ٹوٹ چکا تھا۔

پھر یوں ہمیشہ وہ اسے کبھی آپ، کبھی تم اور کبھی کسی خطاب کے بغیر
ہی بات کر لیا کرتی تھی۔ سبھی جانتے تھے کہ وہ کلاس فیلو رہ چکے تھے۔ اور
ایک دوسرے کے ساتھ بہت بے تکلف بھی۔ اس لیے اس پر نہ کبھی کسی نے
دھیان دیا۔ نہ کوئی اعتراض کیا۔

"آجاؤ نا۔"

وہ نظریں جھکائے خاموش کھڑا تھا۔ فریحہ نے پھر بلایا۔

"نہیں نہیں۔" وہ چونکا۔

"کومل کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ کہیں اسے میری ضرورت نہ ہو۔"

پھر جلدی سے مڑ کر وہ واپس چلا گیا۔ اس نے بھی کھانا نہیں کھایا۔ وہ
تو صرف فریحہ کی خاطر آگیا تھا۔ ورنہ کومل کی طبیعت خراب تھی۔ اسے اندر ہی
اندر بڑی بے چینی سی تھی۔

خیرو کو سب کچھ اٹھا لینے کی ہدایات دے کر واپس خواب میں چلا آیا۔
کمرے کی مدھم نیلگوں روشنی میں کومل سوئی پڑی بڑی معصوم سی لگ رہی تھی۔ تھوڑے تھوڑے ابھرے ہوتے اس کے پیٹ کے کچھ حصے پر سے کمبل سرکا ہوا تھا۔
سردی بہت تھی۔ عدیل جلدی سے قریب آیا۔ بڑی احتیاط سے، بڑے پیار سے اسے گردن تک اچھی طرح کمبل اوڑھایا۔
ایک بار پھر نگاہ اس کے نکھرے نکھرے مگر زرد چہرے پر جا پڑی۔
جب سے بچہ ہونے کی اُمید ہوئی تھی وہ کچھ اور بھی حسین ہو گئی تھی یا مِتا کا یہ انوکھا اور مقدّس رُوپ عورت کی عظمت کا شاہد ہے اور مرد کی محبت کا ضامن۔!!
عقیدت اور احترام سے عدیل کا سر اس کے حضور جھک گیا۔
"اے عورت تو عظیم ہے اور میں تیری عظمت کو سلام کرتا ہوں"
وہ بہت احتیاط سے اس کے قریب بیٹھ گیا۔
"اور میری کومل ۔! میری محبت! میری زندگی!! تو نے جن جذبوں سے مجھے نوازا ہے میں ان کا احسان مند ہوں"
اس نے جھک کر اس کی صبیح پیشانی کو چوم لیا۔
وہ کسمسائی۔ تھوڑا سا کراہ کر اس نے کروٹ بدل لی۔
پیار و محبت میں ڈوبی وارفتہ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے عدیل بھی بستر پر دراز ہو گیا۔

نیند بالکل نہیں آ رہی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر میز پر سے سگریٹ اور لائٹر اٹھالیا۔
کومل نے نیند میں ہی پھر کروٹ بدلی۔ اب اس کا رُخ عدیل کی طرف تھا۔
پیشانی اور چہرے کے اردگرد بکھر آنے والے سیاہ بالوں نے اسے حسین سے حسین تر بنا دیا۔
سگریٹ کے کش لیتے ہوئے، کومل کو بڑے غور سے تکتے ہوئے اچانک اس کی سوچ فریحہ کی طرف چلی گئی۔
وہ کومل کی نسبت کہیں زیادہ ماڈرن تھی۔ کہیں زیادہ چنچل اور تیز طرار۔ مگر جو کشش کومل کے حسن و سنجیدگی میں تھی وہ فریحہ کے چنچل پن۔ فیشن اور شوخی میں نہ تھی۔
اور وہ۔ وہ خوش قسمت تھا کہ اس نے شادی کے لیے کومل کا انتخاب کیا تھا!
عدیل سوچوں میں کچھ اس طرح ڈوبا ہوا تھا کہ اسے پتہ ہی نہیں چلا کب کومل جاگ پڑی۔
"عدیل ۔! عدیل جاگ رہے ہو۔؟"
اس کی آواز میں عجیب سا کرب تھا۔
"ہوں" اس نے مندی ہوئی آنکھیں جلدی سے کھولیں۔
"کیا ہوا جان ۔؟"
وہ یکدم اس پر جھک گیا۔
"میرے پیٹ میں بہت درد ہے"

اس نے اپنا بازو عدیل کی گردن میں ڈال دیا۔

"ہائے! میں مرگئی۔" وہ تڑپی۔

"ٹھہرو کومل! میں ابھی گرم پانی کی بوتل لاتا ہوں۔ آج سردی بہت ہے نا۔"

عدیل نے اس کے چہرے، پیشانی پر سے بکھرے بال پرے ہٹائے۔ پھر اسے اپنے دونوں بازوؤں میں بھر کر اپنے سینے کے ساتھ لگالیا۔

"کاش! تمہاری تکلیف میں لے سکتا۔"

"اوہ خدایا۔" درد کی لہر پھر اٹھی۔ وہ پیلی پڑگئی۔

"یاد آیا پیٹ درد کی دوا گھر میں ہے۔ ساتھ چائے بنالاتا ہوں۔"

اس کی پیشانی ٹھنڈی ہوتی جارہی تھی۔ عدیل نے اپنے گال اس کے ساتھ رگڑتے ہوئے اسے دلاسہ دیا۔

"بس ابھی ٹھیک ہوجاؤ گی میری جان۔ ابھی۔"

پھر اس نے آرام سے اسے بستر پر لٹادیا۔

"نہیں عدیل! مجھے اکیلا چھوڑ کر نہ جاؤ۔"

عدیل اٹھ رہا تھا۔ کومل نے کراہتے ہوئے اس کا بازو تھام کر اپنے سینے کے ساتھ بھینچ لیا۔

"ایک منٹ جان! صرف ایک منٹ۔ ایک پیالی گرم گرم چائے۔ ایک درد کی گولی اور ایک گرم پانی کی بوتل۔ ایک منٹ میں یہ سب کچھ لے کر آتا ہوں۔"

"وہ خیرو کیا سوگیا۔؟"

"ایک بج رہا ہے شاید۔ سوگیا ہوگا۔"

"تو پھر تم۔ یہ سب کیسے کروگے۔؟"

"تمہاری خاطر سب کچھ کرسکتا ہوں۔"

اس نے کومل کے گال تھپتھپائے۔

"بس ابھی واپس تمہارے پاس آیا۔"

عدیل نے جھک کر پھر اسے پیار کیا اور گاؤن پہنتے ہوئے خواب گاہ سے باہر نکل گیا۔

کتنا اسے اس کا خیال تھا۔ کومل نے انتہائی ممنون نگاہوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔

"اوہ۔!"

پھر درد کی لہر اٹھی۔ وہ بے چین ہوگئی۔ عجیب سی تکلیف تھی۔ جانے کیسی؟ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ اتنی سردی کے باوجود وہ پسینہ پسینہ ہوتی جارہی تھی۔

"یہ لو یہ گرم پانی کی بوتل، یہ چائے۔۔۔ ارے ارے۔"

وہ جلدی سے اس کے قریب آیا۔ کومل کا رنگ اتنا پیلا ہو رہا تھا کہ وہ ساری جان سے لرز اٹھا۔

"کومل! یہ لو۔ یہ گولی جلدی سے کھالو۔"

"عدیل۔! جانے کیا ہو رہا ہے۔؟"

وہ جیسے ڈوبتی ڈوبتی بولی۔

"کسی لیڈی ڈاکٹر کو بلا سکتے ہو۔؟"

"اس وقت۔؟" عدیل نے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔

"رات کے دو بج رہے ہیں۔ اس وقت کون آئے گی۔؟"

اس کی حالت دیکھ کر خود اسے پریشانی سے کچھ نہیں سوجھ رہا تھا۔

"ہاں یاد آیا۔ وہ مسز بخاری ہیں نا۔ جن کے ہاں پرسوں کھانے پر مدعو تھے۔ وہ ڈاکٹر ہے۔ انہیں بلا لاؤں۔؟"

"کسی کو بھی لاؤ۔ مگر جلدی جاؤ۔"

وہ پھر تڑپی۔

عدیل نے جلدی سے کپڑے تبدیل کیے اور سردی میں ٹھٹھرتا ہوا چل پڑا۔

درد کی پھر لہر اٹھی۔ کومل کو یوں محسوس ہوا گویا زہر میں بجھا اک خنجر اس کے پیٹ میں اترتا ہی چلا جا رہا تھا۔

اب تکلیف برداشت سے باہر تھی۔ کوئی دو تین منٹ تک وہ اس کرب میں مبتلا رہی۔ سارا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا۔

"فری۔ فری۔"

عدیل بھی جا چکا تھا۔ اس نے فریحہ کو جگانا چاہا۔ مگر اس کی آواز اتنی کمزور تھی کہ ناکام رہی۔

ایک بار پھر وہی لہر اٹھی۔ اسے پھر درد و کرب کے اسی جہنم سے گزرنا پڑا۔

تین منٹ تین صدیاں بن گئے۔

"عدیل! خدا کے لیے اب آ بھی جاؤ۔ ورنہ تمہارے پیچھے پیچھے ہی میں۔۔۔"

اور اسی لمحے عدیل مسز بخاری کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوا۔

"کیا ہوا مسز عدیل۔؟"

مسز بخاری جلدی سے اس کی طرف بڑھ آئیں۔

"جی کچھ نہیں۔" کومل نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"افوہ۔! آپ کا چہرہ کتنا زرد ہو رہا ہے۔"

ڈاکٹر نے اس کی نبض ٹٹولی۔ پھر کومل پر سے کمبل اتارتے ہوئے وہ عدیل سے مخاطب ہوئی۔

"آپ ذرا باہر چلے جائیے۔؟"

عدیل کمرے سے باہر نکل کر بڑی بے قراری سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ ذہنی طور پر اس کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ ساری تکلیف اسے ہی ہو رہی تھی۔ کومل سے کہیں زیادہ اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔

وہ کومل کی صحت کی دعائیں مانگ رہا تھا۔ کومل کی زندگی بچ جانے کی خدا سے التجائیں کر رہا تھا۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر اس کے سارے حواس متجسس ہو اُٹھے۔ مسز بخاری باہر نکل آئی تھیں۔ وہ بھاگ کر ان کے قریب چلا گیا۔

"مسٹر عدیل! یہ تو آپ کو معلوم ہی ہو گا کہ آپ کی بیوی ماں بننے والی ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"تو پھر میں آپ کو ایک منحوس خبر سنانے لگی ہوں۔"

"کیا۔؟" وہ بُری طرح گھبرا گیا۔

"ان کا حمل ساقط ہو گیا ہے۔"

عدیل نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔

"مَیں نے انہیں مارفیا لگا دیا ہے۔ آپ ایمبولینس منگوا کر انہیں ابھی ہسپتال بھجوا دیجیے۔"

"ڈاکٹر صاحبہ! کومل تو بچ جائے گی۔؟"

اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"آپ بے فکر رہیے۔ انہیں کوئی خطرہ نہیں۔ البتہ آپریشن ہو گا۔ اور انہیں کچھ دن ہسپتال رہنا پڑے گا۔"

اس نے تسلی دینے کے انداز میں کہا۔

"اچھا اب مَیں چلتی ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ۔ چلیے مَیں آپ کو چھوڑ آؤں۔"

"کوئی بات نہیں۔ مجھے قریب ہی جانا ہے۔ مَیں چلی جاؤں گی۔ آپ ایمبولینس کا جلد انتظام کیجیے۔ شب بخیر۔!"

خود جلدی کر کے شاید وہ عدیل کو عجلت کا احساس دلانا چاہتی تھی۔

"شب بخیر۔!" کھوئے کھوئے سے انداز میں اس نے جواباً کہا۔

"ڈاکٹر تیز تیز قدم اٹھاتی چلی گئیں۔ عدیل اسی جگہ بے حس و حرکت کھڑا رہ گیا۔

اس کا بچہ۔ اس کا اور کومل کا بچہ۔ ان کی محبت کی نشانی۔ اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی چل بسا۔ ماں کی آغوش میں آنے سے پہلے ہی موت کی آغوش

میں جا سویا۔

کِس گناہ کی پاداش میں۔؟

کیوں۔؟

کیوں۔؟؟

کیوں۔؟؟؟

اس کا ذہن سمجھنے سے عاری تھا۔

دل بے حد دکھی ہو رہا تھا۔ مگر۔ اچانک جیسے کسی غیبی طاقت نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

کومل۔ کومل۔ وہ موت و حیات کی کشمکش میں پڑی تھی۔

"اوہ۔! مَیں اسے بچا لوں گا۔ مَیں اسے بچا لوں گا۔ ہر صورت میں۔ ہر قیمت پر۔ مَیں اس کی زندگی کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ تک دینے سے دریغ نہیں کروں گا۔ کومل میری محبت ہے۔ کومل میری آرزو ہے۔ کومل ہی میری زندگی ہے۔ وہی نہ رہی تو مَیں۔ مَیں۔ اوہ۔!"

وہ تیزی سے فریحہ کے کمرے کی طرف بھاگا۔

"فری۔ فری۔"

اس وقت سب اخلاق و آداب وہ بھلا بیٹھا تھا۔ آوازیں دیتا ہوا اس کے کمرے کے اندر جا پہنچا۔

"کیا ہوا۔؟" وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

"کومل کی طبیعت بہت خراب ہے۔ اسے ابھی ابھی ہسپتال پہنچانا ہے۔

تم جلدی سے ضرورت کی چند چیزیں اکٹھی کر دو۔"

"کیا ہوا باجی کو۔؟"

اس نے پریشانی کے عالم میں پوچھا۔

"اس کو کچھ تکلیف ہے۔ وہ۔ وہ۔ پتہ نہیں کیا ہے۔؟"

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریحہ کو کیسے سمجھائے۔

"میں ہسپتال فون کرنے جارہا ہوں۔ تم اس کا دھیان رکھنا۔"

اس نے جاتے جاتے عجلت سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد ایمبولینس آگئی اور کومل ہسپتال چلی گئی۔ فی الحال فریحہ یا عدیل کی وہاں ضرورت نہ تھی۔ رات سرد تھی۔ برآمدوں میں ٹھٹھرنے کی بجائے انہیں گھر واپس بھیج دیا گیا۔

اور پھر۔ باقی رات۔ عدیل ایک لمحہ کو بھی نہ سو سکا۔ تمام رات کومل کے ساتھ گزارا ہوا ایک ایک لمحہ اس کی آنکھوں میں پھرتا رہا اور اسے بے قرار کرتا رہا۔

"یا اللہ! اسے صحت دے۔ خدایا اس کی زندگی قائم رکھنا۔ وہ نہ رہی تو عدیل بھی۔ عدیل بھی جان سے گزر جائے گا۔ وہی تو اس کے جسم میں رُوح ہے۔ پروردگار۔! پروردگار۔!!"

کومل کی آنکھ کھلی۔ سفید لباس میں ملبوس اک نرس، نے اس کی کلائی تھامی ہوئی تھی۔ وہ حیران سی رہ گئی۔ پھر اس نے اردگرد دیکھا۔

"میں ہسپتال میں کب آئی۔؟"

حیران ہوتے ہوئے نحیف سی آواز میں اس نے نرس سے پوچھا۔

"رات آپ کی طبیعت ناساز ہوگئی تھی نا۔ اس لیے آپ کو ہسپتال لانا پڑا۔"

"ہاں ہاں۔ مجھے یاد ہے۔"

اسے گزشتہ رات کی تکلیف یاد آگئی۔

"کیا ہوگیا تھا مجھے۔؟"

"دیکھیے۔ ابھی ڈاکٹر راؤنڈ پر آرہی ہیں۔ وہ آپ کو سب کچھ سمجھا دیں گی۔"

اس نے ابھی بات مکمل ہی کی تھی کہ مسکراتے چہرے والی ڈاکٹر اندر

داخل ہوئیں۔

"صبح بخیر مسز عدیل! کب جاگیں آپ۔؟"

اس نے چارٹ پڑھتے ہوئے پوچھا۔

"جی ابھی آنکھ کھلی ہے۔ اور میں خود کو ہسپتال میں پا کر حیران رہ گئی ہوں۔"

"جی ہاں۔ جب آپ رات کو یہاں لائی گئی تھیں تو آپ مارفیا کے زیر اثر تھیں۔"

اس نے چارٹ رکھتے ہوئے کومل کے چہرے پر بھرپور نگاہ ڈالی۔

"مسز عدیل! میں آپ کو ایک خبر سنانا چاہتی ہوں۔"

وہ اس کے قریب جھک آئی۔ اس کا چہرہ بڑا مشفق اور انداز بڑا مخلص سا تھا۔

"لیکن پہلے یہ سمجھا دوں کہ پریشان ہونے کی بالکل کوئی ضرورت نہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں۔"

اندر سے دل دھک کر کے رہ گیا مگر بظاہر ہلکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیرتے ہوئے کومل بولی۔

"میں ہر تکلیف خندہ پیشانی سے برداشت کر سکتی ہوں۔"

ڈاکٹر نے اس کے مسکراتے چہرے پر نگاہیں گاڑتے ہوئے بڑی نرم سی آواز میں کہا۔

"آپ کا حمل ساقط ہو گیا ہے۔"

"جی۔" اس کے منہ سے بس اتنا ہی نکل سکا۔ پھر اس کی آواز بھرا گئی اور پیشانی پر ٹھنڈا پسینہ ابھر آیا۔

"دیکھیے میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ایسے حادثات تو تقریباً ہر ماں کو برداشت کرنا ہی پڑتے ہیں۔"

ڈاکٹر نے اسے تسلی دی۔

"تو مجھے کتنے دن ہسپتال میں رہنا ہوگا۔؟"

"یہی کوئی آٹھ دس دن۔ وہ بھی اس لیے کہ کوئی پیچیدگی نہ پیدا ہو جائے۔ اچھا اب میں چلتی ہوں۔ شام کو پھر آؤں گی۔ اب آپ ذہن پر کوئی فکر یا پریشانی مت ڈالیے گا۔ خدا حافظ۔"

ڈاکٹر اور نرس، دونوں باہر چلی گئیں۔

"میرا بچہ۔ جسے میں اپنا کہہ بھی نہ سکی۔ جس کے منہ سے ماں کا لفظ سننے کی آرزو نے اس کے ساتھ ہی دم توڑ دیا۔ میرا بچہ۔ جسے میں دیکھ بھی نہ سکی۔"

اس نے آنسو روکنے کی بہت کوشش کی۔ مگر سینے پر اتنا بڑا بوجھ تھا کہ وہ برداشت نہ کر سکی۔ آخر کار ضبط کے بند ٹوٹ گئے۔

"میرا بچہ۔ میرا بچہ۔" وہ سسکیاں لینے لگی۔

اس کے اندر خواہش پیدا ہوئی کہ کاش وہ ایک مرتبہ۔ صرف ایک مرتبہ اپنے بچے کو سینے سے لپٹا سکتی۔ اس کا منہ چوم سکتی۔

اس خواہش کا ہلکا ہلکا درد کسی گہرے گھاؤ کی طرح ٹیسیں مارنے لگا۔

کیسی کیسی آرزوئیں اس نے دل میں بسا رکھی تھیں۔ اس نے کیسے کیسے

سہانے سپنے دیکھے تھے۔ اس چھوٹی سی دنیا کے۔ جس میں اس نے عدیل کو اور
اپنے ہونے والے بچے کو آباد کر رکھا تھا۔

اس کو یوں لگا گویا اس کا بچہ اس سے روٹھ کر۔ اس کی دنیا کو ویران
کر کے چلا گیا تھا۔

اس کے ساتھ اس نے اس گھر میں، برآمدوں میں صحن میں، لان میں
آنکھ مچولی کھیلی تھی۔

اور اب۔ سب در و دیوار خاموش تھے۔ اس کے ساتھ سسکیاں بھر
رہے تھے۔

"آجاؤ۔ واپس آجاؤ میرے بچے۔" وہ بلک پڑی۔

"میرے بچے واپس آجاؤ۔ میں تمہارے بغیر ادھوری رہ گئی ہوں۔
میری دنیا اجڑ گئی ہے۔ یہ دیکھو میں تمہیں ڈھونڈنے نکلی ہوں۔ اپنی ماں کو
معاف کر دو۔ اور چپکے سے آکر میرے سینے کے ساتھ لگ جاؤ۔ دیکھو میں نے
آنکھیں بند کر لی ہیں۔"

وہ تکیے کو سینے سے لپٹائے رو رہی تھی۔ اس کا نرم گرم لمس اسے تڑپائے
دے رہا تھا کہ وہ بے جان تھا۔ اور اس کا سینہ اس جاندار ہستی کے لمس بنا
ویران ہوا جا رہا تھا جس نے اسے زندگی کی خوشیاں دینا تھیں۔ جس نے اس
کی تکمیل کرنا تھی۔

"واپس آجاؤ میرے لال۔ میرے بچے۔!!"

اور وہ یونہی سسکیاں بھرتے بھرتے سو گئی۔

دوپہر کے وقت عدیل اور فریحہ ہسپتال آئے۔ کومل ان کے قدموں کی
آہٹ سن کر جاگ پڑی۔

"باجی۔ باجی۔!! کیا ہوا۔؟"

فری حقیقت حال سے بے خبر تھی۔ اسی لیے گھبرائے ہوئے لہجے میں
بار بار پوچھ رہی تھی۔

"ارے کومل! تمہاری آنکھیں کیوں سرخ ہو رہی ہیں۔؟"

عدیل فریحہ کے ساتھ ہونے کی پرواہ کیے بغیر اس کے پاس آکر اس
پر جھک گیا۔ پھر اس کے چہرے کے بہت قریب ہو کر اسے بغور تکنے لگا۔

"نیند نہیں آئی یا روتی رہی ہو۔؟ ہاں یہ دیکھو سارا تکیہ بھیگ رہا ہے۔"
عدیل نے تکیے کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں۔ روئی تو نہیں۔"

اک پژمردہ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر اٹھی۔ عدیل سمجھ گیا کہ وہ
صاف جھوٹ بول گئی تھی۔ ورنہ وہ بہت سارا روئی تھی۔

"اری پگلی! پھر کیا ہوا۔؟"

عدیل نے اس کا ہاتھ تھام کر سہلایا۔ اس کی پیشانی پر سے بکھرے بکھرے
بال پرے ہٹاتے۔

"ایسی کوئی رونے کی بات تو نہیں۔ بس اب جلدی جلدی ٹھیک ہو
جاؤ اور چلو گھر۔"

وہ بڑے پیارے انداز میں اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"سچ جانو تمہارے بغیر گھر بڑا سونا سونا لگتا ہے۔"

"ڈاکٹر کہتی تھیں بس آٹھ دس دن کی بات ہے۔"

کومل نے عدیل کا ہاتھ تھام لیا۔

"خود میں بھی جلد گھر جانا چاہتی ہوں۔ تمہارے سب کام۔۔۔"

"ارے کاموں کو ڈالو چولہے میں۔"

پھر اس نے مڑ کر فریحہ کی طرف دیکھا۔ وہ پیٹھ موڑے کھڑکی میں کھڑی باہر دیکھ رہی تھی۔ وہ کومل کے اور بھی قریب جھک آیا اور مسکراتے ہوئے اس کے کان میں بولا۔

"تمہاری یہ نرم نرم انگلیاں میرے بالوں میں نہیں ہوتیں تو مجھے نیند نہیں آتی۔ تمہارے یہ مرمریں بازو میرے گلے کا ہار نہیں بنتے تو مجھے قرار نہیں آتا۔ تمہارے وجود کے سحر انگیز لمس بنا۔۔۔"

کومل نے شرما کر، گھبرا کر اس کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"چُپ۔ فری ہے۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"اوہ۔! لیکن وہ تو اُدھر ہے۔"

وہ جھنجھلا پڑا۔

"ایک تو یہ مصیبت ہر وقت۔۔۔"

"فری۔!" کومل نے یکدم اسے آواز دے ڈالی تو وہ جلدی سے سیدھا اور خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔

"ادھر آؤ میرے پاس۔"

وہ اس کی چھوٹی بہن تھی۔ اتنی گھبرائی ہوئی تھی۔ اتنی پریشان تھی۔ بڑا رحم آیا اس پر۔!

اس کے بغیر بے چاری گھر میں اکیلی کیا کرتی ہوگی۔؟ فریحہ اس کے قریب آگئی۔

"میں جلد گھر آنے کی کوشش کروں گی۔ تم پریشان نہ ہونا۔"

"آج صبح ڈاکٹر دلاور کے ہاں سے رات کے کھانے کی دعوت آئی تھی۔"

عدیل کو جیسے کوئی بھولی بات یاد آئی۔

"مگر میں نے فی الحال ٹال دیا ہے۔"

"ٹال دیا ہے۔؟ وہ کیوں۔؟؟"

کومل نے اسے گھور کر دیکھا۔

"تمہیں نہیں تھیں تو میں کیسے جاتا۔"

عدیل نے انتہائی پیار بھری نظروں سے اسے تکتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں تھی تو کیا ہوا۔؟ فری کو لے جاتے۔ دیکھو عدیل! میری بہن کا خاص خیال رکھنا۔ میرے بغیر اداس نہ ہونے دینا۔ اسے رائیڈنگ کا بڑا شوق ہے۔ شام کو لے جایا کرنا۔ ورنہ اکیلی گھر میں گھبرایا کرے گی۔"

"نہیں باجی۔!" فریحہ بولی۔

"تم صحت یاب ہو کر آجاؤ تو پھر بہت سارے پروگرام بنائیں گے۔"

"لو۔ اب تم میرے لیے اپنا وقت بھی ضائع کرتی رہو گی۔ جانے امی ابا کب تمہیں واپس بلا لیں۔"

پھر وہ عدیل سے مخاطب ہوئی۔

" عدیل! تم فری کو لے کر ڈاکٹر دلاور کے ہاں چلے جانا۔ اور میری طرف سے معذرت کر دینا۔ تم دونوں کا دل ذرا بہل جائے گا۔"

"تو پھر شام کو شاید ہم نہ آسکیں۔"

فریحہ گویا رضامند ہوتے ہوئے بولی۔

"تو کیا ہوا۔؟"

"لیکن۔۔۔" عدیل نے کچھ کہنا چاہا مگر کومل جھٹ سے بولی۔

"لیکن ویکن نہیں۔ تم بس دعوت پر ضرور جانا۔"

"تمہاری خوشی۔" عدیل با دل نخواستہ بولا۔

"فری ہماری مہمان ہے۔"

کومل نے عدیل کو گویا اس کے فرائض کا احساس دلانے کی کوشش کی۔

فریحہ پرس وغیرہ اٹھا کر جانے کو تیار تھی۔

"جو حکم جناب۔!"

کومل کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

چند قدم چلا۔ پھر لوٹ آیا۔ فریحہ کمرے سے باہر نکل چکی تھی۔

"کیوں۔؟" کومل نے واپس آنے کا سبب پوچھا۔

"رخصتی پیار تو دو۔ تاکہ اسی خیال، اسی سحر میں ڈوب کر کم از کم نیند کو تو اپنے پاس بلا سکوں۔"

کومل نے مسکراتے ہوئے بازو پھیلا دیئے۔

دونوں اکٹھے ہی آئے۔ عدیل کچھ چپ چپ سا تھا۔ آتے ہی کومل کے پاس بیٹھ گیا۔

"طبیعت کیسی ہے۔؟"

اس نے کومل کا ہاتھ تھام کر بڑی گہری نگاہوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"ٹھیک ہوں۔"

پھر کومل جلدی سے فریحہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔ بڑی ہشاش بشاش دکھائی دے رہی تھی وہ۔!

"تم سناؤ فری۔؟"

"باجی! کل اتنا مزہ آیا ناکہ کیا بتاؤں۔؟"

وہ بچوں کے سے مسرور انداز میں بولنے لگی۔

"شام کو کوئی گھنٹہ بھر رائیڈنگ کی۔ اور ایک بار تو میں نے اتنی تیز گھوڑا دوڑایا باجی! کہ بس گرنے ہی لگی تھی۔ اور نیچے بہت گہری کھڈ تھی۔ اگر گر جاتی تو ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔"

"ہائے اللہ۔! فری تم ابھی تک بچہ ہی رہیں۔"

کومل سچ مچ لرز اٹھی۔ پھر بڑے ناصحانہ انداز میں بولی۔

"اب ایسی حرکتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔ اپنے میں کچھ بڑاپن۔۔"

"ارے چھوڑو بھی باجی۔!"

لاپرواہی سے اس نے کومل کی بات کاٹ دی۔

"اور ہاں شام کو دعوت میں بڑا لطف رہا۔ وہاں ایک صاحب ملے جو ماڈرن آرٹ کے دیوانے تھے۔ بس میری طرح۔"

وہ بے تکان بولے جا رہی تھی۔

"اور باجی۔! وہ تو دو تین بار پیرس بھی ہو آئے ہیں۔ کہتے تھے پیرس جانے سے پہلے میں انہیں مل لوں۔ وہاں کے کئی مشہور فنکاروں کے نام وہ مجھے تعارفی خطوط دیں گے۔ کل میں ان کی تصویریں بھی دیکھنے جا رہی تھی۔"

"تو گویا تمہیں اپنے جیسا ایک دیوانہ اور مل گیا۔"

کومل اس کی بچوں کی طرح بے پایاں خوشی دیکھ کر ہنس پڑی۔

"ہاں باجی! آرٹسٹ لوگ دیوانے ہی تو ہوتے ہیں۔"

"اور تم وہ مال روڈ والا واقعہ سنانا تو بھول ہی گئی ہو فری۔"

پاس سے عدیل بولا۔

"کومل سنو۔ کل ہم دونوں مال پر جا رہے تھے کہ ایک فقیرنی ہمارے پیچھے لگ گئی۔ کئی مرتبہ ڈانٹا ڈپٹا مگر اس نے تو پیسے لیے بنا ہماری جان نہ چھوڑنے کی گویا قسم کھا رکھی تھی۔ جانتی ہو کہتی کیا تھی۔؟"

کومل دلچسپی سے سننے لگی۔

"پہلے مجھے مخاطب کر کے کہنے لگی۔ بیٹا! تم دونوں کی جوڑی بنی رہے۔!"

عدیل اسی کے لہجے اور انداز کی نقل اتار رہا تھا۔

"پھر فری کو کہنے لگی۔ بیٹی! سدا سہاگن رہو۔ سات بیٹوں کی ماں بنو۔ اور نجانے کیا کیا بکتی رہی۔"

عدیل بے ساختہ ہنس رہا تھا۔

"فری کی بڑی عجیب حالت تھی۔ آخر تنگ آ کر میں نے پچاس پیسے دیئے اور جان چھڑائی۔"

یہ واقعہ سنتے ہی کومل کے دل میں جذبات کی ایک عجیب سی لہر اٹھی۔

شک۔؟ حسد۔؟؟ یا رقابت۔؟؟؟

وہ فیصلہ نہ کر پائی کہ کیا تھا۔؟

اس نے عدیل کے چہرے کو بغور دیکھا۔ مگر اسے وہاں کوئی مشکوک تاثر نظر نہ آیا۔ اس نے بڑی سادگی اور صاف دلی سے سب کچھ بتا دیا تھا۔

پھر اس نے فوراً فری کی طرف دیکھا۔ وہ کھڑکی میں کھڑی بڑے مزے سے چیونگم چبا رہی تھی۔

"کیا بات ہے کومل ۔! تم کچھ پریشان سی ہو۔"
عدیل نے حیرت سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔
"نہیں نہیں ۔ کچھ بھی تو نہیں ۔"
وہ شرمندہ سی ہو گئی۔
"جانے میں کیوں اتنی شکی مزاج ہوتی جا رہی ہوں ۔" اس نے دل میں سوچا۔
کومل خاموش ان دونوں کو تک رہی تھی ۔ عدیل نے بڑے پیار سے کہا۔
"اب تم بھی کوئی بات سناؤ نا ۔ ؟"
"میں سناؤں ۔ ؟ یہاں ہسپتال کے ایک کمرے میں میں پڑی ہوں ۔"
کومل قدرے بے بسی سے بولی۔
"اٹھنے بیٹھنے، کہیں آنے جانے کی اجازت نہیں ۔ میں کیا سناؤں ۔ ؟"
عدیل ہنس پڑا ۔ پھر ہولے سے، سرگوشی کے سے انداز میں کہ فریحہ نہ سن لے، کہنے لگا۔
"پگلی ! تم بے شک یہیں پڑی رہو ۔ میں تمہیں کوئی ارد گرد کا واقعہ سنانے کو تو نہیں کہہ رہا ۔ میرا جی چاہتا ہے تم مجھ سے میرے متعلق باتیں کرو ۔ اس تنہائی میں، یوں اکیلے پن میں، میں تمہیں کیسے کیسے یاد آیا ہوں ۔"
"اوہ ۔!" کومل مسکرا پڑی ۔ چپکے سے عدیل کا ہاتھ تھام کر دبا دیا ۔ اس کی آنکھوں میں بڑی انوکھی سی خوبصورت سی چمک لہرائی۔
عدیل مسحور سا ہو گیا ۔ فریحہ موجود نہ ہوتی تو اس نے اس وقت کومل کی آنکھوں کو چوم لینا تھا ۔ وہاں چمکتے ستاروں کو اپنے ہونٹوں پر سجا لینا تھے۔

اور ہولے سے اس نے اپنے اس ارادے کا کومل پر اظہار بھی کر دیا ۔ اس کی آنکھوں کی چمک کچھ اور گہری ہو گئی۔
اس لمحے ۔ کومل کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ دنیا کی خوش قسمت ترین عورت تھی کہ اسے ایک مرد کا والہانہ پیار، اتنی گہری محبت اور ان مٹ اعتماد حاصل تھا۔
عدیل کا مضبوط ہاتھ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا۔
"اب چلیں عدیل ۔!"
فریحہ یکایک مڑی ۔ وہ سحر ٹوٹ گیا ۔ پیار کا نغمہ بکھر گیا ۔ دونوں ہی چونک پڑے۔
"ٹھہرو ابھی ۔" کومل نے اصرار کیا۔
"میں جانتا ہوں اسے کس بات کی جلدی ہے ۔!"
عدیل نے مسکراتے ہوئے مڑ کر فریحہ کی طرف دیکھا۔
"کومل ! آج اس نے فلم کا پروگرام بنایا ہے ۔"
"نہیں نہیں ۔" فریحہ یکدم گھبرا اٹھی۔
کومل نے تعجب سے اس کی گھبراہٹ کو دیکھا۔
"ایسی کوئی بات نہیں ۔ میں نے تو سوچا تھا کہ باجی کو آرام کا موقع دیا جائے ۔"
کومل کے دل میں شکوک نے پھر سر ابھارا ۔ فری زیادہ سے زیادہ وقت عدیل کے ساتھ تنہائی میں گزارنا چاہتی تھی ۔ کیوں ۔؟

اس کے علاوہ اپنے پروگراموں سے وہ اسے لاعلم بھی رکھنا چاہتی تھی۔

کیوں۔؟؟

کہیں وہ اس پر اپنی اس محبت کا اظہار تو نہیں کرنا چاہتی تھی جسے وہ کئی سالوں سے اپنے سینے میں چھپائے ہوئے تھی۔

مگر اب کیوں۔؟ اب کیوں۔؟؟

کیا اسے یہ احساس نہیں تھا کہ وہ کسی اور کا ہو چکا تھا۔ اب وہ اس کی بہن کا شوہر تھا۔

حقیقی بہن کا۔! کیا اس صورت میں بھی۔؟

کیا فری اس پستی تک گر سکتی تھی۔؟

"نہیں نہیں۔ یہ ممکن نہیں۔ سب میرا وہم ہے۔ سب میرے پراگندہ خیالات ہیں۔ اس تنہائی کے بھوت۔!"

اس نے دل کو تسلی دی۔ مگر یہ احساس دل سے نہ نکال سکی کہ وہ تسلی جھوٹی تھی۔

وہ چپ چاپ سوچوں میں کھوئی پڑی تھی۔ نرس کمرے میں داخل ہوئی تو اسے پتہ ہی نہ چلا۔ اتنی گم تھی وہ۔!

"کیا بات ہے مسز عدیل! آپ کو بخار کیوں آنے لگا ہے۔ ڈاکٹر کہہ رہی تھیں کہ آپ کو آرام آجانا چاہیے تھا۔ مگر۔"

"مگر کیا۔؟" اس نے چونک کر نرس کو دیکھا۔

"شاید آپ ہسپتال سے ابھی جانا نہیں چاہتیں۔"

"ہسپتال سے جانا نہیں چاہتی۔؟"

اک مجروح سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

"میرے بغیر میرا گھر برباد ہو رہا ہے نرس! میں کیسے نہ یہاں سے جانا چاہوں گی۔؟"

"گھر برباد ہو رہا ہے۔" ؟ نرس متعجب سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا بات ہے۔؟"

"اوہ! آپ میرا مطلب غلط سمجھی ہیں۔"

وہ سٹپٹا کر بولی۔

"جب گھر کی مالکن گھر میں موجود نہ ہو تو گھر کی دیکھ بھال پھر اس طرح تو نہیں ہوتی نا۔"

"ہاں۔ یہ تو آپ نے سچ کہا۔ اب مجھے ہی دیکھیے۔ صرف ڈیوٹی کے اوقات ہی گزار کر گھر جاتی ہوں تو ہر چیز بے ترتیب پڑی ملتی ہے اور آپ تو کئی دن سے گھر سے غیر حاضر ہیں۔"

"ہاں۔"

"تو پھر آپ ذہن میں اچھے اچھے خیالات لائیے۔ زندہ سوچوں سے زندگی کو تقویت ملتی ہے۔ پراگندہ ذہن، بیمار سوچیں، انسان کو زیادہ بیمار کر دیتی ہیں۔"

نرس اسے سمجھانے لگی۔

"اب یہی دیکھیے آپ کو تین دن پہلے یہاں سے چلے جانا چاہیے تھا۔ مگر آپ کو بخار آنے لگا ہے۔ یقیناً کوئی ذہنی گڑبڑ ہے۔ اور جانے کتنے دن اور اب آپ کو یہاں رہنا پڑ جاتے۔"

"نہیں نہیں۔ میں جلد اچھی ہو کر گھر جانا چاہتی ہوں۔ میں اپنے گھر جانا چاہتی ہوں۔ جلد از جلد۔"

وہ کتنی ہی دیر بڑبڑاتی رہی۔ نرس اس کا ٹمپریچر لے کر، چارٹ پر لکھ کر، دوا پلا کر رخصت ہو گئی۔

اور وہ پھر اپنی سوچوں کے ساتھ تنہا رہ گئی۔

پچھلے چند دنوں سے فری میں وہ ایک نمایاں تبدیلی محسوس کر رہی تھی۔ اب وہ دن میں صرف ایک مرتبہ آتی ۔ وہ بھی چند منٹ بیٹھنے کے بعد واپس چلنے کا تقاضا شروع کر دیتی۔

"چلو عدیل! چلیں۔"

ہر دس سیکنڈ بعد وہ یہی فقرہ دہراتی۔ ابتدا میں تو عدیل کبھی اس کی سنتا ہی نہ، پھر کبھی اسے چند منٹ، چند منٹ اور رک جانے کا کہہ کہہ کر کچھ وقت گزار لیتا۔ مگر پھر۔

اب تو وہ بھی فری کے ذرا سے اشارے پر فوراً اٹھ پڑتا تھا۔

"اچھا کومل! اب تم آرام کرو۔"

ہمیشہ اسے آرام کرنے ہی کی تلقین کی جاتی۔

"آرام کروں۔؟" وہ دل ہی دل میں سوچتی۔

"آرام کروں۔ جبکہ میری بہن میرے شوہر کے ساتھ دن بھر سیر سپاٹے کرتی پھرے۔"

چوبیس گھنٹوں میں سے اس سے ملاقات کا ایک آدھ گھنٹہ نکال کر باقی نجانے کتنا وقت دونوں اکٹھا گزارتے تھے۔

دونوں۔ اس کی بہن۔ اس کا شوہر۔!

فری ۔ عدیل ۔ !

وہ عدیل ۔ شادی سے پہلے جس کے ساتھ فری محبت کیا کرتی تھی ۔

اور اگر اس نے اس جذبے کو وقتی طور پر دبا ہی دیا تھا تو کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ ہر وقت اکٹھا رہنے کی وجہ سے وہ چنگاری شعلہ بن جائے ۔ ؟

اور ۔ پھر وہ شعلہ اس کے پُرسکون گھر کو جلا کر راکھ کر دے ۔ ؟

اس سوال کا جواب کون دے سکتا تھا ۔ ؟ اس پہیلی کو کون حل کر سکتا تھا؟

کاش ! وہ ہسپتال داخل نہ ہوئی ہوتی ۔

پھر شاید یہ سب کچھ وقوع پذیر نہ ہوتا ۔ !

مگر اب کیا ہو سکتا تھا ۔ ؟

جنگل کی آگ کو پھیلنے سے کون روک سکتا تھا ۔ ؟ لیکن ۔ لیکن وہ اس کا ذمہ دار کس کو ٹھہرائے ۔ ؟

قصور وار کس کو کہے ۔ ؟

عدیل کو ۔ ؟ جس نے عمر بھر ساتھ نبھانے کا وعدہ کیا تھا ۔ جو اس پر جان دیتا تھا ۔

نہیں ۔ عدیل بے وفا نہیں ہو سکتا ۔

فریحہ کو ۔ ؟ لیکن وہ اتنی بے رحم نہیں ہو سکتی کہ اپنے دامن کو وقتی مسرتوں سے بھرنے کے لیے اپنی بہن کا دامن انگاروں سے بھر دے ۔

خود اپنے آپ کو ۔ ؟

وہ اس وقت کو کوستی تھی جب اس نے خود ہی فری کو اپنے پاس بلایا

تھا ۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی دونوں کو اکٹھا رہنے کا موقع دیا تھا ۔

مگر قصور اس کا بھی نہیں تھا ۔ وہ جان بوجھ کر تو بیمار نہیں ہوئی تھی ۔

وہ تو اچانک ۔ اچانک بیمار پڑ گئی ۔ ایسی بیمار ۔ کہ اسے ہسپتال داخل ہونا پڑا یہاں آ کر بھی وہ جلد ٹھیک نہ ہو سکی ۔ اس کی بدقسمتی نے اسے توقع سے زیادہ دن یہاں رکھ لیا ۔

اور وہ دونوں اب تنہا تھے ۔ دن رات تنہا ۔ کسی قسم کی دخل اندازی سے بے خطر ۔ !

اسے یُوں محسوس ہونے لگا تھا کہ جیسے وہ ان دونوں کو اکٹھے بیٹھا دیکھ رہی تھی ۔

فریحہ کا سر عدیل کے سینے پر ٹکا تھا ۔ وہ اپنی انگلیوں سے اس کے بالوں میں کنگھی کر رہا تھا ۔ فری نے یکایک چہرہ اونچا کر کے پوچھا ۔

" عدیل ! تمہیں میری قسم ! سچ سچ بتانا ۔ تمہیں مجھ سے زیادہ محبت ہے یا باجی سے ۔ ؟"

" زیادہ محبت کس سے ۔ ؟" عدیل مسکرایا ۔

" پگلی ! مجھے تو صرف تم سے محبت ہے ۔"

" تو پھر تم نے باجی سے شادی کیوں کی ۔ ؟"

فری نے بڑی ادا سے پوچھا ۔

" اپنی اس غلطی کا ازالہ تو میں عمر بھر نہیں کر سکتا فری ۔ !"

عدیل نے اداس ہو کر جواب دیا ۔

"کومل نے شراب کی مانند میرے حواس مختل کر دیئے تھے ————
———— اور اسی نشے میں مدہوش ہو کر میں نے اس سے شادی کر لی۔ مجھے پتہ ہی
نہ چلا کہ یہ سب کیسے ہوا۔ ؟ اور اب۔ جبکہ نشہ ٹوٹ رہا ہے۔ میں ہوش میں آ رہا
ہوں تو مجھے اپنی لغزش کا احساس ہو رہا ہے۔ مجھے اپنی زندگی، اپنے وجود سے
نفرت محسوس ہونے لگی ہے۔ لیکن۔ اس اتھاہ تاریکی میں، ان گھور اندھیاروں
میں اگر روشنی کی کوئی کرن ہے تو وہ تم ہو فری۔ ! تم۔ صرف تم میری فری۔!"

" نہیں۔" کومل نے اپنے دونوں ہاتھوں سے کان بند کرتے ہوئے چیخ ماری
" تم جھوٹ بکتے ہو۔ تم جانتے ہو کہ تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔" اس نے تکیے
میں چہرہ چھپا لیا۔

نرس فوراً بھاگی بھاگی آئی۔

"کیا بات ہے مسز عدیل۔ ؟"

"کچھ نہیں۔ خواب میں ڈر گئی تھی۔ بڑا بھیانک سپنا دیکھا ہے میں نے۔"

"کیا سپنا دیکھا ہے۔ مجھے بتا دیجئے۔ اس طرح دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا
ہے۔"

نرس نے بڑے مشفق لہجے میں کہا۔

"میں نے دیکھا۔" کومل نے سہمے ہوئے انداز میں کہنا شروع کیا۔

"کہ ایک ناگن۔ سیاہ زہریلی۔ پھن پھیلائے مجھے ڈسنے کو آ رہی ہے اور۔
اور۔ نہیں کچھ نہیں۔"

وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"دیکھیے آج ڈاکٹر صاحبہ سے کہہ دیجیے گا کہ اب میں ٹھیک ہوں۔ اب اگر
وہ مجھے چھٹی دے دیں تو اچھا ہے۔ میرا گھر ویران ہو رہا ہے نرس۔ !"

"آج ڈاکٹر صاحبہ خود ہی کہہ رہی تھیں کہ آج کا دن آپ کو حرارت نہ
ہوئی تو پھر کل ڈسچارج کر دیں گی۔"

نرس نے جواب دیا۔

"تو میرا ٹمپریچر لے لیجیے۔ مجھے حرارت نہیں ہے۔"

"ابھی کچھ دیر پہلے تو لیا تھا۔ اس وقت تھوڑی سی تھی۔"

"مگر اب نہیں ہے۔ بے شک دیکھ لیجیے۔"

کومل بڑے وثوق سے کہہ رہی تھی۔ نرس مسکرا پڑی۔

وہ گھر جانے کو کتنی بے تاب ہو رہی تھی۔ ! سچ ہے عورت کو اپنا گھر بڑا
پیارا ہوتا ہے۔ نرس کو اس پر ترس آ گیا۔ اور ساتھ ہی یہ خیال بھی کہ ایک
دن بھی عورت کا وجود گھر میں موجود نہ رہے تو وہ کس طرح ویران ہو
جاتا ہے۔

اور وہ تو بہت دنوں سے گھر سے غیر حاضر تھی۔ اسے اب اپنے گھر
میں جانا ہی چاہیے تھا۔

اتنی پیاری، اتنی خلیق اور اتنی اچھی خاتون تھی وہ۔ اس کا گھر بسا ہی
رہنا چاہیے تھا۔

چند دن سے نرس بھی بہت کچھ محسوس کر رہی تھی۔

اور بعض ایسی باتیں ہوتی ہیں جو زبان سے نہیں نکالی جاتیں۔ صرف

محسوس کر کے انسانی ہمدردی کے ناطے کڑھا جا سکتا ہے۔
اور۔ وہ پچھلے کئی دنوں سے کڑھ رہی تھی۔
وہ خود اس سے کہنا چاہ رہی تھی کہ وہ اب واپس گھر چلی جائے۔
اگر بالکل تندرست نہیں ہوئی تھی تب بھی یہاں سے چلی جائے۔
اپنی منزل کی طرف لوٹ جائے کہ وہ گم ہوئی جا رہی تھی۔ !!

جانے اس تجربہ کار نرس نے ڈاکٹر کو اس کے متعلق کیا رپورٹ دی۔ اگلی ہی صبح کومل کو ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا۔
کومل کی خواہش کے مطابق اس کے گھر اطلاع نہیں دی گئی۔ بلکہ اس نے خود ہی ٹیکسی کے ذریعے گھر جانا پسند کیا۔
نرس نے بیرے سے کہہ کر ٹیکسی منگوائی۔ اس کا سارا سامان رکھوایا اور پھاٹک تک خود اسے رخصت کرنے گئی۔
کومل گھر میں داخل ہوئی تو اس نے دیکھا کہ فریحہ کھانے پینے کی چیزیں ایک ٹوکری میں بند کر رہی تھی۔
"باجی!"
اسے دیکھتے ہی وہ حیران ہو کر قدرے بلند آواز میں بولی۔

"تم اکیلی ہی آگئی ہو۔ ہمیں بلوا لیا ہوتا۔"

"ایک ہی بات ہے۔ مَیں وہاں پڑے پڑے تنگ آگئی تھی۔ ڈاکٹر نے بھی چھٹی دے دی تھی۔ سوچا۔ چلو تمہارے لیے ایک سرپرائز ہی سہی۔"

کومل نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

اس کی آواز سُن کر ڈریسنگ روم سے عدیل نکل آیا۔ اُس نے باہر جانے کے لیے لباس تبدیل کیا ہوا تھا اور ٹائی کی گرہ لگا رہا تھا۔

"ارے کومل! مل گئی چھٹی یا خود ہی بھاگ آئی ہو۔؟ اور سچ مانو بڑے اچھے وقت پر آئی ہو۔ ہم دونوں کشمیر پوائنٹ پر جا رہے تھے۔ چلو گی نا۔؟"

"نہیں بھئی! ابھی تو مجھے زیادہ چلنے پھرنے کی اجازت نہیں۔ اور ہاں کسی اور کو بھی بلایا ہوا ہے۔؟"

اس نے عدیل سے پوچھا۔ جانے کیا ہوا۔ اسی لمحے فری کے ہاتھ سے گلاس گر کر چھناک سے ٹوٹ گیا۔

"اُفوہ! مَیں بھی کتنی پھوہڑ ہوں۔"

فریحہ ہنس کر بولی۔

"چلو کوئی بات نہیں۔" کومل نے جلدی سے کہا۔

لیکن۔ اس کے اندر سے کہیں سے یہ صدا اُٹھ رہی تھی کہ اس کا سوال ٹالنے کے لیے جان بوجھ کر فری نے یہ حرکت کی تھی۔

اس کا جی چاہا کہ ایک مرتبہ پھر اپنے سوال کو دہرائے۔ مگر پھر خاموش ہی رہی۔

"فری! میرے خیال میں آج پروگرام ملتوی کر دیں۔ کومل اتنے دنوں کے بعد گھر آئی ہے۔ اور اگر ہم چلے گئے تو بے چاری اکیلی بور ہوگی۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔"

فریحہ نے بے دلی سے کہا اور ٹوکری وہیں چھوڑ کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں نہیں فری! میری وجہ سے اپنا پروگرام خراب نہ کرو۔ جاؤ تم دونوں چلے جاؤ۔ مَیں اکیلی بالکل بور نہیں ہوں گی۔ اتنے دن ہسپتال میں رہ کر عادت پڑ گئی ہے۔"

عجب زہریلی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر تیر گئی۔

"مَیں نے تو ویسے بھی سارا دن سو کر ہی گزارنا ہے۔"

نہ کسی نے اس کی مسکراہٹ کی طرف توجہ دی۔ نہ اس کا خیال کیا۔ چیزیں سمیٹ سماٹ دونوں رخصت ہو گئے۔

کومل نے آنکھوں میں آتے ہوئے آنسوؤں کو بڑی مشکل سے پیا اور پھر کپڑے بدل کر چُپ چاپ بستر میں جا گھُسی۔

چھ سات دن سے خیرو بھی چھٹی پر گیا ہوا تھا۔ یہ اسے عدیل اور فری کی زبانی ہسپتال میں ہی معلوم ہوا تھا۔

خود گیا تھا۔ یا انہوں نے چھٹی دی تھی۔ یہ کومل کو علم نہیں تھا۔ البتہ اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس نے چھٹی مانگی نہیں تھی بلکہ دی گئی تھی۔ اپنی آزادی کی خاطر۔!

اور یُوں۔ آج وہ گھر میں تنہا تھی۔ بالکل تنہا۔ پانی تک پوچھنے والا کوئی

پاس نہ تھا۔

وہ اپنی تنہائی کو گلے لگائے خاموش پڑی تھی۔ وہ دونوں یوں چلے گئے تھے جیسے کوئی کسی کی زندگی سے چلا جائے۔ عجیب دُکھ بھرے اور پریشان کن خیالات نے اُسے آگھیرا۔

انہیں کے متعلق سوچتے سوچتے اسے یوں لگنے لگا جیسے وہ ان دونوں کو جاتے دیکھ سکتی تھی۔

ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ایک دوسرے کے ساتھ لگ کر یوں چل رہے تھے گویا بنے ہی ایک دوسرے کے لیے تھے۔

اور شاید یہ ٹھیک ہی تھا۔ خود اس کی نسبت فری عدیل کے لیے زیادہ موزوں تھی۔ اس پر گویا انکشاف ہوا۔

وہ دونوں ہم عمر تھے۔ اور ہم عمروں کی طبیعت ایک، مزاج ایک سا ہوتا ہے۔ وہ عدیل سے بڑی تھی۔ عمر کے ساتھ ساتھ طبیعت اور مزاج میں بھی تفاوت تھا۔ تبھی۔ تبھی۔

یکایک اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے ایک دم اس کے چہرے پر بے شمار جھریاں پڑ گئی تھیں۔ اور وہ سب جھریاں عدیل کو نظر آنے لگی تھیں۔

"اوہ۔!" وہ اپنے رخساروں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ پھر اپنے نازک نازک خوبصورت ہاتھوں کو بڑے غور سے، گھور گھور کر دیکھنے لگی۔

اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے ہاتھ بھی عمر نے بدنما کر دیئے تھے۔ اس کی ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

"میں نے کہا تھا نا کہ یہ سب درست نہیں۔ پھر۔ پھر عدیل کو اس کا احساس اس وقت کیوں نہ ہوا۔ کیا اس حقیقت تک پہنچنے کے لیے اسے میری زندگی کو روندنا ضروری تھا۔ میرے جذبات و احساسات کو تاراج کرنا لازم تھا۔ میرے شیشۂ دل کو چُور چُور کیے بغیر گزارا نہ تھا۔؟"

وہ عدیل کے بستر کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھنے لگی۔ گویا اس سے جواب مانگ رہی تھی۔

"بولو۔ بولو۔ میری زندگی کس گناہ کی پاداش میں تباہ کی جا رہی ہے۔؟ میرے دل پر یہ چرکے کیوں لگائے جا رہے ہیں۔؟ مجھے بے موت کیوں مارا جا رہا ہے۔؟؟ مجھے زندہ درگور کیوں کیا جا رہا ہے۔؟؟؟ بولو۔ بولو۔"

مگر سکوت ٹوٹ نہ سکا۔ اور اس کے آنسو بڑی خاموشی سے بہتے رہے۔

جانے کب تک وہ ان دھاروں سے سر ٹکراتی رہی۔ جب طوفان ذرا تھما۔ دل کا غبار قدرے کم ہوا۔ تو اس نے آنکھیں کھول کر اِردگرد دیکھا۔

یہ اس کا اپنا گھر تھا۔ کتنی محنت اور کس سلیقے سے اس نے سجایا سنوارا تھا۔ یہ اس کی خواب گاہ تھی۔ کتنی رومان پرور اور ذہنی و جسمانی آسائش دینے والی۔! کتنی خوبصورت راتیں عدیل کے ساتھ اس نے یہاں گزاری تھیں۔

یہ اس کے بستر کے ساتھ ملا ہوا عدیل کا بستر تھا۔ اس کا اپنا عدیل۔ جو کبھی اپنا تھا۔

نہیں نہیں۔ یہ سب اس کا وہم تھا۔ وہ اب بھی اس کا اپنا ہی تھا۔ کروٹ بدل کر اس نے عدیل کے بستر کی طرف رُخ موڑ لیا۔ بڑے پیار

اور محبت سے اس کے بستر پر یوں ہاتھ پھیرنے لگی جیسے وہ عدیل تھا۔

"سنو عدیل ۔!"

اس سے بات کرنے کے لیے کومل نے تکیے کی جانب دیکھا۔ اور۔ عین اس جگہ جہاں عدیل کا چہرہ سجا کر وہ بات کر رہی تھی۔ تکیے کے نیچے سے کسی تصویر کا کونا جھانک رہا تھا۔

وہ چونک پڑی۔ بات ادھوری رہ گئی۔

ہاتھ بڑھا کر اس نے تصویر نکالی۔ دیکھی۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ آنکھوں کو ملا۔ پھر دیکھا۔

اور۔ اب اسے یوں لگا گویا اس کے تمام شکوک و شبہات اور وہم ڈراؤنے بھوت بن کر اس کے گرد چیخیں مار مار کر ناچنے لگے تھے۔

گویا دیواریں سمٹنا شروع ہو گئی تھیں۔ کچھ اس انداز سے۔ جیسے اسے پیس ہی ڈالیں گے۔

تصویر میں فری اور عدیل ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ فری نے عدیل کی بغل میں سے بازو نکال کر اس کے کندھے پر رکھا ہوا تھا۔

ان کے خوبصورت چہروں پر اطمینان اور مسرت رقصاں تھا۔ فتح یاب جذبات کے تحت۔ کامیاب انسانوں کی طرح۔!!

کومل نے گھبرا کر تصویر الٹ دی۔

اس محبت کی یاد میں۔ جو کھو کر پائی گئی۔ فریحہ!

اِک تیرا اور لگا۔

اس نے گھبرا کر تصویر کو وہیں واپس رکھ دیا۔ زخموں سے ٹیسیں اٹھنے لگیں۔

آخر وہی ہوا نا جس کا اسے خدشہ تھا۔ کیا فری واقعی اتنی پست کردار تھی۔؟

عدیل کیا واقعی بے وفا تھا۔؟

انسان کے ظاہر اور باطن میں اتنا تفاوت۔

بہن، بہن کو مٹانے پر آمادہ۔!

شوہر بیوی کو دغا دینے کے لیے تیار۔!

اور ہر زخم کسے سہنا پڑا۔؟ خمیازہ کسے بھگتنا پڑا۔؟

اسے۔ اس بے گناہ کو۔ جسے دونوں سے محبت تھی۔ جو دونوں کی بہتری چاہتی تھی۔ جو دونوں کے لیے جان دینے کو تیار تھی۔

اور اسی وفا و محبت کے پیکر سے دونوں نے غداری کی تھی۔

کیوں۔؟ انہوں نے ایسا کیوں کیا تھا۔؟؟

وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

اب۔ وہ سوچنے لگی۔ بڑے ٹھنڈے دماغ سے۔ بڑے صبر و برداشت سے۔ کہ خدا نے اسے بہت بڑا دل دیا تھا۔ بہت بڑا حوصلہ دیا تھا۔

اسے کیا کرنا چاہیے تھا۔؟ کیا کرنا چاہیے تھا۔؟؟

اُن کے راستے سے ہٹ جائے یا اپنا، ایک بیوی کا، ایک بہن کا حق منوانے کے لیے ڈٹ جائے۔

وہ سوچ رہی تھی۔

اس صورت میں دونوں میں سے ایک کو شکست تسلیم کرنا تھی۔ اسے
یا فری کو۔ اور اس کا فیصلہ عدیل کے ہاتھ میں تھا۔
لیکن ۔ معاً اسے خیال آیا۔
جب منصف ہی مجرم کا طرفدار تھا تو انصاف کی امید کس سے اور کیسے
ہو سکتی تھی ۔ ؟
تب اس کے دماغ نے اسے سمجھایا۔ اسے ان دونوں کے درمیان حائل
ہونے کا حق ہی کیا تھا۔ ؟ وہ دونوں ایک دوسرے کو پیار کرتے تھے۔
وہ تو فضول درمیان میں آرہی تھی۔ وہ پاگل تھی۔ سر پھری تھی۔!!
" تو۔ تو کیا میں ان کو پوری آزادی سے ملنے دوں۔ محبت کی پینگیں،
بڑھانے کا موقع دوں۔ اور خود۔ خود الگ بیٹھی ان کے مسرت سے بھرپور قہقہے
سنتی رہوں۔ اور اندر ہی اندر سلگتی رہوں۔ ؟"
وہ سوچوں میں کھوئی تھی۔
"مگر نہیں۔" اس کی تمام حسیات چیخ پڑیں۔
"میں ایک عورت ہوں۔ ایک بیوی ہوں۔ جو شوہر کی محبت کے سوا
اور ہر چیز میں دوسروں کو شریک کر سکتی ہے۔ عدیل میرا خاوند ہے۔ میں
اس کی محبت میں کسی کو بھی شریک نہیں کروں گی۔ فری کو کیا خدا کو بھی نہیں۔
محبت کے حصے بخرے تو نہیں کیے جاتے۔ محبت تو ایک اکائی ہے۔ جو یا ہے
یا بالکل نہیں ہے۔
عدیل کو یہ فیصلہ کرنا ہو گا کہ وہ اپنی محبت کے پھول کس کی جھولی میں

ڈالنا چاہتا ہے۔ میری یا فری کی۔ ؟
"اور اگر۔ عدیل نے مجھے ٹھکرا دیا تو۔ ؟"
اس خیال سے وہ لرز اٹھی۔ اس کی ساری ہستی کانپ گئی
" تو میری دنیا اندھیر ہو جائے گی۔ کہ مجھے عدیل سے محبت ہے۔ جذباتی
قسم کی نہیں۔ میں نے تو اسے دل سے نہیں دماغ سے چاہا ہے۔ اس کے بغیر
تو مجھے موت بھی قبول نہ ہو گی۔ لیکن نہیں۔"
اس کے خیالات نے پھر اسے سنبھالا دیا۔
عدیل اسے نہیں ٹھکرا سکتا تھا۔ اس نے زمانے سے ٹکر لے کر، لوگوں
کے خلاف چل کر اسے اپنایا تھا۔ اب وہ اسے کیسے چھوڑ سکتا تھا۔ ؟
اور پھر کس کے لیے۔ ؟ فری کے لیے۔ ؟
انسانی فطرت نے سر ابھارا۔
" مگر فری کو کون سے سرخاب کے پر لگے ہوتے ہیں۔ ؟ وہ مجھ سے کس
طرح بہتر ہے۔ ؟"
اس کی خودداری، اس کی خوداعتمادی جاگ پڑی۔
" میں اپنا حق واپس لوں گی۔ میں عدیل کو واپس لانے کے لیے
فری جیسی ہزار لڑکیوں سے ٹکر لے سکتی ہوں۔ مجھ میں کوئی کمی نہیں میرے
پاس دماغ ہے۔ میرے پاس عقل ہے۔ اور۔ وہ میرا ہے۔ اسے مجھ سے
محبت ہے۔ مجھ سے۔ کومل سے۔"
انہیں خیالوں میں کھوئے کھوئے جانے کب نیند کی مہربان دیوی
نے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

شام ڈوب رہی تھی۔

فریحہ اور عدیل واپس آئے۔ بڑے مسرور تھے۔ کومل نے باری باری دونوں کو نگاہ بھر بھر دیکھا۔

اسے یوں لگا گویا ان کے چہروں پر لکھا تھا۔

"وہ ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں۔"

گویا اقرار کے بول ابھی تک ان کے ہونٹوں پر لرز رہے تھے۔

"میں تمہارا ہوں فری۔!" اور۔

"عدیل! میں تمہاری ہوں۔ ہمیشہ سے۔ ہمیشہ کے لیے۔!"

ہر طرف سے اک گونج سی اس کے کانوں میں اتر رہی تھی۔

اس نے بے قرار ہو کر دونوں ہاتھوں سے اپنے کان بند کر لیے اور نگاہیں

ان کے چہروں سے ہٹا لیں۔

"رات ہو چلی ہے باجی! اور مجھے کھانا بنانا ہے۔ آپ کو بھوک لگ رہی ہوگی۔"

فریحہ تیز تیز سانس لیتے ہوئے بولی۔

"میں تو عدیل سے کہتی رہی کہ جلدی چلو۔ جلدی چلو۔ باجی ابھی کھانا بنانے کے قابل نہیں۔ مگر انہوں نے ایک ہی ضد رکھی کہ پہلے سکیٹنگ کریں گے پھر واپس جائیں گے۔ پورا ایک گھنٹہ سکیٹنگ کی تب کہیں ان کی تسلی ہوئی۔ اور میں تھک کر چور ہو گئی ہوں۔"

"بھئی مجھے تو بھوک نہیں۔"

بڑی کوشش سے کومل نے اپنی آواز میں وہی نرمی، وہی مٹھاس پیدا کی جو اس کے مزاج کا خاصہ تھی۔

"تم لوگوں نے کچھ کھانا ہے تو ہوٹل میں چلے جاؤ۔"

"نہیں باجی! ہمیں بھوک کہاں۔؟ آتی دفعہ چائے پی تھی۔ اور ساتھ بہت کچھ کھا لیا تھا۔"

درد کی ایک اور لہر اٹھی۔

وہ جانتے تھے کہ وہ اکیلی تھی اور ابھی اس میں اتنی طاقت نہ تھی کہ اٹھ کر اپنے لیے چائے بھی بنا سکتی۔ تب بھی وہ باہر سے ہی کھا پی کر اور پیٹ بھر کر آئے تھے۔

یہ کیسی دنیا تھی۔؟ کیسی محبتیں اور کیسی وفائیں تھیں۔؟؟

اور جہاں محبتیں ٹوٹتی ہیں، مٹتی ہیں تو کیا انسانی ہمدردی بھی وہاں سے

رخصت ہو جاتی ہے۔؟؟

آنکھوں میں بہت سارے دُکھ سمٹ آئے۔ وہ تیزی سے پلکیں جھپکنے لگی۔ کہ اپنی بے بسی کا اظہار کسی پر بھی کرنا نہیں چاہتی تھی

"اچھا باجی! میں تو سونے جا رہی ہوں۔ شب بخیر۔!"

فری لاپرواہی سے کمرے سے نکل گئی۔

کومل چُپ چاپ پڑی کچھ سوچتی رہی۔ کیا۔؟ یہ وہ بھی نہیں جانتی تھی۔

عدیل شاید غسل خانے میں تھا۔ تھوڑی دیر بعد شب خوابی کا لباس پہنے ہوئے گویا سونے کو تیار آگیا۔

"سارا دن سوئی رہی ہو کومل۔؟"

"نہیں۔ یونہی لیٹی کچھ سوچتی رہی ہوں۔"

اس نے نگاہ بھر کر عدیل کی طرف دیکھا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے۔؟"

اس نے لیٹتے ہوئے اس لہجہ میں پوچھا جیسے کوئی بیگار ٹالے۔ یا جیسے کندھے پر پڑا بوجھ بے پرواہی سے جھٹک کر اتار پھینکے۔

الفاظ میں، انداز میں، وہ خلوص، وہ گرمی نہ تھی۔ جس سے جاگتے جذبوں کا اظہار ہوتا ہے۔ بہت سرسری سا لہجہ تھا۔

"ہاں۔ اب تو ٹھیک ہوں۔"

"بتی گُل کر دُوں۔؟ مجھے بڑی نیند آ رہی ہے۔"

اس کے لیے نیند ہی رہ گئی تھی۔؟ تڑپ کر اس نے عدیل کی طرف دیکھا۔

مگر وہاں پھر وہی لاپرواہی کی پرچھائیاں دکھائی دیں۔

حلق میں کچھ اٹکا جا رہا تھا۔ آواز بھرائی جا رہی تھی۔ مگر بڑی مشکل سے نارمل کر سکی۔ تبھی صرف دو لفظ ہی بولی۔

"ہاں کر دو۔"

عدیل نے ہاتھ بڑھا کر ٹیبل لیمپ بجھا دیا۔ کومل کو یُوں لگا جیسے اس کی حیات کی لَو کسی نے بجھا دی تھی۔

کتنی ہی دیر اندھیرے میں ہی پڑی وہ چھت کو بے معنی نظروں سے گھورتی رہی۔ دکھائی تو کچھ بھی نہیں دے رہا تھا مگر دماغ کی آنکھیں روشن تھیں۔ اپنا راستہ تلاش کیے جا رہی تھی۔

کیا وہ عدیل سے بات کرے۔؟

کس طرح شروع کرے۔؟

کیا کہے۔؟

عدیل کا ردِ عمل کیا ہو گا۔؟

کیا وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرے گا۔؟

یا۔ اپنی نئی محبت کا۔؟

اور اگر اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ فری سے محبت کرتا تھا۔ تو۔ تو وہ کیا کرے گی۔؟

کہاں جائے گی۔؟

یہ سوال اس کے ذہن میں گھوم رہے تھے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا

تھا کہ وہ کیا کرے۔؟

دماغ کے تمام تر جاگتے اجالوں کے باوجود وہ اندھیروں میں بھٹک رہی تھی۔ اسے راستہ نہیں مل رہا تھا۔

اچانک اس کو اپنے ہونٹ ہلتے ہوئے محسوس ہوتے۔ شاید کوئی روشنی کی کرن مل گئی تھی۔ شاید کوئی راہ سوجھائی دے گئی تھی۔

اس کی اپنی ہی آواز نے سکوت کو توڑا۔

"عدیل۔!"

وہ شاید سو چکا تھا۔ جواب میں بجز خاموشی کے اسے کچھ نہ ملا۔

"عدیل۔!" اب اس نے قدرے زور سے پکارا۔

"ہوں۔"

"سو گئے ہو۔؟"

"نہیں۔ ذرا اونگھ گیا تھا۔"

"ایک بات پوچھوں۔؟"

"ہاں۔"

"تمہیں مجھ سے محبت ہے عدیل۔؟"

"ہاں مجھے تم سے محبت ہے کومل۔!"

اس کی آواز میں بیداری سے زیادہ خواب کی سی کیفیت تھی۔

"کتنی۔؟"

"کتنی۔ کیا مطلب۔؟"

"تمہیں مجھ سے بہت محبت ہے نا۔؟"

"ہاں۔ مجھے تم سے بہت محبت ہے۔ لیکن اس وقت۔؟"

اس کی آواز میں جھلاہٹ پیدا ہو گئی۔

"تم دنیا میں سب سے زیادہ مجھ سے پیار کرتے ہو نا۔؟"

"یہ تو میں تمہیں کئی سالوں سے کہہ رہا ہوں۔"

"نہیں۔ اب پھر کہو کہ تم دنیا میں سب سے زیادہ مجھے چاہتے ہو۔"

"ہاں کومل! تم مجھے دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہو۔"

"سب سے زیادہ۔؟"

"ہاں سب سے زیادہ۔"

"تمہارے اپنے وجود سے بھی زیادہ۔؟"

"ہاں۔"

"اور یہ بھی کہو کہ اس محبت کی میں واحد مالک ہوں۔ اس میں کوئی شریک نہیں۔ جیسے۔ جیسے خدا کا کوئی شریک نہیں۔"

"ہاں کومل! جس طرح میرا خدا ایک ہے۔ اسی طرح میری محبت کی حقدار بھی ایک ہے۔ اور وہ تم ہو۔"

"تم جھوٹ کہتے ہو۔" وہ زیرِ لب بولی۔

"کیا کہا۔؟ مجھے سمجھ نہیں آئی۔" عدیل نے پوچھا۔

"تم جھوٹ کہتے ہو۔" وہ بڑے زور سے چلائی۔ "جھوٹ۔ سراسر جھوٹ۔ تم چار سال سے مجھے دھوکا دے رہے ہو۔ عدیل! تم جھوٹے ہو۔ فریبی ہو۔"

وہ رونے لگی۔

"کیا ہوگیا ہے تمہیں۔؟"

عدیل گھبرا کر اٹھا اور جلدی سے روشنی کی۔

"مجھے۔ مجھے تو کچھ نہیں ہوا عدیل! تم ہی بدل گئے ہو۔"

کومل نے روتے روتے کہا۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو۔؟"

"یہ تم بھی جانتے ہو۔ مگر جان بوجھ کر انجان بن رہے ہو۔ تم جانتے تھے کہ ایک نہ ایک دن مجھے پتہ چل جائے گا۔ مگر تم نے یہ نہ سوچا کہ میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچے گی میرا دل ٹوٹ جائیگا۔ یہ تم نے کیا کیا عدیل۔؟ یہ تم نے کیا کیا۔؟؟"

وہ پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی۔

"تمہیں کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے کومل۔!"

"سنی سنائی بات غلط ہوسکتی ہے عدیل! آنکھوں دیکھی نہیں۔ یقین نہ آئے تو اپنے تکیے کے نیچے دیکھ لو۔"

عدیل نے جلدی سے تکیہ اٹھایا اور پھر۔ گویا اس کو سکتہ سا ہوگیا۔ اس کا رنگ یوُں زرد پڑگیا جیسے کسی نے اس کے جسم کا سارا خون نچوڑ لیا تھا۔ اس کے منہ سے صرف "اوہ۔!" نکل سکا۔

"اب بولو عدیل۔! کون بہک گیا۔؟ کون غلطی پر ہے۔؟ اب پھر کہو کہ میں تمہیں دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہوں۔ اب کہو عدیل! کہ تمہاری محبّت میں کوئی شریک نہیں۔ اس محبّت میں جسے تم خدا سے تشبیہہ دیتے تھے۔ بولو عدیل! بولو۔"

عدیل کافی دیر تک چپُ چاپ سر جھکائے بیٹھا رہا۔ پھر ہولے سے بولا۔

"کومل! اب تم سو جاؤ۔ صبح میں تمہیں ساری بات سمجھا دوں گا۔"

"میں سو جاؤں۔؟" وہ تلخی سے بولی۔

"کیسے سو جاؤں۔؟ تم ہی بتاؤ۔ میری محبت پر ڈاکہ پڑ جائے اور میں سو جاؤں۔ لٹیرے میری خوشیاں لوُٹ لیں۔ میری آرزؤں کے نازک پھول روند ڈالیں اور میں سو جاؤں۔؟"

"تو پھر اس وقت تم چاہتی کیا ہو۔؟"

عدیل کو غصّہ آگیا۔

"میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ تم نے یہ سب کیوں کیا۔؟"

"اور اگر میں کہوں کہ میرے پاس اس کا کوئی جواز نہیں تو کیا تم اعتبار کر لوگی۔؟"

"تو۔ تو تمہارے پاس اس کا کوئی جواز نہیں۔؟"

"تمہاری قسم ہے مجھے۔۔۔"

"خبردار جو میری قسم اٹھائی تم نے۔ قسم تو اس کی اٹھاتے ہیں عدیل! جو بہت پیارا ہو۔ اس کی نہیں۔ جس کی محبّت کا خون اپنے رومان کو پروان چڑھانے کے لیے بہایا جائے۔"

"تمہیں غلطی لگی ہے کومل! مجھے تم سے محبّت ہے۔"

"ہاں۔ تمہیں مجھ سے محبّت ہے۔ اور اسی محبّت کے زیرِ اثر تم میری بہن

کے ساتھ عشق لڑاتے پھر رہے ہو۔ ہیں نا۔؟"

وہ جوش میں اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

"وہ وقت یاد کرو عدیل! جب مَیں کہا کرتی تھی کہ ضد نہ کرو ہم ایک دوسرے کے دوست بن سکتے ہیں عمر بھر کے ساتھی نہیں۔ مگر تم اپنی ضد پر اڑے رہے۔ اور مَیں نے صرف تمہارا دل رکھنے کو ہاں کر دی تھی۔ اپنی پسند، اپنی آرزوؤں، اپنے ارمانوں اور اپنی حسرتوں کو تج کر تمہاری خاطر، صرف تمہاری خاطر ہاں کر دی تھی اور تم نے مجھے یہ صلہ دیا۔ میری قربانی کا اور پھر میری محبت کا، تم نے یہ بدل دیا ہے۔ کیوں۔؟ آخر کیوں۔؟ میرے اس سوال کا جواب دے دو۔ مَیں تم سے اور کچھ نہیں مانگتی۔ بولو۔ تم نے میرے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا۔؟"

عدیل سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔

"تم بولتے کیوں نہیں عدیل! لوگ تو قتل کرنے کے بعد بھی اقبالِ جرم کر لیتے ہیں۔ اور تم نے تو کوئی جرم نہیں کیا۔ صرف ایک دل ہی توڑا ہے نا۔ جو دنیا کے قانون کی رو سے کوئی جرم نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی سزا ہے۔ پھر تم سچ کیوں نہیں بول دیتے۔ ڈر کس بات سے رہے ہو۔؟"

"کومل۔!" عدیل نے طویل خاموشی کے بعد سر اٹھایا۔

"کومل! تم انسانی فطرت کو سمجھنے میں مہارت رکھتی ہو نا۔ پھر یہ تم ضرور جانتی ہو گی کہ ہر انسان کے اندر ایک جذبہ ہوتا ہے جستجو کا۔ ناممکن کو ممکن کرنے کا۔ ان دیکھے، انجانے خطرے مول لینے کا۔ اس جذبے کے تحت انسان پہاڑوں کو سر کرتا ہے۔ سمندر کی گہرائیوں میں غوطے لگاتا ہے۔ لق و دق صحراؤں اور بھیانک

جنگلوں میں مارا مارا پھرتا ہے۔"

کومل کے آنسو تھم چکے تھے اور وہ چُپ چاپ عدیل کے چہرے کو تکے جا رہی تھی۔

"کومل! مَیں نے اسی جذبے کے تحت تمہیں چاہا ہے۔ مجھے تم میں وہی عظمت اور بلندی نظر آئی تھی جو کسی کوہ پیما کو ماؤنٹ ایورسٹ میں نظر آتی ہے۔ اور جو اسے اس چوٹی کو سر کرنے پر اکساتی ہے۔ وہی جذبہ مجھے تمہارے قریب لے آیا۔ اتنا قریب کہ مجھے یوں لگا جیسے مَیں تم سے پیار کرتا ہوں۔ جیسے مجھے تم سے محبت ہے۔"

کوئی جھوٹ بولے بغیر، کوئی گرہ رکھے بغیر اس نے دل کی ہر بات صاف صاف کہہ دی۔

"لیکن میرا ناپختہ ذہن جسے محبت سمجھتا تھا وہ درحقیقت تمہاری عظمت اور گہرائی کی کشش تھی۔ اور پھر مَیں نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی۔ مَیں نے ماؤنٹ ایورسٹ کو اپنا مسکن بنانا چاہا۔ مَیں نے عام سیاحوں کی طرح جنگل سے گزر جانے کے بجائے وہیں عمر گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔"

کومل سینے پر ہاتھ باندھے دم بخود بیٹھی تھی۔ اس کی دھڑکنیں تھمی ہوئی تھیں اس کا سارا وجود ساکت تھا۔

"مَیں نے تم سے شادی کا ارادہ کر لیا۔ مگر مجھے اب احساس ہوا ہے کہ پہاڑ کی چوٹی سَر کرنے کے لیے ہوتی ہے گھر بنانے کے لیے نہیں۔ جنگل خواہ کتنا ہی خوبصورت کیوں نہ ہو اس میں سے گزر جایا کرتے ہیں اس میں ڈیرے نہیں ڈال دیا کرتے۔"

عدیل نے جیسے اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہوئے مجرمانہ انداز میں سر جھکایا۔

"میں اس بات کو مانتا ہوں کہ تم نے مجھے بہت سمجھایا مگر میں اپنی ضد پر اڑا رہا۔ جس کا خمیازہ اب ہم دونوں کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ مگر کومل! میں مجبور ہوں۔ تم مجھ سے بہت بلند تھیں۔ اس بلندی کو زیر کرنے کی خاطر میں نے تمہاری زندگی برباد کر دی۔ مجھے معاف کر دو کومل! مجھے معاف کر دو۔"

وہ اس طرح سینے پر بازو جکڑے بیٹھی تھی۔ جیسے ذرا بھی بندش ڈھیلی پڑی تو اس کا سینہ پھٹ جائے گا اور دل پاش پاش ہو کر بکھر جائے گا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہے جا رہے تھے۔

"عدیل! عدیل کاش یہ سب کچھ نہ ہوا ہوتا۔ کاش! تم مجھ سے نہ ملے ہوتے۔ تم میری پُرسکون زندگی میں آئے ہی کیوں تھے۔؟ اس میں ہلچل پیدا کرنے۔؟ اسے طوفانوں سے آشنا کرنے۔؟ تو۔ تو تم فری سے محبت کرتے ہو۔؟"

وہ بے ربط سے فقرے بولے جا رہی تھی جیسے اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھی تھی۔

"میں کچھ نہیں جانتا کومل! میں اس وقت بھنور میں پھنس چکا ہوں۔ اور مجھے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کس چیز کا کیا مقام ہے۔ مجھے گرد وپیش کی ہر شئے گردش میں نظر آتی ہے۔"

"مگر وہ تو تم سے محبت کرتی ہے نا۔؟"

عدیل خاموش رہا۔

"بولو عدیل! فری تم سے محبت کرتی ہے نا۔؟"

اس کے لہجے میں ایسی سنگینی تھی کہ عدیل کو جواب دیتے ہی بن پڑا۔

"ہاں۔ وہ کہتی تو یہی ہے۔"

"آج سے نہیں۔ یونیورسٹی کے زمانے سے۔ ہیں نا۔؟"

"ہاں۔"

"تو اب تم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔؟"

"کس بات کا۔؟"

"اسی بات کا کہ شکست کس کی ہوئی ہے۔ میری یا فری کی۔؟"

یکایک کوئی سوچ اس کے ذہن میں آئی۔

"لیکن ٹھہرو۔ تم کچھ نہ کہنا۔ میں اس فیصلے کا حق کسی کو نہ دوں گی یہ فیصلہ میرے ہاتھ رہے گا۔"

اور وہ تکیے میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

کومل صبح جاگی تو عدیل کا بستر خالی تھا۔ فری اس کے بستر کے قریب کرسی پر نیم دراز کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔

دن شاید کافی دیر کا چڑھا ہوا تھا۔ خاصی روشنی تھی۔

فری سے اس نے عدیل کے متعلق پوچھا تو اس نے لاعلمی کا اظہار کر دیا۔

پھر اسے خود ہی خیال آیا کہ کل اس کی چھٹی ختم ہو گئی تھی۔ اور آج اسے دفتر میں حاضری دینا تھی۔

صبح ہی صبح چلا گیا ہو گا کہ وقت پر دفتر پہنچ جائے۔ اس نے سوچا۔

"فری۔" کومل نے اس کی طرف رُخ پھیرا۔

رات کے چند گھنٹے سو لینے کے باوجود اس کے اندر کا طوفان ذرا پُرسکون نہ ہوا تھا۔ اور وہ ابھی ابھی ہر بات، ہر معاملہ صاف کر لینا چاہتی تھی۔ پھر شاید

کچھ سکون آ جائے۔

"میں تم سے چند باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"اچھا۔ میں ابھی کافی بنا کر لاتی ہوں۔ پھر بیٹھ کر ساتھ باتیں کریں گی۔"

وہ اُٹھ کر باورچی خانے کی طرف چل پڑی۔

"رُک جاؤ فری۔! میں جو باتیں کرنے والی ہوں ان کی تلخی مٹانے کے لیے تم کوئی میٹھی چیز تجویز کرو۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

شاید وہ کچھ سمجھ گئی تھی۔ مگر ٹالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اور ہاں باجی! کیا رات کو آپ دونوں کا جھگڑا ہو گیا تھا۔ آپ کے کمرے سے بڑی تیز تیز باتوں کی آواز آ رہی تھی۔"

"دیکھو فری! میاں بیوی میں چند ایسی باتیں ہوتی ہیں جو وہ کسی کو نہیں بتاتے۔ اس لیے ہر بات کی ٹوہ لگانا مناسب نہیں لگتا۔"

اپنی فہم میں کومل نے کوئی اپنا انتقام لے لیا۔

"فری بیٹھ جاؤ۔"

قدرے توقف بعد کومل پھر بولی۔

"میں تم سے صرف ایک سوال پوچھوں گی۔ سوچ سمجھ کر جواب دینا۔ اور ذہن میں یہ ضرور رکھنا کہ ایک بھی جھوٹا لفظ بگڑے ہوئے حالات کو تباہی کے اور زیادہ نزدیک لا کھڑا کرے گا۔"

"پوچھیے۔" فریحہ کی آواز کانپ رہی تھی۔

"فری تم۔" کومل کی ہمت جواب دے رہی تھی مگر اس نے اپنی پوری قوّت مجتمع کرتے ہوئے الفاظ ہونٹوں سے نکال ہی دیئے۔

"تم عدیل سے محبت کرتی ہو۔؟"

اس کو یوں محسوس ہوا گویا اس کے سینے سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔ جیسے اس نے زندگی کے تمام فرائض ادا کر دیئے تھے۔

اور فری کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ چوری کرتے کرتے عین موقع پر پکڑی گئی تھی۔ الفاظ زہر کے قطرے بن کر اس کے کانوں میں ٹپکے اور سارے جسم میں آگ سی لگا گئے۔

روئیں روئیں سے چنگاریاں پھوٹنے لگیں۔ ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے جھلملانے لگے۔

یکدم اس کا جی چاہا کہ وہ اُٹھ کر وہاں سے بھاگ جائے۔ مگر اس میں تو انگلی ہلانے کی تاب تک نہ تھی۔ بھاگتی کیسے۔؟

"جواب دو فری۔! اور اگر سوچنے کے لیے وقت درکار ہے تو میں تمہیں وہ بھی دے سکتی ہوں۔"

"یہ آپ سے کس نے کہا ہے باجی۔؟"

اس کے الفاظ حلق میں اٹکے جاتے تھے۔

"اس تصویر نے جو تم نے عدیل کے ساتھ کھنچوائی تھی۔ ان پتھروں نے بتایا ہے جن پر بیٹھ کر، عدیل کا سر اپنی آغوش میں رکھ کر تم نے اس پر یہ راز کھولا تھا کہ تم یونیورسٹی کے زمانے سے اس پر جان دیتی ہو۔"

اک مجروح سی مسکراہٹ کومل کے لبوں پر بکھر گئی۔

"میرے گواہوں کی صداقت پر شک ہے تمہیں۔؟"

فریحہ سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔

"میں تمہارے جواب کی منتظر ہوں فری۔!"

اور پھر یکایک فریحہ کا خون کھول اُٹھا۔

وہ بپھر گئی۔ طوفانی لہر کی طرح۔ اشکاریوں کے نرغے میں گھری ہوئی شیرنی کی طرح۔!!

"باجی! اگر تم سب کچھ جانتی ہو تو پھر مجھ سے پوچھنے کا حاصل۔؟"

"میں نے کہا تھا نا کہ اس سے نہ پوچھو۔" کومل کے دل سے آواز آئی۔ "اس میں محبّت نے وہ بے پناہ قوّت بھر دی ہے کہ اب وہ دنیا کی ہر طاقت سے ٹکرا سکتی ہے۔ اور تم۔ تم تو انتہائی کمزور ہو۔ نہ ہونے کے برابر۔ کہ تمہارے پاس کچھ نہیں۔ عدیل فری کا ہے اور تم اکیلی ہو۔"

"باجی۔!" فریحہ کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"باجی! تم مجھے اس وجہ سے مجرم گردانتی ہو کہ میں نے تمہارے شوہر سے محبّت کی ہے۔ لیکن انصاف کی رو سے تم مجھ سے بھی بڑی مجرم ہو۔ تم نے چار سال پہلے مجھ سے میرا عدیل چھین لیا تھا۔ کیوں۔؟"

وہ آندھی کی طرح بکھر گئی اور گرد و غبار پھیلنے لگا۔

"تم جانتی تھیں کہ میں اس سے پیار کرتی ہوں۔ مگر تم نے میری محبّت کو لوٹ لیا۔ اپنا گھر آباد کرنے کے لیے۔!"

یکایک اس کی آواز بھرّانے لگی۔

"مَیں مانتی ہوں باجی۔ کہ تم مجھ سے بہتر ہو۔ ہر لحاظ سے۔ مگر تم نے اپنی برتری کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اور عدیل۔ جو تمہارا صرف دوست بن کر آیا تھا تم نے اسے اپنے دل میں بسالیا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ مَیں اس کی پرستش کرتی ہوں۔"

اس کے رخساروں پر آنسوؤں کی لڑیاں بہہ نکلیں۔

"باجی! کاش تمہیں ویسی ایک رات گزارنے کو ملی ہوتی جیسی مَیں گزشتہ چار سال سے گزار رہی ہوں۔ تب تمہیں اندازہ ہوتا کہ شکست خوردہ محبت کی آگ کس طرح جلاتی ہے۔ اس کا گھاؤ کتنا کرب انگیز ہوتا ہے۔"

اک زہر بھری نگاہ سے اس نے گھور کر کومل کو دیکھا۔

"کاش! مَیں نے تم سے عدیل کا تعارف نہ کرایا ہوتا۔ کاش! میری محبت پر تمہارا سایہ نہ پڑا ہوتا۔ تب آج میری زندگی کتنی مختلف ہوتی۔ کس قدر سکھی۔!!"

وہ آنسو بہاتے ہوئے اُٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

کومل چُپ چاپ بیٹھی تھی۔ دم بخود۔ طوفان گزر جانے کے بعد والا سکوت ہر طرف طاری تھا۔

پندرہ منٹ بعد وہ پھر کمرے میں داخل ہوئی۔ قدموں کی چاپ پر کومل نے نگاہیں اٹھائیں۔

وہ اپنا اٹیچی کیس اٹھائے کھڑی تھی۔

"مَیں واپس جارہی ہوں باجی! تمہیں تمہارا عدیل مبارک ہو۔"

مگر کومل نے گویا سنا ہی نہیں۔ اس کے کان جیسے حس سماعت سے بے بہرہ تھے۔ بس خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔

اب کیا ہوگا۔؟ وہ سوچے جارہی تھی۔

اب کیا ہوگا۔؟؟

یہی سوال بار بار اس کے ذہن میں گونج رہا تھا۔

اب کیا ہوگا۔؟؟؟

اس نے سوچنا چاہا۔ مگر یہ قوت بھی ساتھ چھوڑ چکی تھی۔

اس کو یُوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ایک بے کنار، بے پایاں خلا میں تیر رہی تھی۔ جہاں نہ اندھیرا تھا نہ روشنی۔ کچھ بھی نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔

بس خلا ہی خلا تھا۔

جدھر نظر اٹھاتی۔

خلا ہی خلا۔!

اور وہی سوال ہتھوڑے کی طرح اس کے ذہن پر مسلسل ضربیں لگائے جارہا تھا۔

اب کیا ہوگا۔؟

اب کیا ہوگا۔؟؟

اب کیا ہوگا۔؟؟؟

امی اس کی غیر متوقع آمد پر حیران رہ گئیں ۔
"کومل تم ۔ ؟"
ان کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ گیا۔
"بغیر اطلاع دیئے ہی چلی آئی ہو ۔ ؟"
"یونہی ذرا آپ کے بغیر اداس ہو گئی تھی۔"
"اور عدیل کہاں ہے ۔ ؟"
"اسے کچھ کام تھا ۔ اس لیے اکیلی ہی آئی ہوں۔"
"تو بیٹی ! کل مہن کے ساتھ ہی آ جاتیں ۔"
پھر اچانک امی کو خیال آیا ۔ وہ آتے ہی کھڑے ہی کھڑے اس سے سوال
جواب کرنے لگ گئی تھیں ۔ نہ اس کا حال پوچھا تھا ۔ نہ خیریت ۔

اتنے دن ہسپتال رہی تھی ۔ اتنا بڑا صدمہ اس پر سے گزر گیا تھا ۔ اور وہ ۔
اس کی ماں تھیں ۔ ان کی ممتا کا تقاضا کچھ اور تھا ۔ !!
اور تب ۔ آپ ہی آپ ان کے بازو پھیل گئے ۔
"ارے ! تم تو مجھ سے ملی بھی نہیں ۔ کتنے مہینوں بعد میں نے تمہیں دیکھا
ہے ۔ بہت زرد ہو گئی ہو ۔ بہت کمزور ہو رہی ہو ۔"
کتنی ہی دیر سینے کے ساتھ اسے بھینچے رہنے کے بعد علیحدہ کر کے انہوں نے
اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔
"اب طبیعت کیسی ہے تمہاری ۔ ؟"
"جی اچھی ہوں ۔"
آنکھوں میں پھیلنے والی نمی کو اس نے امی سے چھپانے کی کوشش کی ۔
"کومل بیٹی ! ایک بات بتاؤ ۔ ؟"
امی نے یکایک سنجیدہ اور قدرے پریشان سا ہوتے ہوئے اس کی طرف
بغور دیکھا ۔
"فری کو کیا ہوا ہے ۔ ؟ جب سے مری سے آئی ہے اپنے کمرے میں ہی
گھسی ہے ۔ کنیز بتا رہی تھی کہ رو بھی رہی تھی ۔ بات کیا ہے آخر ۔ ؟"
امی بے حد متفکر تھیں ۔
"میں نے خود اس سے پوچھا ہے ۔ مگر مجھے تو کچھ بھی نہیں بتاتی ۔"
"مجھے بھی معلوم نہیں امی ۔ ! ٹھہریئے میں خود جا کر اس سے پوچھتی ہوں ۔"
کومل اٹھ کر فری کے کمرے کی طرف چل پڑی ۔ دروازہ بند تھا ۔ کھولنے کی

کوشش کی مگر اندر سے شاید جھجکنی لگی تھی۔

دستک دینے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ لیکن جانے کیا ہوا۔؟ ایک دم یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کا سامنا نہ کر سکے گی۔

تب وہ چپ چاپ وہیں سے واپس مڑ آئی۔

"مل آئی ہو۔؟"

امی نے کچھ جاننے کے لیے اس کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا۔

"وہ۔ وہ سو رہی ہے۔"

کومل پھر ماں کے پاس بیٹھ گئی۔

"کنیز۔ کومل آئی ہے۔ کھانے وغیرہ کا بندوبست کرو۔"

"نہیں امی! کھانا نہیں کھاؤں گی۔ ڈائننگ کار سے کھا لیا تھا۔"

"پھر۔؟ چائے۔؟"

"ہاں۔ چائے ضرور پیوں گی۔ کنیز کے ہاتھ کی چائے اکثر یاد آتی رہتی تھی۔" آنکھوں میں بار بار نمی گھُلی جا رہی تھی۔ بہت کوشش کے باوجود قابو پایا ہی نہیں جا رہا تھا۔

"شاید اس کی چائے ہی مجھے واپس گھسیٹ لائی ہے۔"

"لو۔" امی ہنس پڑیں۔ اسی لمحے کنیز اندر آئی۔ وہ اس سے مخاطب ہوئیں۔

"دیکھو تمہاری کومل بی بی تمہارے ہاتھ کی چائے پینے آئی ہے۔"

"صدقے واری جاؤں۔ سو سو بار چائے پلاؤں۔"

وہ حسبِ معمول کچھ نہ کچھ بولتی چلی آئی۔ پھر کومل کے قدموں میں بیٹھ کر

اس کا حال چال پوچھنے لگی۔

"کنیز! باتیں پھر کر لینا۔ پہلے اسے چائے تو پلاؤ۔"

"چائے بھی بناتی ہوں۔ ابھی دو منٹ ہیں۔ لیکن میری کومل بی بی پہلے غسل وغیرہ نہیں کریں گی۔؟ دیکھیں تو لباس کس قدر ملگجا سا ہو رہا ہے۔ اور بال بھی کچھ اُلجھے بکھرے سے ہیں۔"

"ارے! ہاں تو۔"

امی نے اب تک اس کے سراپا کو شاید غور سے دیکھا ہی نہ تھا۔ ان کی بیٹی اتنے عرصہ بعد ملی تھی۔ مامتا بس اسی میں کھوئی رہی تھی۔ کچھ اور دیکھنے یا محسوس کرنے کا ہوش ہی نہ رہا تھا۔

"یہ تم نے اپنی حالت کیا بنائی ہوئی ہے۔؟"

"گرمی کا سفر حالت کو یونہی خستہ خراب کر دیتا ہے۔"

"تو واقعی پھر پہلے نہا لو۔"

کنیز نے اس کا اٹیچی کھول کر اپنی مرضی سے جلد جلد اس کے کپڑے نکال دیئے۔

"اُوپر آپ کے کمرے میں رکھ آؤں۔؟"

"نہیں۔ ابھی اُوپر جانے کی ہمّت نہیں۔ امّی کے غسل خانے میں لگا دو۔"

نہا کر، صاف ستھرے کپڑے پہن کر وہ باہر نکلی تو کنیز نے چائے بنا کر لا رکھی ساتھ اس کی پسند کے مطابق گرم گرم پکوڑے تھے۔

چائے پیتے ہوئے امی نے پھر فریحہ کا ذکر چھیڑ دیا۔

"اس کو آخر ہوا کیا تھا۔؟ تمہارے پاس تو دو مہینے کے لیے گئی تھی۔مگر صرف اٹھائیس دن رہ کر۔"

"پتہ نہیں۔کل بس یکایک کہنے لگی کہ واپس جانا چاہتی ہوں۔مَیں نے۔۔ اور عدیل نے بہتیرا روکا۔مگر مانی ہی نہیں۔"

"بیٹی۔!" امی نے بڑے غور سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یوں لگتا ہے تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو۔"

ماں کی نکتہ بیں نگاہ نے جیسے بہت کچھ جان لیا تھا۔وہ سب بھی جو وہ بتانا نہیں چاہتی تھی۔

"مجھے بتاؤ تو سہی بات کیا ہے۔؟"

اتنی دیر سے وہ سب کچھ سینے کے اندر سمیٹے اور چھپائے بیٹھی تھی۔اب مزید صبر نہ ہو سکا۔دل یکدم بھر آیا۔

لے دے کر ایک ماں کی ہستی تو رہ گئی تھی۔جسے وہ اپنے غم میں شریک کر سکتی تھی۔یا کم از کم جسے وہ اپنے غم سے آگاہ کر سکتی تھی۔

آنکھوں میں اک سیلاب سا آ گیا۔جو اس کے ضبط و تحمل کو خس و خاشاک کی طرح ساتھ بہا لے گیا۔

"امّی! مَیں نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔"

"غلطی۔؟" امی چونک پڑیں۔

"کون سی غلطی۔؟"

ان کے ہاتھ کپکپائے۔انہوں نے چائے کی پیالی جلدی سے نیچے رکھ دی۔

"عدیل سے شادی کرنے کی۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو کومل۔؟"

ان کی آواز قدرے لرزی۔

"ہاں امی! عدیل مجھ سے نہیں فری سے محبّت کرتا ہے۔"

"کومل۔!" ماں پریشانی بھرے لہجے میں چیخ سی پڑیں۔

"فری اسی وجہ سے واپس آگئی ہے امّی۔! مَیں نے اس سے پوچھ گچھ کی تھی تو وہ ناراض ہو گئی۔"

"اور عدیل۔؟"

"امّی! مَیں نے فیصلہ کر لیا ہے۔"

کومل ماں کی سنی ان سنی کرتے ہوئے بولی۔

"کہ اب واپس کبھی نہیں جاؤں گی۔"

"واپس نہیں جاؤ گی۔؟ یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔؟"

امّی ہڑبڑا سی گئیں۔

"نہیں نہیں میری بچی! ایسے الفاظ منہ سے مت نکالو۔اب تمہارا ایک ہی گھر ہے۔ایک ہی مقام ہے۔وہیں جہاں عدیل ہے۔"

امّی کی آواز لرز رہی تھی۔اور وہ کومل کے چہرے میں کچھ تلاش کرنے کی کوشش میں بڑے غور سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"نہیں امّی۔!" کومل نے ماں کی ان گہری نگاہوں سے نظر چراتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

"مَیں نے اس سلسلے میں بہت سوچا ہے۔ اور آخر میں اسی فیصلے پر پہنچی ہوں کہ عدیل سے طلاق لے لُوں"۔

"طلاق۔؟ کومل! ہوش میں آؤ۔ یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔؟"

امّی کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔ امّی کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ امّی کا لہجہ مرتعش تھا۔ جیسے ان کی ساری ہستی طوفان کی زد میں آئی ہوئی تھی۔

"تم جانتی ہو بیٹی! طلاق کس کا نام ہے۔؟ عورت کی ذِلّت اور رسوائی کا نام طلاق ہے۔! عورت کی باعزّت زندگی کی موت کا نام طلاق ہے۔!! نہیں میری بچّی! خدا نہ کرے تمہیں طلاق لینے کی نوبت آئے"۔

ماں نے ڈولتے لہجے میں اُسے سمجھایا۔

"امّی! میرا فیصلہ بدلنے کی کوشش نہ کیجیے پلیز! یہ میرا اٹل اور آخری فیصلہ ہے"۔

اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"آج اباجی آئیں تو ان کو ساری بات سمجھا دیجیے گا۔ مَیں شاید ان کے سامنے بات نہ کر سکوں"۔

"ایک مرتبہ پھر سوچ لو کومل! مردوں سے ایسی غلطیاں ہو ہی جایا کرتی ہیں۔ مگر ہم عورتوں کا دِل بہت بڑا ہوتا ہے۔ اسے معاف کر دو میری بچّی! اس کی طرف سے مَیں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں"۔

اور امّی نے سچ مچ اُس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"امّی! مجھے مجبور نہ کریں"۔

کومل کے رخساروں پر آنسو بہہ جا رہے تھے۔ امّی کے جڑے ہوئے دونوں ہاتھ پکڑ کر اس نے اپنے سینے سے لگا لیے۔

پھر کپکپاتے ہونٹوں کو دانتوں میں دبا کر سسکتے ہوئے بولی۔

"مَیں ہر دُکھ سہہ سکتی ہوں ماں! لیکن اپنے شوہر کی محبّت میں کسی کو حصّہ دار نہیں بنا سکتی۔ کسی کو بھی نہیں۔ آپ بھی عورت ہیں۔ آپ بتائیے امّی! اگر آپ میری جگہ ہوتیں تو کیا کرتیں۔؟"

"اسے معاف کر دو میری بیٹی! تمہاری بڑائی اسی میں ہے"۔

تب امّی کو جانے کیا ہوا۔؟ بڑے جوش سے یکدم اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ٹھہرو۔ مَیں ذرا فری سے دو دو باتیں تو کر آؤں"۔

"نہیں امّی۔!"

کومل نے ان کے ہاتھ پکڑ لیے۔

"اسے کچھ نہ کہیے۔ مَیں تو یہ سوچ کر آئی ہوں کہ عدیل کے ساتھ اس کی شادی کی کوشش کروں۔!"

"یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کومل! تم کیا سمجھتی ہو کہ مَیں ایک بیٹی کی آرزوؤں کی راکھ سے دوسری کی مانگ کا سیندور بناؤں گی۔؟ میرے لیے تم دونوں ایک جیسی ہو۔ بلکہ شاید تم مجھے زیادہ عزیز ہو۔ مَیں ایسا نہیں ہونے دوں گی کبھی نہیں ہونے دُوں گی۔ خدا تمہیں تمہارے گھر میں آباد اور خوش رکھے۔ فری کو اور بہت سے لڑکے مل سکتے ہیں"۔

"مگر امّی! وہ اور عدیل ایک دوسرے کو چاہتے ہیں"۔

کومل نے ماں کو حقیقت کا احساس دلانے کی کوشش کی۔

"یہ پیار، محبت اور عشق کیا بکواس ہے۔؟"

امّی نے غصے میں کہا۔

"مَیں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ ایک بیوی کو صرف اپنے شوہر سے پیار ہونا چاہیے خواہ وہ گنوار ہو، اُجڈ ہو یا کوئی شہزادہ۔ بھلا کنواری لڑکیوں کو کیا حق ہے کہ وہ کسی غیر مرد کے ساتھ محبت کا خیال بھی دل میں لائیں۔"

"امّی! آپ کہتی ہیں، محبت کیا ہے۔؟ مَیں کہتی ہوں محبت کیا نہیں ہے امّی! اگر اس کے فقدان کی وجہ سے مَیں اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کر رہی ہوں تو کیا وہ دونوں اس کے وجود کی بنا پر ایک دوسرے کے نہیں ہو سکتے"؟

"مَیں کچھ نہیں سمجھتی اور نہ سمجھنا چاہتی ہوں۔"

امّی نے اُلجھتے ہوئے کہا۔

"مَیں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ فری خواہ عمر بھر کنواری بیٹھی رہے مگر عدیل کے ساتھ اس کی شادی نہیں ہو سکتی۔"

"امّی! آپ جذباتی ہو رہی ہیں۔ اور مَیں نے یہ فیصلہ ٹھنڈے دل سے سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ آپ شاید یہ نہیں جانتیں کہ اس فیصلے پر پہنچنے کے لیے مجھے کن جہنموں سے گزرنا پڑا ہے۔"

وہ بڑے کرب سے بولے جا رہی تھی اور امّی اسے بڑے دُکھ سے تکے جا رہی تھیں۔

"میرے دل نے کیا کیا برداشت نہیں کیا۔ مَیں نے امنگوں کے کون کون سے

محل مسمار نہیں کیے۔ مَیں یہ سب آپ کو کیوں بتاؤں۔؟ مَیں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ اس دنیا میں رہنے کے لیے ہمیں حقیقت پسندی کو ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے ہمیشہ وہی کچھ نہیں ہوتا جو ہم چاہتے ہیں۔"

وہ غم سے کراہ پڑی۔

"اور یہی انسان کا سب سے بڑا المیہ ہے۔"

"میری بچّی! کاش! تم نے یہ شادی نہ کی ہوتی۔"

اِک دُکھ بھری آہ کے ساتھ امّی صرف اتنا ہی کہہ سکیں۔

"ہاں امّی! مَیں خود کو بہت عقلمند سمجھتی تھی۔ لیکن زندگی کا ساتھی چننے میں مَیں نے بڑی غلطی کی ہے۔"

یکدم وہ خاموش ہو گئی۔ پھر بہتے ہوئے آنسوؤں کو خشک کرتے ہوئے ہولے سے بولی۔

"لیکن نہیں۔ مَیں نے غلطی نہیں کی امّی۔ مجھے اپنی پسند پر ناز ہے۔ عدیل کسی بھی لحاظ میں، کسی اچھے سے اچھے انسان سے بھی اچھا ہے۔ مگر۔ یہ میری ٹریجیڈی ہے کہ اسے مجھ سے محبت نہیں۔ اسے مجھ سے محبت نہیں۔ اسے۔ اسے۔"

وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپاتے ہوئے امّی کی آغوش میں گر پڑی۔

شام کو ابا گھر آئے۔ کومل کو دیکھ کر وہ امّی سے بھی کچھ زیادہ ہی حیران ہوئے لیکن امّی کی طرح حیرت میں ڈوب کر انہوں نے سوال پر سوال نہیں کرنا شروع کر دیئے۔

اس کے برعکس وہ دونوں بازو پھیلا کر اس کی طرف بڑھ آئے۔ کومل سے انہیں بہت زیادہ پیار تھا۔ اور وہ بھی کسی معصوم بچّے کی طرح ان کی باہوں میں سمٹ آئی۔

"اباجی! میں آپ کے بغیر بڑی اُداس تھی۔"

ابا کے لمس میں جانے کیا تھا۔ اس کے آنسو بڑی روانی اور تیزی سے بہہ نکلے۔

"تو بیٹے! تو میرے پاس پہلے کیوں نہ آگئی۔ خود تیرا ابا بھی تیرے بغیر بڑا

اداس تھا۔"

سینے سے لگے اس کے سر کو سہلاتے ہوئے وہ پھر پوچھنے لگے۔

"اکیلی آئی ہو۔؟ عدیل کیوں نہیں آیا۔؟"

کومل پہلے قدرے سٹپٹائی پھر جلدی سے سنبھل کر بولی۔

"چھٹی نہیں تھی۔"

"ہاں ہاں۔ ہماری باری آئی تو چھٹی نہیں تھی۔ اور وہ جو مری میں سیریں کیں۔"

امّی یکدم کھنکارنے لگیں۔ وہ عدیل کے ذکر سے بچنا چاہتی تھی اور ابا معصومیت سے اسی کا پوچھے جا رہے تھے۔

یُوں اس نے پھر پریشان ہو جانا تھا۔ اور وہ پہلے ہی کئی گھنٹے روئی تھی۔ اب تو تھک بھی چکی ہوگی۔!

"تمہاری کھانسی ابھی تک ٹھیک نہیں ہوئی نا۔؟"

کومل کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھتے ہوئے وہ امّی سے بولے۔ پھر کومل کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

"دیکھ لو کومل! تمہاری امّی مجھے اس اس طرح ستاتی ہیں۔ انہیں کچھ سمجھاؤ۔ اپنی صحت کا خیال ہی نہیں رکھتیں۔"

"اباجی! میں اب آگئی ہوں نا۔ اب آپ بالکل کوئی فکر نہ کریں۔ سب کچھ سنبھال لوں گی۔ امّی کو بھی اور آپ کو بھی۔ آپ بھی شاید محنت زیادہ کرتے ہیں اور آرام کم۔ بہت کمزور ہو رہے ہیں۔"

"بھئی ہم تو . . ." پھر یکایک انہیں جیسے کچھ یاد آ گیا۔

"ارے! وہ فری کہاں ہے۔؟"

"اپنے کمرے میں۔"

امّی نے نگاہیں جھکا کر مختصر سا جواب دیا۔

"اس کی حالت بہتر ہوئی یا نہیں۔ جانے اسے . . ."

نجانے وہ کیا کہنے والے تھے۔ امّی درمیان میں ہی بول پڑیں۔

"میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتی تھی۔"

"اباجی! میں آپ کے لیے چائے بنا لاؤں۔؟"

کومل جلدی سے اُٹھ پڑی۔ امّی شاید اسی کے متعلق بات کرنے والی تھیں۔

"نہیں بیٹے! تم آج ہی آئی ہو۔ کنیز سے کہو۔"

"کوئی بات نہیں۔"

امّی بھی شاید یہی چاہتی تھیں۔

"آپ کو ہمیشہ اس کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے اچھی لگا کرتی تھی۔"

"ہاں۔" ابا بڑے پیار سے اسے دیکھتے ہوئے ہنس پڑے۔

"لگا تو کرتی تھی۔ مگر اب کیا کریں۔؟"

پھر عجب حسرت بھرے انداز میں بولے۔

"اتنی مشکل سے کنیز کے ہاتھ کی عادت ڈالی ہے۔ اپنی عادت تو نہ خراب کروں۔ کل پرسوں یہ پھر چلی جائے گی۔"

"ایسی باتیں نہ کیجیے اباجی! میں اب ہمیشہ آپ کے پاس . . ."

"اچھا اچھا۔ تم جاؤ چائے بناؤ۔"

امّی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے ہاتھ سے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ جلدی سے باورچی خانے میں چلی گئی۔

کنیز کھانا وغیرہ پکا رہی تھی۔ کومل چائے بنانے لگی۔ باوجود اس کے کہ کنیز نے کئی بار منع کیا۔

چند دن کے لیے آئی تھی۔ کام کرنے لگ جاتی۔ اسے اچھا نہ لگا۔ بھلا وہ کس لیے تھی۔

مگر کومل نہ مانی۔ ابا کے لیے اس نے چائے خود ہی بنائی۔

ساتھ ساتھ دونوں باتیں کرتی رہیں۔ اِدھر اُدھر کی۔ رشتہ داروں کی۔ پڑوسیوں کی۔ ملنے جلنے والوں کی۔

غرض بہت ساری باتیں، بہت نئی تازہ خبریں کنیز نے اسے سنا ڈالیں چائے تیار ہو بھی گئی۔ تب بھی اس نے بہت سارا وقت اِدھر اُدھر میں گزار دیا۔ کہ امّی جس طرح جس انداز میں ابا سے بات کرنا چاہتی تھیں۔ اطمینان سے کر لیں۔ پھر کافی وقت لگا کر جب وہ چائے کی ٹرالی لیے اندر گئی تو امّی اور ابا دونوں خاموش بیٹھے تھے۔ بالکل گم سُم۔!

اسے دیکھتے ہی ابا نے اسے بلا کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ وہ ٹرالی وہیں لے آئی۔ چائے پیالیوں میں انڈیلنے لگی تو ابا نے اسے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔

"کیوں بیٹی۔! یہ سب سچ ہے۔؟"

کومل کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

عجب سا ارتعاش ان کی آواز میں تھا اور کومل کے سَر پر رکھا ہاتھ بھی
ایسے لرز رہا تھا جیسے ان کی ہستی میں بڑے زور کا زلزلہ آیا ہوا تھا۔
جواب میں کومل کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ ان کا لہجہ، ان کا انداز ایسا تھا کہ خود
اس کا دل بھر آیا۔ یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کی نہیں بلکہ آبا کی زندگی
طوفانوں سے دوچار ہوگئی تھی۔ بڑے ہولناک قسم کے طوفانوں سے۔!
"تو تم اپنے فیصلے پر قائم ہو۔؟"
ان کی مرتعش آواز نے پھر سکوت ہی نہیں بلکہ اسے بھی جیسے توڑ ڈالا۔
"جی۔؟ جی۔!" بکھرے بکھرے سے انداز میں اس نے مختصر سا جواب دیا۔
"میری بچّی!" ان کی آواز میں بسا رنج و غم، درد و کرب کہہ رہا تھا کہ وہ آنسوؤں
کی زبان میں بات کر رہے تھے۔ مگر ان کی آنکھیں خشک تھیں۔
"ایک باپ کے لیے سب سے کٹھن وقت وہ ہوتا ہے جب اس کی شادی شدہ
آباد بیٹی واپس آجاتی ہے۔ والدین برباد ہوجاتے ہیں اس وقت بیٹی۔! لیکن مجھے
تم پر پورا بھروسہ ہے۔ تمہارا فیصلہ کبھی غلط نہیں ہوسکتا۔ اس لیے مَیں تمہارے
فیصلے کی بالکل مخالفت نہیں کروں گا البتّہ۔"
وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش سے ہوگئے۔ کومل کا جی دھک دھک کرنے
لگا۔ کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے وہ دھیرے سے بولے۔
"جہاں تک فری کے بیاہ کا تعلق ہے مَیں تمہاری ماں کا ہم خیال ہوں۔
اور جہاں تک مَیں اسے جانتا ہوں وہ لڑکی اتنی کم ظرف اور خود غرض نہیں کہ
ان حالات میں عدیل کے ساتھ شادی کا خیال بھی دل میں لاتے۔ خواہ اسے

اس سے کتنی ہی محبت کیوں نہ ہو۔!"
ان کے ہاتھوں کی لرزش اور لہجے کا ارتعاش اتنا زیادہ ہوگیا کہ کومل کو یوں
محسوس ہونے لگا جیسے ان کی حیات میں آتے ہوئے طوفانوں میں خود وہ بھی
بہی چلی جا رہی تھی۔
سسکیوں سے اس کا سارا وجود کانپ اٹھا۔ اس نے آبا کے سینے میں چہرہ
گھسا لیا۔ شاید یہ پناہ گاہ۔ ان طوفانوں سے اسے بچا لے۔!!
"اچھا میری بچّی! خدا تمہارا نگہبان ہو۔ تم نے اپنی زندگی کو ایک بہت بڑے
امتحان میں ڈال لیا ہے۔ خدا تمہیں صبر اور حوصلہ دے۔!"
وہ اس کا سَر سہلاتے لگے۔ اس کی پیٹھ تھپکنے لگے۔
اور جیسے۔ مزید کچھ بھی کہنے کو ان کے پاس الفاظ نہ تھے۔ دُور۔ بہت دُور
کھڑکی سے پار۔ اندھیروں میں ان کی نگاہیں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔
کوئی روشنی کی کرن۔! کوئی جگمگ جگمگ کرتا ہوا ننھا سا جگنو۔!
وہ راستہ تو پاسکیں۔ وہ راستہ تو پاسکیں۔

چھ دن ہو گئے تھے اسے پنڈی آئے ہوئے ۔ یہ دن بہت مصروفیات میں گزرے تھے۔ پچھلے مہینے کے پورے بیس دن وہ چھٹی پر رہا تھا۔ دفتر کا سارے کا سارا کام پڑا ہوا تھا۔

بے شک محکمے میں وہ خاصا بڑا افسر تھا مگر دوسروں کی طرح اس نے ماتحتوں پر رعب ڈال کر اور انہیں سے سارے کام کرا کے ہمیشہ تنخواہ نہیں وصول کی تھی۔ بلکہ جتنی تنخواہ تھی اس سے ہمیشہ کچھ بڑھ کر ہی کام کیا۔

کہ یہ اس کی کومل کی تمنا تھی۔ اس نے اس کا آئیڈیل بننا تھا۔ اس نے اس کی خواہشات اور خیالات و توقعات پر پورا اترنا تھا۔ اس نے اپنی محبت پانا تھی تب۔ اس کے اصولوں کے مطابق اس نے اپنے آپ کو ڈھال لیا تھا۔

محنت کی کمائی، جائز آمدن ہمیشہ خیر و برکت کا باعث ہوتی ہے۔ دلوں کو سکون

ملتا ہے اور ذہنوں کو آسودگی۔!

اور۔ کومل کے اصولوں پر چل کر واقعی اس نے یہی سب کچھ پایا تھا۔

صبح دفتر جاتا اور رات گئے واپس آتا۔ اتنا تھکا ہوتا کہ لیٹتے ہی نیند اسے آ دبوچتی۔ ان دنوں میں اسے کچھ سوچنے سمجھنے، کوئی پچھلی بات یاد کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ بلکہ کام میں وہ خود کو بھی بھولا ہوا تھا۔

اور آج۔ وہ پچھلے بیس دن کے کاموں سے فارغ ہوا تھا۔ پورے چھ دن حد درجہ مصروفیت میں گزار کر۔

ذہنی طور پر وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ دفتر سے نکلتے ہی کچھ شاپنگ کی اور پھر مری کی بس جا پکڑی۔

آج کل مری میں ہی اس کا گھر تھا۔ اس کا گھر۔ جس میں سکون تھا جس میں اطمینان تھا۔

دروازے پر دستک دیتے ہوئے وہ نجانے کیا کیا سوچ رہا تھا۔ ایک بڑا سا پیکٹ اس کی بغل میں دبا تھا۔ ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔

اس میں کومل اور فری کے لیے ساڑھیاں تھیں۔

"پورے بیس سوال کرا کے اکیسویں پر بتاؤں گا کہ تم دونوں کے لیے کیا کیا لایا ہوں۔؟"

وہ خیالوں ہی خیالوں میں مسکرا رہا تھا۔ کھٹاک سے دروازہ کھلا۔ ڈھیر ساری مسکراہٹوں کے ساتھ اس نے نگاہیں اٹھائیں۔

"ارے۔! جلدی سے اس نے اپنے لب بھینچ لیے۔

خیرو سامنے کھڑا تھا۔
"بہت دن لگا دیئے۔"
وہ سنجیدہ سی آواز میں پوچھ رہا تھا۔
"بیس پچیس دن کا کام صرف ایک ہفتے میں نمٹا کر آیا ہوں۔ حرام کی روٹی تو نہیں نا کھائی۔"
"لائیے یہ میں اٹھا لوں۔"
خیرو نے اس کے ہاتھ سے بنڈل تھامنا چاہا۔
"نہیں۔" وہ اسے پرے ہٹاتا ہوا اندر بڑھتا چلا گیا۔
جہاں وہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی کام لیے بیٹھی ہوتی تھی وہ چھوٹا چوبی تخت خالی تھا۔ اور۔ اس وقت اسے احساس ہوا کہ اس تخت میں کوئی خوبی، کوئی خوبصورتی نہ تھی۔
وہ تو بیٹھنے والی کا وجود تھا جو اسے سجا سنوار دیتا تھا۔ اور اس وقت ویران پڑا تھا۔
آہستہ آہستہ قدم رکھتا وہ خوابگاہ میں جا پہنچا۔
شاید ابھی تک وہ پوری طرح صحت مند نہیں ہوئی تھی۔ بہت دبے دبے پاؤں اٹھاتا وہ اندر گیا۔ کہ چپکے سے جا کر وہ اسے ٹھاہ کرے گا۔
بہت مزہ آیا کرتا تھا۔ جب وہ بعض وقت اپنے خیالات میں گم بیٹھی ہوا کرتی تھی اور وہ خاموشی سے پیچھے سے آکر اسے ڈرا دیا کرتا تھا۔
پھر وہ "ہائے" کر کے اسی سے لپٹ جایا کرتی تھی اور کسی معصوم بچے کی طرح

سہمی ہوئی اس کے بازوؤں میں کتنی ہی دیر پڑی رہا کرتی تھی۔
یہ اس کی عادت تھی کہ ذرا سی بلند آواز سے بھی وہ ڈر جایا کرتی تھی۔ اور عدیل کو اس کی یہ عادت بڑی محبوب تھی۔
کہ اس لمحے اس کی اپنی خود اعتمادی کچھ بڑھ جاتی۔ ذہنی لحاظ میں وہ اسے اپنے سے برتر سمجھتا تھا مگر اس وقت اس کے کمتری کے احساس پر برتری کا احساس غالب آجاتا۔
وہ مرد تھا۔ دلیر اور نڈر مرد۔ اس کا محافظ۔ اور عورت۔ خواہ کتنی ہی عقل و فہم والی کیوں نہ ہو۔ کمزور دل کی مالک ہوتی ہے۔ مرد کے بغیر وہ محفوظ نہیں ہوتی۔ مرد ہی اس کی پناہ گاہ اور مرد ہی اس کا تحفظ ہوتا ہے۔
ٹھاہ کرنے کے لیے بالکل تیار جب وہ مسہری کے قریب پہنچا۔ تو وہیں اس کے قدم رک گئے۔ مسہری کسی نامراد کے دل کی طرح یا کسی گم شدہ نگینے والی انگوٹھی کی طرح خالی پڑی تھی۔
اور خالی بھی کچھ یوں۔ کہ جیسے بہت دنوں سے خالی ہی رہی تھی۔ بے شکن ساتھ ہلکی ہلکی گرد کی تہہ۔
پھر۔ کومل کہاں تھی۔ ؟
پریشان ہوتے ہوئے اس نے خیرو کو آواز دے ڈالی۔
"جی۔" وہ شاید اس کے پیچھے پیچھے ہی چلا آیا تھا۔ پاس ہی کھڑا تھا۔
عدیل نے ابھی زبان سے کچھ بھی نہیں پوچھا تھا۔ نگاہ کے ہی سوال کو سمجھتے ہوئے وہ جلدی سے بولا۔

"بیگم صاحبہ لاہور گئی ہوئی ہیں۔"

"کب کی۔؟"

عدیل کے ہاتھ سے پیکٹ پھسل کر نیچے جا پڑا۔

"پانچ دن ہو گئے۔"

"اور وہ۔" وہ اپنا فقرہ بھی پورا نہ کر سکا۔ سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر وہیں مسہری کے کونے پر ٹک گیا۔

"فری بی بی کا پوچھ رہے ہیں۔؟ دس دن کی چھٹی گزار کر میں جب واپس آیا تو میری بیگم صاحبہ گھر میں اکیلی تھیں۔ وہ پہلے ہی کی چلی گئی ہوئی تھیں شاید۔"

عدیل چپ کا چپ رہ گیا۔ مزید کوئی بھی سوال نہ کر سکا۔

"صاحب! چائے پیئں گے یا کافی۔؟"

"نہیں۔ کچھ نہیں۔" وہ اُلجھا اُلجھا سا بڑبڑایا۔

"کھانا تیار کرنے میں ابھی وقت لگے گا۔ اتنے میں چائے۔ ۔ ۔"

"میں نے کہا نا کچھ نہیں۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔"

وہ بڑے غصے میں تھا۔ خیرو چپ چاپ کمرے سے نکل گیا۔

اور۔ نہ لباس تبدیل کرنے کا ہوش تھا۔ نہ اپنا۔ وہ پیکٹ اسی طرح زمین پر پڑا تھا۔ وہی جسے اتنے ارمانوں سے سینے کے ساتھ لگائے لگائے پنڈی سے مری تک آیا تھا۔

جوتے بھی نہیں اتارے۔ اسی طرح ہاتھوں کے اُوپر سر ٹکا کر مسہری پر لیٹ گیا۔

کومل اسے بغیر بتائے ہی چلی گئی تھی۔ کیوں۔؟ اس نے ایسا کیوں کیا۔؟

وہ اس کا شوہر تھا۔ وہ اس کی بیوی تھی۔ پھر بھی وہ اس سے پوچھے گچھے، اسے مطلع کیے بغیر چلی گئی تھی۔؟ اس نے ایسا کیوں کیا۔؟

اس نے تو اس کی مرضی یا خواہش کے بغیر کبھی کوئی قدم نہ اٹھایا تھا۔ اس نے اس کے شوہرانہ حقوق ہمیشہ بڑی خوبصورتی سے ادا کیے تھے۔ عدیل نے سب کچھ اس پر چھوڑ دیا تھا۔ پھر بھی اس نے ہمیشہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری ہی کی۔ کبھی اپنی مرضی چلانے کی کوشش نہیں کی۔ ہمیشہ اسی کی مرضی اور خواہشات کو اوّل درجہ دیا۔

پھر۔ پھر اس نے ایسا کیوں کیا۔؟ اس نے اسے بتایا کیوں نہیں۔؟ وہ آپ ہی آپ لاہور کیوں چلی گئی۔؟؟

وہ سوچنے لگا۔

تب۔ تب۔ اچانک اسے اس رات والا جھگڑا یاد آ گیا۔

وہ گھبرا کر، سٹپٹا کر، سیدھا ہو بیٹھا۔ وہ سب کیا ہوا تھا۔؟ وہ سب کیا ہوا تھا؟

اور پھر۔ بہت سارے لمحات، بہت سارے واقعات اس کی نگاہوں میں گھوم گئے

کومل ہسپتال میں تھی۔ فری نے اور اس نے بہت ساری سیریں کی تھیں۔ بہت ساری فلمیں دیکھی تھیں۔ رائیڈنگ کی تھی۔ پکنکیں منائی تھیں۔ سکیٹنگ کی تھی۔

فری تو پارہ تھی پارہ۔ چنچل۔ شوخ۔ شریر۔ زندہ دل۔ اور زندگی سے بڑے خوبصورت انداز میں لطف اندوز ہونے کا فن جانتی تھی۔

وہ پھر مسہری پر دراز ہو گیا۔

بڑے خوبصورت دن تھے وہ -!!

وہ انہیں تصورات میں ڈوبا ہوا تھا۔

"صاحب! چائے۔"

خیرو نے اس کے پاس چائے لا رکھی - اور پھر مزید کوئی بات کیے بنا کمرے سے نکل گیا۔

اپنے خیالات میں، اپنے حسین تصورات میں ڈوبے ڈوبے چائے کی پیالی اٹھا کر اس نے ہونٹوں سے لگا لی۔

مگر۔ دوسرے ہی لمحے اس نے پیالی واپس پٹخ دی - انتہائی بدذائقہ چائے تھی۔

"خیرو -!" وہ چلا پڑا۔

"جی صاحب! حاضر ہوا۔"

"یہ چائے بنائی ہے -؟"

"جی - جی کیا ہوا -؟"

"شکر کتنی ڈالی ہے -؟"

"دو چمچ۔"

"دو چمچ -؟ وہ چیخ اٹھا۔

"اور دودھ بھی اتنا زیادہ -؟"

"وہ - دراصل صاحب! آپ کی چائے ہمیشہ بیگم صاحبہ خود بنایا کرتی تھیں۔ مجھے اندازہ نہیں ہوا - لائیے اور بنا لاؤں۔"

"نہیں۔ رہنے دو - اور یہ بھی لے جاؤ۔"

"اب شکر بھی کم ڈالوں گا - اور دودھ بھی کم صاحب"!

"نہیں" وہ تلخی سے بولا۔

"کہہ جو رہا ہوں کہ نہیں۔"

خیرو کان لپیٹ، چائے اٹھا، کمرے سے نکل گیا۔

عدیل پھر لیٹ گیا - اور ابھی - اپنے خیالات کی ہمراہی میں وہ کہیں بھی روانہ نہیں ہوا تھا کہ خیرو پھر اندر آ گیا۔

"صاحب! کھانا تیار ہے - آپ غسل وغیرہ کر کے آ جائیے۔"

واپس جاتے جاتے وہ پھر رکا۔

"ٹھنڈا ہو کر بدمزہ ہو جائے گا۔"

"بدمزہ ہو جائے گا۔" عدیل نے دانت کچکچائے۔

"چائے تو بڑی مزیدار تم نے پلائی ہے۔"

بڑبڑاتے ہوئے عدیل غسل خانے میں گھس گیا - جسم پر صابن مل کر پانی ڈالا تو اس کی چیخ سی نکل گئی - ٹھنڈے یخ پانی نے اسے بھی برف کا تودہ بنا دیا - دانت ایک دوسرے پر بجاتے ہوتے جلد جلد تھوڑا سا پانی اور ڈالا کہ جسم پر سے صابن تو اتر جائے - پھر تولیے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

غصے سے وہ پاگل ہوا تھا - وہاں تولیہ ہی نہیں تھا - اسی طرح گیلے جسم پر گاؤن پہن کر وہ باہر نکل آیا۔

"خیرو -!" اتنی زور سے چلایا کہ پہاڑ کے پتھروں نے بھی اس کی صدا سنی ہوگی۔

"جی صاحب۔!"

وہ کپکپاتا، لرزتا اندر آگیا۔

"تم نے مجھے غسل کرنے کے لیے کہا تھا۔"

"ہاں جی۔"

"تو جاؤ غسل خانے میں دیکھو۔ نہ وہاں تولیہ۔ نہ گرم پانی۔ جس یخ پانی سے میں نہایا ہوں ذرا اس میں ایک لمحے کے لیے ہاتھ تو ڈال کر مجھے دکھاؤ۔"

"جی۔ جی۔" اس کا سر جھک گیا۔

"مجھے پتہ ہی نہیں تھا۔ دراصل یہ سب کام میں نے پہلے کبھی نہیں کیے تھے۔"

"پھر آخر تم کس مرض کی دوا ہو۔"

"جی میں دوسرے کام کیا کرتا تھا۔ آپ کے سب کام بیگم صاحبہ خود اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔"

فوراً ہی اس نے اپنی غلطی تسلیم کر لی تھی۔ پھر وہ اسے اور کیا کہتا۔؟

"کھانا یہیں لے آؤ۔ اور سنو۔ ذرا ہیٹر بھی لگا دو۔ کسی طرح تو جسم میں حرارت پہنچے۔"

مسہری کے پاس ہیٹر لگانے کے بعد خیرو کھانا لینے چلا گیا۔ وہ سوں سوں کر کے ہاتھ پاؤں سینک رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔

کومل کیوں چلی گئی تھی۔؟ اسے بتائے، اس سے پوچھے بغیر ہی کیوں چلی گئی تھی۔ کہ پہلے وہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کیا کرتی تھی۔ اسے ہر قسم کی آزادی تھی۔ اس کی طرف سے کوئی پابندی نہیں تھی۔ مگر وہ پھر بھی اس سے پوچھا ضرور کرتی تھی۔

مگر یہ۔ یہ اتنا لمبا سفر۔ اور گھر اکیلا چھوڑ کر۔

اس کی سوچ ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ خیرو کھانا لے کر آگیا۔

ڈونگے میں تھوڑا سا عجیب سے رنگ کا سالن تھا۔ ساتھ ایک پلیٹ اور رومال میں دو چپاتیاں لپٹی ہوئی تھیں۔

نہ کوئی سلاد۔ نہ چٹنی۔ نہ کوئی آملیٹ یا کباب وغیرہ۔ کیسا عجیب سا کھانا تھا۔

اس گھر میں تو کھانا اتنے اہتمام سے بنایا جاتا تھا۔ پھر اتنے خوبصورت طریقے اور اس قدر اچھے سلیقے سے پیش کیا جاتا تھا کہ۔ بھوک نہ بھی ہوتی تو نفاست سے لگا ہوا دیکھ کر ہی اشتہا تیز ہو جایا کرتی تھی۔ اور آج۔ یہ۔!

اس نے تو آج دوپہر کو بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔ گھر آنے کے خیال سے بس کام میں ہی لگا رہا تھا کہ وہیں جا کر خوب اچھی طرح کھائے گا۔ اس ہفتے کے نیم فاقوں کی کسر نکالے گا کہ کومل گھر آچکی تھی۔

"کومل بھلا کیوں چلی گئی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ مجھے ہفتہ کی شام کو گھر آنا تھا۔ اس کے شوہر نے۔ اپنے گھر میں۔!"

اس نے کھانے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ بالکل دل ہی نہیں چاہا۔ اسی طرح واپس کر کے وہ چپ چاپ لیٹ گیا۔

کتنا بور ہوا تھا وہ گھر آ کر۔ مگر۔ یہی گھر تو تھا۔ جہاں اسے سکون ملتا تھا۔ ہر قسم کی آسائش میسر آتی تھی۔

ذہنی، جسمانی، روحانی۔ ہر طرح کی آسودگی اس اپنے گھر میں اسے حاصل

ہوا کرتی تھی۔ ہمیشہ۔!

پھر۔ پھر آج یہ۔ ہاں۔ اسے یاد آیا۔ ایسا ہی وقت ایک بار پہلے بھی اس پر آیا تھا۔ جب کومل ہسپتال میں تھی۔

خیرو کو انہوں نے چھٹی پر بھیج دیا تھا۔ کہ وقت بے وقت وہ اور فری سیر سپاٹے یا فلم وغیرہ سے گھر آتے تھے تو وہ عجیب عجیب نگاہوں سے انہیں دیکھتا تھا۔

ان تمام دنوں میں بھی گھر اسی طرح چوپٹ رہا تھا۔ نہ خیرو کو گھر گرہستی آتی تھی اور نہ فری گھر کے کام وغیرہ کرنا چاہتی تھی۔

مگر۔ مگر اسے ان دنوں احساس نہیں ہوا تھا کہ وہ دن کچھ اور ہی انداز میں گزر رہے تھے۔ فری کی معیت میں۔! اس کی باغ و بہار صحبت میں۔!! سیر سپاٹوں میں۔!! تفریحات میں۔!!!

اسے کچھ سوچنے، سمجھنے یا پرکھنے کا ہوش ہی کب تھا۔؟

وہ مسکرایا۔

وہ تو ڈوبا ہوا تھا۔ وہ تو کھویا ہوا تھا۔ فری کی محبت میں۔ اس کے سحر میں۔ باہوش انسانوں کو مدہوش کر دینے والی اس کی ہستی میں۔!!!

فری عجیب ہی تھی۔ دوسروں کو پاگل کر دینے والی۔ دلوں کو موہ لینے والی۔ بن پئے ہی۔ اس کی اداؤں، اس کی باتوں گھاتوں کا نشہ ایسا چڑھتا تھا کہ تن من کا ہوش نہ رہتا تھا۔

یکایک اس کے پیٹ میں اک عجیب سی، انوکھی سی ٹیس اٹھی۔ عدیل گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ یہ کیسی تکلیف شروع ہو گئی تھی اسے۔ وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ دوبارہ

پھر ایک لہر سی اٹھی۔

اوہ۔! اسے یاد آیا۔ یہ تو بھوک تھی جو اس کے معدے کو الٹ پلٹ کیے دے رہی تھی۔ اس کا پیٹ روٹی مانگ رہا تھا کہ وہ صرف صبح کے ہلکے سے ناشتے پر تھا۔ پھر۔ پھر کومل یاد آئی۔ وہ گھر میں ہوتی تو اسے اس وقت یہ تکلیف تو نہ ہوتی۔ اچھا ستھرا کھانا اسے ملتا۔ پیٹ بھر کر کھانے کے بعد۔ گرما گرم اور مزیدار سی کافی یا چائے کی پیالی اسے ملتی۔ وہ مسہری پر نیم دراز سا ہو کر چائے یا کافی پیتا۔ اس کے پاس وہ بیٹھی، ہلکی ہلکی پیاری مسکراہٹوں کے ساتھ بڑی میٹھی میٹھی، دل کو سکون دینے والی باتیں کرتی۔

چائے ختم ہوتی تو وہ اپنا سر اس کی آغوش میں رکھ کر لیٹ جاتی۔ یا اس کا سر اپنی آغوش میں رکھ کر اسے لٹا لیتی۔ پھر اپنی نرم نرم انگلیوں سے اس کے بال سہلاتی اس کی آنکھوں سے، اس کی ناک سے، اس کے ہونٹوں سے کھیلتی ساتھ ساتھ کوئی بڑی خوبصورت سی غزل گنگناتی جاتی۔

کتنا اچھا لگا کرتا تھا یہ سب کچھ۔ سارے دن کے دفتر کے کام کی تھکن یکدم دُور ہو جاتی تھی۔ ذہن کو کیسی آسودگی اور رُوح کو کیسا سکون ملتا تھا۔!

اور آج۔ وہ گھر میں نہیں تھی۔ اسی لیے۔ اسی لیے اس پر یہ وقت گزر رہا تھا۔

اور اس لمحے اسے احساس ہوا کہ کومل کے بغیر اس کا گھر، گھر نہیں تھا۔ جب سے وہ آیا تھا۔ اسے کوئی آسائش، کوئی راحت، ذرا سا سکون یہاں نہیں ملا تھا۔

وہ سردی سے ٹھٹھر رہا تھا۔ وہ بھوک سے تڑپ رہا تھا۔ اس کے نصیب میں تو چائے کی پیالی بھی نہیں ہوئی تھی۔

اور گویا اس کی زندگی بھر کی سوچیں اس لمحے مکمل ہو گئیں۔

اس کا گھر، اس کی پناہ گاہ تو صرف کومل تھی۔ کومل کی آغوش تھی۔ اس کا مشفق وجود تھا۔ اس کی سلیقہ مندی تھی۔

وہی اس کے لیے آسائشیں مہیا کرتی تھی۔ وہی اسے زندگی کا ہر آرام پہنچاتی تھی۔ وہی اس کا سکون تھی۔! وہی اطمینان۔!

اچھا کھانا۔ اچھا پہننا۔ صاف ستھرا خوبصورت گھر۔ گھر کا اچھا انتظام۔ سب اس کے دم قدم سے تھا۔ سب اس کی برکت تھی۔

گویا اس کے وجود کے بغیر خود اس کا وجود نامکمل رہ جاتا تھا۔

"صاحب۔!"

خیرو کے آجانے پر اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ بکھر گیا۔

"مجھے آپ کو بتانا یاد ہی نہیں رہا تھا۔ کل کا یہ خط آیا پڑا ہے۔"

عدیل نے ہاتھ بڑھا کر وہ بند لفافہ تھام لیا۔ الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"کس کا ہے جی۔؟ بیگم صاحبہ کا ہوگا۔ وہ کہیں بھی چلی جائیں لیکن آپ کا اور گھر کا خیال وہ اپنے سے علیحدہ نہیں کر سکتیں جی۔"

خیرو اس کی مسہری کے پاس بیٹھ گیا۔ عدیل نے لفافہ کھولا۔

"خیریت سے تو ہیں نا میری بیگم صاحبہ۔؟ اور صاحب! جب جواب دیں تو لکھ دیجیے گا کہ جلدی سے واپس آجائیں۔ ان کے بغیر آپ اور گھر۔۔۔"

"خیرو۔! جاؤ باہر۔"

عدیل کی ڈانٹ سن کر وہ چپکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ باہر جاتے جاتے بھی وہ مڑ مڑ کر خط ہی کو دیکھ رہا تھا۔

اس کے جانے کے بعد عدیل سیدھا ہو بیٹھا۔ خط میں سے بھی کومل کی مخصوص خوشبو آرہی تھی۔ بے اختیار اس نے وہ ورق ہونٹوں سے لگا لیا۔ پھر خود اپنے آپ پر مسکرا اٹھا۔ وہ کومل تو نہیں تھی۔؟ مگر اس کا خط تو تھا۔ بڑی خوشگوار سی دھڑکنوں کے ساتھ اس نے پڑھنا شروع کیا۔ کہ اس کے نام اس کی کومل کی پہلی تحریر تھی۔

اس سے دور تھی۔ لیکن پھر بھی اس کے لیے سکون و اطمینان فراہم کرنا نہیں بھولی تھی۔

محبتیں، پیار، خلوص۔ اس نے خط کے ذریعے ہی اسے سب کچھ بھیج دیا تھا۔

گنگناتے ہوئے، سیٹی بجاتے ہوتے، مسکراتے ہوئے اس نے ورق کی تہیں کھولیں

لاہور

عدیل۔!

میری یاد کو تم اب تک ماضی کی بھولی بسری یادوں میں شامل کر چکے ہو گے۔ مگر میرا حافظہ تمہاری یاد کبھی محو نہیں کر سکتا۔

زخم لگانے والے ہاتھوں کا لمس کبھی نہیں بھولتا۔ اور پھر تمہارے ہاتھ۔ میں تو ابھی تک اپنے ہاتھوں پر ان کا لمس محسوس کر سکتی ہوں۔

عدیل! مَیں نے تم سے جذباتی معنوں میں نہ سہی مگر ایک انوکھے انداز میں محبت کی ہے۔ جس کی گہرائی کا اندازہ تم نہیں کر سکتے۔ شاید کبھی بھی نہ کر سکو۔

ہم نے قریباً پانچ سال اکٹھے گزارے ہیں۔ ان پانچ سالوں کی یادیں میرا اثاثۂ حیات ہے۔ اور موت کے آنے تک میرا زادِ راہ۔! ان میں حسین یادیں بھی ہیں اور بھیانک بھی۔!

مگر مجھے ان بھیانک یادوں سے بھی محبت ہے۔ کیونکہ یہی ان حسین یادوں کے حسن کو اجاگر کرتی ہیں۔

عدیل! اس دنیا میں کوئی کسی کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ ہر ایک کو اپنا اپنا سفر تنہا ہی کاٹنا ہے۔ راہ میں چلتے چلتے کئی ہم سفر ملتے ہیں۔ بعض کو موت جدا کر دیتی ہے۔ جن کی یادیں زیادہ تلخ نہیں ہوتیں۔

مگر۔ جنہیں حادثات چھین کر لے جائیں۔ وہ اپنے پیچھے نہایت اذیّت دہ یادیں اور گہرے گھاؤ چھوڑ جاتے ہیں۔ اس لیے سمجھنا کہ مجھے موت نے تم سے جدا کر دیا ہے۔

جس زندگی میں میں خوشیاں بھرنے کی کوشش کرتی رہی ہوں مَیں نہیں چاہتی کہ میرے آنے کے بعد اس میں کم از کم میری وجہ سے تلخی کا ایک شائبہ بھی شامل ہونے پائے۔

تم نے آج تک میری کسی خواہش کو رد نہیں کیا۔ اور آج مَیں تم سے اپنی ازدواجی زندگی کا آخری حق مانگتی ہوں ــــ طلاق۔!

کومل

عدیل نے خط کو کئی بار پڑھا۔ مگر اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔
یہ سب کومل نہیں لکھ سکتی تھی۔ یہ سب کومل نہیں لکھ سکتی تھی۔
پھر۔؟ یہ کس کا خط تھا۔؟ قیامت لے کر یہ کس کا نامہ اس کے نام آیا تھا۔؟؟
بڑی دیر تک اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ سکا۔ تحریر کومل ہی کی تھی۔ وہ بڑی اچھی طرح پہچانتا تھا۔ مگر۔ مگر۔

وہ ہاتھوں میں سر تھامے بیٹھا تھا۔ وہ سوچوں میں کھویا ہوا تھا۔
آخر یہ خط، ایسا خط کومل نے اسے کیوں لکھا۔؟ اس خط کا محرک کیا تھا۔؟ کون سا جذبہ تھا۔؟
کیا وہ اس کی توقعات پر پورا نہیں اترا تھا۔؟ مگر نہیں۔ اس کے انداز سے تو اسے ایسا کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ بلکہ۔ بلکہ۔ وہ تو اس سے بے حد محبّت کرتی تھی۔ اور اس نے تو اپنے خط میں بھی اس کے لیے محبّت ہی کا اظہار کیا تھا۔

پھر۔؟۔ پھر۔؟
وہ اپنے ساتھ اس کا گزرا ہوا اک اک لمحہ یاد کرنے لگا۔ اور جب وہ یادوں کی اس برات کے ساتھ اس رات تک پہنچا۔
وہ ہسپتال سے واپس آئی تھی۔ ان کا جھگڑا ہو گیا تھا۔ تب۔ تب۔
یکایک بہت سارے زہریلے ناگ اس کے ذہن میں جیسے سرک آئے۔ وہ اسے ڈسنے لگے۔

یہ اس نے کیا کیا تھا۔؟ یہ اس نے کیا کیا تھا۔؟؟
فری شوخ تھی۔ چنچل تھی۔ شعلہ تھی۔ سراب تھی۔ مگر۔ ذہنی لحاظ میں

وہ کومل سے بہت کم تر تھی۔

بہت معمولی۔! اور اس کی کومل۔ وہ تو ایک مثالی عورت تھی۔ اس نے اک سراب کے پیچھے بھاگ کر ٹھنڈے میٹھے چشمے کو نظر انداز کر دیا تھا۔

اس خلوص و وفا کے پیکر کے ساتھ یہ اس نے کیسی وفا کی تھی۔؟

"اور پھر میں نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی۔ میں نے تم سے شادی کا ارادہ کر لیا۔"

اسے اپنے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ یاد آ گیا۔

"نہیں۔ نہیں۔" وہ یکدم چیخ پڑا۔

"میں نے زندگی میں عقلمندی صرف یہی کی تھی۔"

اس نے باعقل و ہوش اعتراف کیا۔

پھر۔ پھر۔؟ اوہ۔! یہ سب کیا ہو گیا تھا۔؟ وقتی جذبات کے ریلوں میں بہہ کر شیطان کے بہکائے میں آ کر اس نے اپنا پُرسکون، بسا بسایا گھر اجاڑ لیا تھا۔

یہ اس نے کیا کیا تھا۔؟

کومل نے اسے ذہنی، جسمانی، روحانی، غرض ہر طرح کی آسودگی بخشی تھی۔

پھر۔ پھر وہ شیطان کے بہکائے میں کیوں آ گیا تھا۔؟

فری کا اور کومل کا تو مقابلہ ہی کوئی نہ تھا۔ فری تپتی دھوپ تھی۔ پاؤں کو جھلسا دینے والی۔ تو وہ۔ وہ ٹھنڈا ٹھنڈا سایہ۔!

فری طوفان تھی جو ہمیشہ انسانوں کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ اور کومل پُرسکون ندی۔ جو پیاسوں کی پیاس بجھاتی ہے۔!

پھر وہ پاؤں جھلسانے کیوں چلا تھا۔؟ اس نے تباہی کو گلے لگانے کی کیوں ٹھانی تھی۔؟ وہ پاگل ہو گیا تھا۔ کیوں۔؟ کیوں۔؟

اور اس کیوں کا بھی کوئی جواب اس کے پاس نہ تھا۔ تب پچھتاووں نے اسے آ گھیرا۔ وہ خود کو کوسنے لگا۔

وہ ظالم تھا۔! وہ مجرم تھا۔!! وہ قاتل تھا۔!!!

کومل کس طرح گئی ہو گی۔؟ کومل پر کیا کیا نہ بیت گیا ہو گا۔؟

اور اب۔ وہ گھر۔ جہاں کومل مہکتی تھی۔ جہاں کومل مسکراتی تھی۔ جہاں کومل محبتیں بکھیرتی تھی۔ جہاں کومل اس کے لیے آسودگی اور آسائشیں مہیا کرتی تھی۔

اب اس کے بغیر وہ اک ویرانہ تھا۔ اسے یہاں سانس لینا دشوار تھا۔ اسے یہاں کوئی آرام و سکون نہیں ملتا تھا۔

کومل۔! کومل۔!! کومل۔!!!

اس کا ہر جذبہ اسے ہی پکار رہا تھا۔

ساری رات اس نے ٹہل ٹہل کر، بیٹھ بیٹھ کر، اُٹھ اُٹھ کر، سوچ سوچ کر اور اپنے آپ کو کوس کوس کر گزاری۔

صبح کے اُجالے کی پہلی کرن کے ساتھ ہی وہ اٹیچی میں چند کپڑے اور ضروریات کی کچھ چیزیں ٹھونس ٹھانس لاہور کے لیے روانہ ہو گیا۔

کومل اپنے پُرانے کمرے کی اسی بالکنی میں ہتھیلیوں پر ٹھوڑی ٹکائے بیٹھی بے معنی نظروں سے دُور سڑک کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اس کا ذہن پچھلے پانچ چھ دن میں رونما ہونے والے حادثات وواقعات میں اُلجھا ہوا تھا۔ کیا کیا کچھ ہو گیا تھا۔ وہ سوچوں میں کھوئی تھی۔ اسے سب کچھ یاد آ رہا تھا۔

عدیل کو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ آئی تھی۔ رنج وغم کی اک لہر سی اس کے وجُود میں اُتر آئی۔ اور دُکھ کا یہ زہر اس کی پُوری ہستی میں جیسے قطرہ قطرہ کر کے سرایت کرنے لگا۔ اس کی زندگی ختم ہوئی جا رہی تھی۔ اس کی حیات میں تاریکیاں پھیلی جا رہی تھیں۔

ٹوٹتی، بکھرتی، اندھیروں سے ٹکراتی وہ پھر یادوں کے ساتھ ساتھ چل پڑی۔

امّی ابّا کو اس نے سب کچھ بتا دیا تھا۔ صرف اس لیے۔ کہ کسی طرح وہ عدیل اور فری کے راستے سے ہٹ جائے۔

عدیل کی زندگی سے خود چپکے سے نکل کر فری کو اس میں داخل کر دے۔ کہ وہ دونوں۔ ایک دوسرے کی خوشی تھے۔ ایک دوسرے کی محبّت تھے۔

مگر۔ اس کی یہ سوچ بیکار رہی گئی۔ اپنی ذات کے لیے اس نے جو فیصلہ کیا تھا اس کے متعلق تو نہ امّی نے کچھ کہا نہ ابّا نے۔ لیکن فریحہ کو عدیل کے ساتھ بیاہنے سے انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

کومل کے خیال میں ان کا غصّہ وقتی تھا۔ سوچا۔ دو چار دن میں ہی اس نے امّی اور ابّا کو آہستہ آہستہ سمجھا کر راضی کر لینا تھا کہ فری بھی آخر اُن کا خون تھی۔ اسے زندگی کی خوشیاں دینے کے لیے بھی انہیں ہی تگ ودَو کرنا تھی۔

چنانچہ اپنی طرف سے ان کی راہ ہموار کرنے کے لیے اگلے ہی دن اس نے طلاق کے لیے عدیل کو خط لکھ دیا۔ اسی طرح تو وہ ان کے لیے کچھ کر سکتی تھی۔ صرف یہی ایک طریقہ تھا۔ یا پھر۔ موت۔ !

اور وہ خدا کے ہاتھ میں تھی۔ آج آئے یا چالیس سال بعد۔ اور خود بلائی موت حرام ہوتی ہے۔

وہ خدا کے بنائے ہوئے قوانین وضوابط توڑ کر اتنے بڑے گناہ کو گلے نہیں لگا سکتی تھی کہ اس نے تو ہمیشہ چھوٹے سے چھوٹا گناہ کرنے سے بھی گریز کیا تھا۔ اس کے ضمیر نے اسے ہمیشہ نیکی کی راہ پر ہی چلایا۔

عدیل کو خط پوسٹ کر کے وہ اس کے جواب کی منتظر تھی۔ مگر۔ ابھی شاید

اس تک اس کا خط پہنچا بھی نہ تھا۔

اسی سہ پہر ابا نے فری کا رشتہ طے کر دیا۔ جانے اتنی جلد یہ سب انہوں نے کیسے کیا۔؟ اسے کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

وہ اپنے کمرے میں تھی۔ امی کے بلانے پر نیچے گئی تو وہ ایک بڑا بکس کھولے بیٹھی تھیں۔

"آؤ ذرا میرا ہاتھ بٹاؤ۔"

"یہ سب کپڑے۔" جھلمل جھلمل کرتے ملبوسات کو وہ حیرت سے دیکھنے لگی۔

"فری کی شادی کے ہیں۔"

امی نے اس کے ادھورے سوال کا بھی جواب دے دیا۔

"بہت اچھے ہیں۔ بے حد پیارے۔ خدا مبارک کرے۔"

اس نے بڑے خلوص سے ان کی تعریف کی۔

"مگر اس وقت کیوں کھولے بیٹھی ہیں امی۔؟"

"دیکھتی ہیں نا کہ مکمل کتنے ہیں۔ پرسوں اس کا عقد ہے۔"

"کیا۔؟" کومل پھٹی پھٹی آنکھوں سے ماں کو دیکھتے ہوئے چیخ پڑی۔

"آہستہ بولو۔" امی نے ہولے سے کہا۔

"یہ ایک دم ہی۔ مگر کس کے ساتھ۔؟؟"

"تمہارے ابا ہی کے کوئی ملنے والے ہیں۔"

"فری سے پوچھا ہے۔؟"

"نکاح کے وقت پوچھ لیں گے۔" امی نے بڑی بے پرواہی سے کہا۔

"نہیں۔ امی نہیں۔" وہ احتجاجی انداز میں بولی۔

"کیوں نہیں۔؟" امی نے اسے گھورا۔ پھر قدرے درشتی سے کہنے لگیں۔

"تمہارے ابا کی یہی مرضی ہے۔ میں تو کچھ نہیں کر سکتی۔"

"اور اگر نکاح کے وقت اس نے انکار کر دیا۔ تو۔؟"

"نہیں کرے گی۔" وہ پورے وثوق سے بولیں۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں۔؟"

"میں نے اسے جنم دیا ہے۔ پالا پوسا ہے۔ میں اس کی طبیعت اور عادات سے اچھی طرح واقف ہوں۔"

امی بڑی سنجیدہ تھیں۔ کومل نے انہیں اس ارادے سے باز رکھنے کی اک کوشش اور کی۔

"لیکن امی! یہ شرع شریعت کے بھی۔"

"بس!" امی نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اب تم خاموش رہو۔ اور جیسے سب کچھ شرع شریعت کے مطابق ہوا ہے۔ میری زبان نہ کھلواؤ۔ وہ کھلی تو ساتھ میرے زخم بھی کھل جائیں گے۔"

"امی۔!"

"آؤ بیٹھو۔ اور باتوں میں وقت ضائع نہ کرو۔"

امی کے لہجے کی، انداز کی سنگینی نے اسے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔

وہ چپ چاپ ان کے ساتھ مل کر فری کے کپڑے وغیرہ تیار کرنے لگی۔

اگلا دن سارا شاپنگ کرتے گزرا۔ فری کے بیاہ کے لیے پہلے سے ہی ابا نے کچھ

جمع جوڑ کر رکھا تھا۔ کومل کی شادی جتنے وسیع پیمانے پر تو نہیں، البتہ
تھوڑی تھوڑی ہی سہی ہر چیز فراہم کر لی گئی۔
جس جس کو مدعو کرنا تھا ابا نے خود ہی کسی کو فون کر کے اور کسی کے پاس
خود جا کر اس کی شادی کی اطلاع دے دی۔
بچپن میں گڑیا گڈے کی شادی بھی دونوں بہنیں اس سے کچھ زیادہ دھوم
دھام اور شور شرابے سے کیا کرتی تھیں۔
فری اپنے کمرے میں ہی گھسی رہی۔ سب کچھ دیکھا۔ یا شاید نہیں۔ لیکن۔
نہ اس نے کچھ پوچھا۔ نہ بولی۔
نکاح کے وقت گواہ اس کے دستخط کرانے اس کے پاس گئے تو کومل
دھک دھک کرتے دل کو تھام کر اپنے کمرے میں گھس گئی۔
جانے کیا ہونے والا تھا۔ جانے کیا ہونے والا تھا۔؟
اندازہ اس کا یہی تھا کہ فری اس شادی سے انکار کر دے گی اور ابھی
ساری برادری کے سامنے اس کے ابا کی بے عزتی ہو جاتے گی۔ ان کی ناک کٹ
جائے گی۔
مگر۔ یکایک مبارک باد کی صدائیں گونج اٹھیں۔ تب اسے معلوم ہوا کہ
نکاح بخیر و خوبی ہو گیا تھا۔
نکاح کے بعد رخصتی بھی ہو گئی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے خواب
کی کیفیت سے وہ گزر رہی تھی۔
رخصتی کے وقت امی ابا نے باری باری فری کو گلے لگا کر اسے شاد و آباد

رہنے کی دعائیں دیں۔ پھر۔ پھر وہ اس کے پاس گئی۔ اس کی حقیقی اور بڑی
بہن تھی۔
دلہن بنی فری کا جھکا ہوا چہرہ اس نے اونچا کیا۔ چمکتے دمکتے زیورات،
عروسی سُرخ جوڑے اور سنگھار نے اسے بے حد خوبصورت بنا دیا تھا۔ کئی
لمحے وہ اسے دیکھتی رہی۔
پھر یکایک کومل کی آنکھوں سے ڈھیر سارے آنسو بہہ نکلے۔
اسے عدیل سے محبت تھی اور وہ کسی دوسرے شخص سے بیاہی جا رہی تھی۔
کچھ بھی تھا۔ فری اس کی بہن تھی۔
اس کی ناکام محبت پر، اس کی مٹنے والی آرزوؤں اور حسرتوں پر اسے
رونا آ گیا۔ بہت ڈھیر سارے دُکھ اس کے سینے میں اتر گئے۔
"میں تمہارے لیے بہت کچھ کرنا چاہتی تھی میری بہن۔ بہت کچھ۔ مگر مجھے
بے حد افسوس ہے کہ میں کچھ بھی نہ کر سکی۔ میرے سارے ارادے، سارے منصوبے
دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اور زبردستی تمہیں ایسے ہاتھوں میں سونپا جا رہا ہے
جن کے متعلق تم کچھ بھی نہیں جانتیں۔ جانے وہ کیسا انسان ہے۔؟ میں بھی نہیں
جانتی۔ خدا تمہارے نصیب اچھے کرے۔ خدا تمہیں سارے جہاں کی خوشیاں
عطا کرے۔ میرے حصے کی بھی۔"
لیکن یہ سب وہ محض دل میں سوچ سکی۔ زبان سے اک دُکھ بھری آہ کے
ساتھ صرف ایک لفظ ہی نکلا۔
"فری۔!"

اسی لمحے فری نے بند آنکھیں کھولیں۔ وہ شاید نہیں جانتی تھی کہ اتنی دیر سے ٹکٹکی باندھے اسے کون دیکھ رہا تھا۔

اور جب سامنے کومل کھڑی نظر آئی۔ اس سے نگاہیں چار ہوئیں تو یکدم اس نے سر کو جھٹکا دے کر اپنی ٹھوڑی اس کے ہاتھ سے چھڑا لی۔

اس کی آنکھوں میں ناراضگی تھی۔ نفرت تھی۔ جیسے اس کے ساتھ یہ سب کچھ کومل نے کیا تھا۔

کومل کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ اس کی ہر نیکی نجانے کیوں بُرائی کا رُوپ دھار لیتی تھی۔ ؟؟

اب بھی اس نے امّی ابّا سے بات کی تھی تو اس کی خاطر نا۔ اور اگر انہوں نے یکدم اس کا کہیں اور بیاہ کر ڈالا تھا تو اس میں اس کا کیا قصور۔ ؟ اس نے تو نہیں کہا تھا۔

اس نے تو طلاق کے لیے عدیل کو بھی خط لکھ دیا تھا۔ اسی کی خاطر نا۔ اسی کی خوشی کے لیے نا۔ اسی کی راہوں کے کانٹے اس نے اپنے ہونٹوں سے اپنی پلکوں سے چننے کی کوشش کی تھی نا۔

اور۔ فری پھر بھی اسی سے ناراض تھی۔ الوداعی پیار دینے کے لیے کومل نے اسے گلے سے لگایا تو وہ ایک جھٹکے سے پرے ہٹ گئی۔ جیسے کومل کوئی زہریلی ناگن تھی اور ابھی اس نے اسے ڈس لینا تھا۔

کومل آنسو بہاتے ہوئے پرے ہٹ گئی۔ اس کے مقدر میں ہی خرابی تھی۔

وہ چپ چاپ اوپر اپنے کمرے میں آبیٹھی۔

لڑکی کی رخصتی کے بعد کی ویرانی نہ صرف ان کے گھر میں اُتر آئی تھی بلکہ شاید سب کے دلوں میں بھی اُتر آئی تھی۔

بڑا پُرہول سا سناٹا چھا گیا تھا۔ نہ کومل نے رات کا کھانا کھایا نہ امّی اور ابّا نے۔ فری جس طرح اس گھر سے یکایک اور خاموشی سے رخصت ہو گئی تھی شاید ہر کوئی اپنے آپ کو ہی اس کا مجرم گردان رہا تھا اور ذمہ دار ٹھہرا رہا تھا۔

ابّا امّی سے اُلجھ رہے تھے اور امّی کینز سے۔ بات بے بات۔ وجہ بلاوجہ۔! کچھ بھی تھا۔ فری ان کی اولاد تھی۔ ان کا خون تو تھی۔!!

اگلی صبح بھی بڑی خاموش تھی۔ وہ سارا دن بھی اسی طرح خاموشی اور ویرانی میں کٹا۔ کومل اُوپر اپنے کمرے میں ہی پڑی رہی۔

شام کو فری نے واپس میکے آنا تھا۔ اور دستور کے مطابق گھر کے سبھی افراد نے اسے لینے جانا تھا۔ مگر کومل نے طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا کر جانے سے انکار کر دیا۔

درحقیقت وہ فریحہ کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ دلہن بنی نے اس پر اپنی ناراضگی کا اظہار کر دیا تھا تو اب۔ اب نجانے کیا کرے۔ ؟

منہ پھٹ تو بہت تھی۔ کہیں سب کے سامنے ہی اس کی بے عزّتی نہ کر ڈالے۔ اسے ذلیل نہ کر دے۔ دل کی نفرت و حقارت سب کے سامنے ہی اس پر اگل نہ دے۔

اپنی ناکام حسرتوں اور لٹی تمناؤں کا نوحہ سب کے سامنے ہی نہ سنانے لگے اپنی برباد محبت کا ماتم سب میں نہ کرنے لگے۔ کہ اب یہ خود اس کی ذات کے لئے

کے لیے مناسب نہ تھا۔ اب اس کے ساتھ اس کی زندگی کا ایک ساتھی بھی تھا۔
فری نے تو یہ سب کچھ نہیں سوچا تھا۔

ان سب سوچوں کے تحت وہ گھر میں ہی اکیلی پڑی رہی کہ نہ فری کو وہ دکھائی دے گی نہ وہ آپے سے باہر ہو گی۔

اس کے علاوہ خود اس کا اپنا دل حد درجہ اداس تھا۔ اندر ایسا ویران ہو رہا تھا جیسے ہزاروں سال پرانے کھنڈر۔ سب کچھ ٹوٹا بکھرا تھا۔ اور وہ اس ٹوٹے بکھرے من کو لے کر کہاں جاتی۔؟

گہری رات ہوئی امی ابا واپس آئے۔ کنیز بھاگی بھاگی اوپر پہنچی۔ اور فریحہ دلہن کی آمد کا کومل کو بتایا۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ نیچے جانے کے متعلق سوچ ہی رہی تھی کہ پھر وہی خیال ذہن میں گھس آیا۔

کیا فائدہ تھا نئے نویلے بہنوئی کے سامنے بے عزتی کروا لینے کا۔ اپنی عزت لیے پھر چپ چاپ وہیں بیٹھی رہ گئی۔ جانے کب تک فری کا غصہ ٹلے۔ اور جب تک اس کا غصہ نہ ٹلتا وہ اسے اکیلے میں تو مل سکتی تھی مگر سب کے سامنے نہیں۔

تیز تیز قدموں کی چاپ پر کومل نے نگاہیں اٹھائیں۔ فریحہ اندر آ رہی تھی۔ نجانے کس موڈ میں تھی۔؟ زبان پر نامرادیوں کے دہکتے انگارے۔؟ نگاہوں میں نفرت، حقارت یا۔ یا۔

"باجی۔! میری پیاری باجی۔!!"

اس کی سوچ ادھوری ہی رہ گئی۔ فری کی آواز میں شہنائیوں کی گونج تھی۔

چوڑیوں کی جھنکار تھی اور مدھ بھرے نغموں کی الاپ۔!

وہ بھاگی بھاگی آ کر اس سے لپٹ گئی۔

"آپ ہمیں۔" پھر وہ عجب انداز میں لجائی۔

"آپ اپنے دولہا بھائی سے ملنے نیچے نہیں آئیں۔؟"

وہ بڑے پیار سے شکوہ کر رہی تھی۔

"وہ۔ وہ۔" کومل ابھی کوئی جواب نہ دے پائی تھی کہ فریحہ خود ہی پھر بول پڑی۔

"ہائے باجی! میں آپ کو کیا بتاؤں کہ جنید کیسے انسان ہیں۔ اتنے اچھے۔ اتنے ہنس مکھ۔ اور۔ اور۔"

پھر وہ قدرے شرمائی۔

"اتنی محبت کرنے والے۔ یہ دیکھیے انہوں نے مجھے رونمائی میں یہ کندن کا پورا سیٹ اور کنگن دیئے ہیں۔ لکھ پتی ہیں۔ بہت بڑے لکھ پتی۔"

انہیں زیورات کی چمک جیسے اس کے چہرے پر بکھری تھی۔

"باجی! میں اپنی زندگی کا ساتھی بالکل ایسا ہی چاہتی تھی۔ جنید میرا آئیڈیل ہیں۔"

کومل حیرت سے اسے تک رہی تھی۔

یہ سب کچھ وہ ظاہر میں ہی نہیں کہہ رہی تھی بلکہ اندرونی خوشی اس کی ایک ایک حرکت، ایک ایک لفظ سے عیاں تھی۔

اس کے چہرے پر قوس و قزح کے سے خوبصورت رنگ تھے۔ اس کی آنکھوں

ہیں انوکھی سی چمک تھی۔ جیسے پُوری کی پُوری کہکشاں وہیں اتر آئی تھی۔

"اور ہاں۔ میری شادی میں کیا عدیل بھائی کو نہیں بلایا تھا۔؟ وہ آجاتے تو جنید سے مل کر بہت خوش ہوتے۔"

"عدیل بھائی۔" کومل اور بھی زور سے چونکی۔

"آپ نیچے نہیں آئیں گی۔؟ آئیے نا۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مَیں اگر دو منٹ اور یہاں ٹھہری تو میرے پیچھے پیچھے آجائیں گے۔ ایک پل میرے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور آپ نے ابھی لباس وغیرہ تبدیل کرنا ہو گا۔ اسی طرح نیچے نہ آجائیے گا۔ آپ نے جنید سے پہلی بار ملنا ہے۔ اور مَیں نے آپ کی اور عدیل بھائی کی ان کے سامنے بہت ساری تعریفیں کی ہوئی ہیں۔"

وہ جلدی سے اس کے قریب آئی۔ جھک کر ہولے سے کومل کے کان میں بولی

"آپ مری کب واپس جا رہی ہیں۔؟ ہمارا ارادہ ادھر ہی ہنی مون منانے کے لیے جانے کا ہے۔"

پھر یکدم اس کے لہجے میں گھمنڈ سا ابھر آیا اور گردن تن گئی۔" مری کا ارادہ تو عدیل بھائی اور آپ کی خاطر کیا ہے۔ جنید تو سوئٹزر لینڈ جانا چاہتے تھے مگر شادی اتنی عجلت میں ہوئی کہ ابھی میرا پاسپورٹ نہیں بنا۔ ویسے کوشش کر رہے ہیں۔ جلد ہی ادھر بھی۔۔" پھر وہ چونکی۔" ارے! مَیں آپ سے باتوں میں لگ گئی اور وہ میرا انتظار۔۔"

اور وہ عجب شرمیلی شرمیلی سی مسکراہٹیں ہونٹوں پر سجائے تیزی سے نیچے اتر گئی۔

کومل کو نہ اپنی آنکھوں پہ اعتبار آ رہا تھا نہ اپنے کانوں پر۔

یہ سب کیا تھا۔؟ یہ سب کیا تھا۔؟

ایک رات جنید کے ساتھ گزاری تو وہ اس کا آئیڈیل بن گیا۔ وہ اس کے عادات و خصائل سے واقف نہیں تھی۔ وہ اس کے مزاج اور افتادِ طبع سے ناآشنا تھی۔ وہ اس کے لیے بالکل اجنبی تھا۔ بالکل اجنبی۔!

اور پھر بھی صرف ایک رات میں وہ اس کا آئیڈیل بن گیا۔ محض اس لیے کہ وہ ایک دولت مند مرد تھا۔

عدیل سے زیادہ قابل نہیں تھا۔ اس سے زیادہ وجیہہ نہیں تھا۔ اس جیسی پُرکشش شخصیت کا مالک نہیں تھا۔

پھر بھی وہ اس کا آئیڈیل بن گیا تھا۔ ایک رات میں۔ صرف ایک رات میں۔!

یہ کیسی محبتیں تھیں۔؟ یہ کیسی وفائیں تھیں۔؟؟

اس کا اعتماد ہر چیز سے اُٹھ گیا۔ سب جذبے جھوٹے تھے۔ محبتوں کے سب دعوے غلط تھے۔ وفاؤں کے عہد فریب تھے۔ دھوکا تھے۔

اور یہ انسان۔ رُوپ بدلتے انسان۔ پل پل میں ان کی محبتیں بدلتی تھیں اور پل پل میں آئیڈیل۔!

وہ کس دنیا میں بس رہی تھی۔؟

یہ اس کی دنیا نہیں تھی۔ یہ اس کی دنیا نہیں تھی۔

یہاں تو لوگ محبت کرنا بھی نہیں جانتے تھے۔ یہاں تو لوگ وفا کے نام سے ناآشنا تھے۔

ہیر رانجھا۔ سسی پنّوں اور سوہنی مہینوال کے دیس میں بسنے والے لوگ بھی محبت کرنا نہیں جانتے تھے۔ وفا کے نام سے ناآشنا تھے۔ !

کتنا ظلم تھا۔ !کیسا اندھیر تھا۔ !!

بریک لگنے کی تیز آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ اپنے خیالات سے چونکتے ہوئے اس نے جلدی سے نیچے پھاٹک کی طرف دیکھا۔

عدیل ٹیکسی سے اُتر رہا تھا۔

"اور پھر مَیں نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی۔ مَیں نے تم سے شادی کا ارادہ کر لیا۔"

اس کے کانوں میں عدیل کے الفاظ گونج اُٹھے۔ گھبرا کر اس نے کانوں پر ہاتھ دھر لیے۔

وہ فری کے لیے آیا تھا۔ وہ فری کے لیے آیا تھا۔ لیکن ۔فری تو جا چکی تھی اپنے نئے آئیڈیل کے پاس۔ !

کومل کو ہنسی آگئی۔ اس ہنسی میں کیا کچھ نہ تھا۔

آنسو۔ طنز اور بہت سارے دُکھ۔ !!

گھر میں اس وقت وہ اکیلی تھی۔ امّی ابّا فری اور اس کے دولہا کے ساتھ ماموں کے ہاں گئے ہوئے تھے۔

ساتھ چلنے کو کہا اسے بھی گیا تھا مگر اس کا دل ان ہنگاموں سے دُور ہی رہنا چاہتا تھا۔

امّی ابّا کو اندر سے معلوم تھا کہ اس نے پھر طبیعت کی خرابی کا بہانہ ہی بنایا

تھا مگر پھر بھی انہوں نے اصرار نہیں کیا۔ اس کا بھرم رکھنے کے لیے چپکے سے بہانے کو سچ مان لیا۔

یُوں وہ اپنی ویرانیوں کے ساتھ گھر میں اکیلی تھی۔ عدیل سیدھا اُوپر ہی چلا آیا۔

کومل نے سیڑھیاں چڑھنے کی وہی مانوس آواز سنی۔ اس کو یُوں لگا جیسے ابھی فریحہ کی آواز اُبھرے گی۔

"یہ ہیں میری باجی کومل۔ اور باجی! یہ ہے عدیل میرا کلاس فیلو۔ !"

اور عدیل اپنے اسی معصومانہ اور محبوبانہ انداز کے ساتھ اس کے سامنے آ کھڑا ہو گا۔

"کومل۔ !"

عدیل نے دروازے میں ہی کھڑے کھڑے اسے پکارا۔

وہی آواز۔ دل کے اندر اُتر جانے والی آواز۔ !!

جی چاہا۔ بھاگ کر اس سے لپٹ جائے۔ مگر۔ اسے تو فری سے محبت تھی۔

کومل چند لمحے خاموش رہی۔ دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ بڑی مشکل سے دھڑکنوں کو ہموار کیا۔ پھر آہستہ سے اُٹھ کر پیچھے مڑی۔

"کون۔ ؟"

اجنبیت کے سائے اس کی آنکھوں میں لہرائے۔

"مَیں ہوں کومل۔ ! عدیل۔"

"فری تو اپنے آئیڈیل کے پاس چلی گئی۔ تم بہت دیر کر کے آئے ہو عدیل۔ !"

وہ انتہائی سپاٹ لہجے میں بولی۔

"اوہ۔!" عدیل اس کے قریب بڑھ آیا۔

"میں فری کے پاس نہیں۔ تمہارے پاس آیا ہوں۔ اپنی کومل کے پاس۔ اپنی زندگی کے پاس۔!"

"یہاں تمہارا کوئی نہیں ہے۔"

"ہے کیوں نہیں۔؟ دنیا میں جو کوئی میرا اپنا ہے وہ صرف یہیں ہے۔"

"تمہیں میرا خط مل چکا ہوگا۔؟"

"ہاں۔"

"پھر۔؟" وہ اسی جذبات سے عاری آواز میں پوچھ رہی تھی۔

"تو کیا تم واقعی اس قدر بے رحم ہو سکتی ہو۔؟ کیا تم واقعی۔۔۔"

"ہاں عدیل! میں واقعی بہت سنگدل ہوں۔ اور اگر تمہارا خیال ہے کہ تم اپنی باتوں سے اس پتھر کو پگھلا لو گے تو یہ تمہاری بھول ہے۔"

کومل نے بڑے سکون سے کہا۔

"یہ۔ یہ تم کہہ رہی ہو کومل! جو میری زندگی میں خوشیاں بھرنے کی خواہاں تھی۔ جس نے میرے لیے اتنی قربانیاں دیں۔"

"ہاں عدیل! میں وہی کومل ہوں۔ مجھے پہچانو۔ مگر کاش! تم مجھے پہچان سکتے۔"

"کومل! ایک بار پھر اپنے فیصلے پر غور کرو۔"

اس کی آواز میں التجا تھی۔

"شاید تمہارے دل کے کسی کونے میں میری محبت موجود ہو۔ مگر نہیں۔ میں تمہاری محبت کے قابل نہیں۔ میں تم سے رحم کا طلب گار ہوں۔ مجھے معاف کر دو کومل۔؟ مجھے معاف کر دو۔ میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں۔"

وہ اس کے سامنے جھک گیا۔

"مجھے اب۔ تم سے بچھڑنے کے بعد۔ اپنی زندگی پر تمہاری سدا کی جدائی کا سایہ منڈلاتے ہوئے دیکھ کر احساس ہوا ہے کومل! کہ مجھے تم سے محبت ہے سب سے زیادہ۔ سب سے گہری۔ میں تمہارے بغیر ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔"

اس کی آواز میں شرمندگی تھی۔ افسردگی تھی اور ہزاروں پچھتاوے۔

"میری زندگی کو یوں ویران نہ کرو کومل! ابھی تو اس میں آرزوؤں کے پھول بھی نہیں کھلے۔ ابھی تو ہم نے ایک دوسرے کو پہچانا بھی نہیں۔ واپس آجاؤ کومل! میں تمہاری منت کرتا ہوں!"

کومل بت بنی کھڑی رہی۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔ قدرے توقف بعد وہ بولی۔

"عدیل! مجھے تمہاری ذہنیت پر ہنسی آتی ہے۔ تم کس قسم کی محبت کے قائل ہو۔ جس کا احساس صرف جدائی کے بعد ہوتا ہے۔ یہ محبت تو نہیں۔ یہ تو نقصان کا افسوس ہے۔ کسی بھی چیز کے کھو جانے کا صدمہ۔!"

تلخ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر آئی۔

"جو چند دنوں میں مندمل ہو جائے گا۔ ذہن سے اتر جائے گا۔ محبت میں تو انسان ایک رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ پھر محبت ہستی کا لاینفک جزو بن جاتی ہے

پھر محبت ہوا کی طرح اہم ہو جاتی ہے۔ زندگی کے ہر لمحے کے لیے۔!"

وہ چپ چاپ سر جھکائے کھڑا تھا۔ کومل بڑی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

"اور۔ جس دکھ کا تم رونا لے کر آئے ہو یہ محبت تو نہیں۔ اتنا افسوس تو تمہیں اپنی کسی بھی چیز کے کھو جانے کا ہو سکتا ہے۔ اور ایسی ہر چیز تمہیں دوبارہ مل سکتی ہے۔ میرے چلے آنے سے تمہاری زندگی میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے عدیل! وہ عارضی ہے۔ جو چند دنوں، مہینوں یا سالوں بعد پُر ہو جائے گا۔ کسی اور کومل سے۔ مگر۔"

اک زہر بھری مسکراہٹ پھر اس کے لبوں پر تیری۔

"تم اس سے بھی محبت نہیں کر سکو گے۔ تم کسی سے بھی محبت کرنے کے اہل نہیں عدیل۔! اور شاید یہی تمہاری زندگی کی ٹریجڈی ہے۔ دنیا میں ہر شخص محبت کرنے کا بھی اور چاہے جانے کا بھی اہل نہیں ہوتا۔ البتہ تم۔ صرف چاہے جانے کے اہل ہو۔ اور سچ مانو عدیل! مَیں نے تمہیں اپنے دل و جان سے چاہا ہے۔ پورے خلوص سے چاہا ہے اور سچے جذبوں سے چاہا ہے۔ اب اس سے زیادہ مَیں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔"

"مَیں تو بڑی امیدیں لے کر آیا تھا کومل۔!"

عدیل نے مایوسی بھرے لہجے میں کہا۔

"کہ تم میرا دامن مراد کے پھولوں سے بھر دو گی۔"

"کاش! مَیں ایسا کر سکتی۔ مگر جب خود میرے دامن میں انگارے ہی انگارے ہیں تو مَیں پھول کہاں سے لاؤں۔؟ اور شاید یہ انگارے تم قبول نہ کرو۔"

"مجھے سب کچھ قبول ہے کومل۔! مجھے سب کچھ قبول ہے۔ بس! میری زندگی میں لوٹ آؤ۔ مَیں تمہارے بغیر۔"

"نہیں نہیں۔" کانوں پہ ہاتھ دھر کر وہ چیخ پڑی۔

"ایک بار پہلے بھی تم نے یہی سب کچھ کہا تھا۔ پھر تمہاری اپنی ہی زبان نے اس کی تردید بھی کر دی۔ اور اب۔ تم چلے جاؤ یہاں سے۔ مجھ میں ایک بار پھر وہ سب سننے کی تاب نہیں۔ چلے جاؤ۔ چلے جاؤ۔"

وہ دیوانوں کی طرح چیخ رہی تھی۔

"تم لوگ محبت کرنا نہیں جانتے۔ نہیں جانتے۔ تم لوگ صرف وقتی جذبوں کو محبت کا نام دے کر رونا اور واویلا مچانا جانتے ہو۔ تم سچائی کو نہیں پرکھ سکتے۔ تمہیں کھرے کھوٹے کی تمیز نہیں۔ اور جو سچائی کو پرکھ نہیں سکتا وہ محبت کیسے کرے گا۔ اور جو محبت کرنے کا فن نہیں جانتا وہ وفا کیا کرے گا۔؟ چلے جاؤ یہاں سے۔ چلے جاؤ۔ پلیز! مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"

عدیل بڑی دیر سر جھکائے کھڑا کچھ سوچتا رہا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد نگاہ اٹھا کر کومل کی طرف بھی دیکھ لیتا مگر۔

وہ نگاہیں پھیرے لاتعلق سی کھڑی تھی۔ چہرے پر اس محبت، ان جذبوں کا ہلکا سا بھی عکس نہ تھا جو اس کے لیے وہاں ہمیشہ موجود رہتے تھے۔

تب۔ مایوس ہوتے ہوئے جھکے سر کے ساتھ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا نیچے اتر گیا۔ زندگی کی ہر بازی ہار کر۔

کومل کچھ دیر ساکن کھڑی اسی جگہ کو دیکھتی رہی جہاں تھوڑی دیر پہلے عدیل

کھڑا تھا۔ پھر۔ مسہری پر گری اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

کر چلے جانے والے سے اسے بے پناہ محبت تھی۔!! اس نے اسے اپنے تمام تر سچے جذبوں کے ساتھ چاہا تھا۔!!!

ختم شد

دیکھ سکتی تھی۔ خود برباد ہوسکتی تھی مگر اپنی وجہ سے کسی اپنے کو برباد ہوتا دیکھنے
کی اس میں ہمت تھی نہ طاقت۔ !!

"خدا گواہ ہے کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ پوری طرح۔ میں نے
ہر آنے والے خطرے سے تمہیں آگاہ کر دیا ہے۔ تم پھر بھی اپنی بات منوانے
پر اڑے رہو تو۔ تو تمہاری مرضی۔ مجھے بہرحال تمہاری خوشی عزیز ہے۔ اپنی
خوشیوں سے زیادہ تمہاری خوشی۔!"

"کومل۔!" وفورِ مسرت سے وہ چیخ سا پڑا۔

"تم کتنی اچھی ہو۔ تم کتنی عظیم ہو۔"

اس نے اسے بازوؤں میں بھر کر جکڑ دے ڈالا۔ وہ تو بالکل ہی دیوانہ ہو
گیا تھا۔

"میں جانتا تھا کہ تم مجھے نہیں ٹھکراؤ گی۔ تمہارا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولوں
گا۔ اس کے بدلے میں، میں دنیا بھر کی خوشیاں تمہارے قدموں میں لا ڈھیر کر دوں گا۔
میں تم پر سے اپنی زندگی، اپنی محبت، اپنا تن من، سب کچھ قربان کر دوں گا۔
تمہاری اِک اِک مسکراہٹ کے لیے میں اپنی ہستی تک مٹانے میں کوئی کسر نہیں
چھوڑوں گا۔ تم دیکھنا تو سہی۔"

وہ جنونی انداز میں جانے کیا کیا کہے جا رہا تھا۔ اسے کچھ ہوش نہ تھا۔

"اب آج سے باجی واجی آپ واپ سب ختم۔ کوئی بڑاپن۔ کوئی چھوٹاپن
نہیں۔ آج سے ہماری دوستی نے ایک نیا روپ دھار لیا ہے۔ آج سے تم میری
صرف کومل ہو۔ منی سی کومل۔ ! عدیل کی کومل۔!!"

مگر کومل ان سب باتوں سے بے نیاز کسی گہری سوچ میں غرق تھی۔ وہ
اپنی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں سے بھی بے نیاز تھی۔

اور۔ عدیل کہے جا رہا تھا۔

"کومل! صرف تین سال کی بات ہے۔ اور یہ تین سال تو پلک جھپکتے میں
گزر جائیں گے۔ پھر ہم ایک دوسرے کے ہو جائیں گے۔ صرف تین سال پھر
تم۔ میں۔ کومل۔ عدیل۔ دونوں کی ایک راہ۔ ایک منزل۔ ہم مل کر اک نیا جہاں
آباد کریں گے۔ جہاں محبتیں ہوں گی۔ چاہتیں ہوں گی۔ پیار ہوگا۔ خلوص ہوگا۔
خوشیاں ہوں گی۔ اور۔ اور۔"

اور کومل کی آنکھوں سے ٹوٹتے بکھرتے ہوئے ایک ایک موتی میں وہ اپنی
ہی شبیہ دیکھ رہا تھا کہ اس کے خیال میں یہ خوشی کے آنسو تھے۔

کومل کی آنکھ سے گرنے والا ہر موتی مقدس تسبیح کا دانہ تھا۔ چونک کر اس
نے اپنا رومال آگے کر دیا۔